

محمد شجاعی

حقیقی عزادار کون

عزادار کے سیر و سلوک کے پانچ مراتب

حقیقی عزادار کون

عزادار کے سیر و سلوک کے پانچ مراتب

محمد شجاعی

حقیقی عزادار کون

مصنف:.................محمد شجاعی

تدوین و ترتیب:...........سید محمد علی ترمذی

صاحب امتیاز:..........خانہ فرہنگ اسلامی جمہوریہ ایران راولپنڈی، پاکستان

ناشر:...........ادارہ البیان پاکستان، اسلام آباد

اشاعت:...............اول

تاریخ اشاعت:...........۲۰ جمادی الثانی ۱۴۳۳

بمطابق ۱۲ مئی ۲۰۱۲

تعداد:.............۲۰۰۰

قیمت:.............۳۰۰ روپے

ادارہ البیان پاکستان، اسلام آباد

03002982565

alidaak@gmail.com

بِسۡمِ اللهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

پاکستانی عوام کے نام استاد محمد شجاعی کا دعائیہ پیغام

پاکستان کی عزیز، شریف، مومن، اور خدا جو ملت پر میرا درود و سلام ہو؛ میری دعا ہے کہ اللہ تعالی کی خیرات و برکات و تحیات اور توفیقات ہمیشہ اس ملت عزیز پر نازل ہوتی رہیں اور اللہ تعالی انہیں محمد و آل محمد کی ہمراہی اور ہم جہتی نصیب فرمائے اور انہیں اہل بیت (علیہم السلام) کا حقیقی عزادار بننے اور ان کے خون کا انتقام لینے والوں میں سے قرار دے اور انہیں دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھے۔

فہرست

تقدیم

ہم ان عرایض کو اپنے غریب الوطن اور مظلوم امام حسینؑ - کی خدمت اقدس میں پیش کرتے ہیں جن کا خون مطہر احیاء دین اور جہالت و گمراہی سے نجات دلانے والا ہے۔

اور ان کے غریب الوطن اور مظلوم فرزندؑ جو "حسین زمان" (امام زمانہ) ہیں جو ان کے خون کے اصلی منتقم ہیں کے حضور پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ ہمارے مولا و آقا جو تیرہ سو برس سے ہماری ہمدردی، ہمت و غیرت کے منتظر ہیں؛ تاکہ اسلامی حکومت قائم ہو اور عملیات انتقام کا آغاز ہو اور مظلوموں کو ظالموں سے نجات حاصل ہو۔

خدایا امام زمانہ - کے ظہور میں تعجیل فرما

اور ہمیں توفیق عطا فرما تاکہ ہم ان کی راہنمائی میں اسلامی حکومت قائم کر سکیں

پیش لفظ

میں اللہ تعالی کا شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے یہ توفیق عطا فرمائی کہ میں اپنے عزیز پاکستانی عوام کے ساتھ مل کر حسین ابن علی علیہ السلام کا نام لوں اور ان کا ذکر کروں۔

جو افراد امام حسین علیہ السلام سے خاص ارادت رکھتے ہیں، اور ایام محرم میں پاکستان کے مختلف شہروں میں فرزند رسول اکرم (ص) سالار شہیدان کی مجالس اور عزاداری کے پروگرام تشکیل دیتے ہیں۔ میں نے خانہ فرہنگ ج۔ا۔ایران راولپنڈی میں چند مذہبی اور قرآنی محافل کا انعقاد کیا اور انہیں قریب سے دیکھا ہے۔ اور مجھے یہ توفیق ملی کہ میں ان کی خدمت میں اپنے استاد محترم آقای شجاعی کی کتاب (عزادار حقیقی) جس کا اردو ترجمہ کرنے کی انہوں اجازت دی؛ پیش کر سکوں۔ اس مفید کتاب کے ترجمے اور اشاعت کا کام ادارہ البیان پاکستان کے حصے میں آیا تا کہ جوان اور امام عالی مقام کے ارادتمند اس سے استفادہ کر سکیں۔

میں اللہ تعالی سے دعا گو ہوں کہ وہ ہمیں اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور حسین زمان حضرت مہدی (عج) کی پہچان اور ان کا ہم سفر بننے میں ہماری مدد فرمائے۔

شکریے کے ساتھ

محمود امیر گل

وابستہ فرہنگی و مسئول خانہ فرہنگ ج۔ا۔ایران

راولپنڈی

01884

مورخہ ۲۱۔۱۔۱۳۹۱

بمطابق ۷ اپریل ۲۰۱۲

پیش گفتار

معصومین علیہم السلام اور اولیائے دین کی مقدس و مطہر قبور کی زیارت، ان عظیم ہستیوں سے توسل کرنا، ان کے ایام شہادت میں سوگوار ہونا، ان کے ایام شہادت یا وہ ایام جو کسی طرح ان انوارِ طیبہ سے مربوط ہوں ان کا احترام کرنا خصوصاً سید الشہداءؑ کے حوالے سے ان اہم ترین موضوعات میں سے ہے کہ جس کا کہ اسلامی ثقافت و تمدن اور تعلیم میں ایک بلند مقام ہے اگرچہ دیگر تمدن بھی اس سے بے بہرہ نہیں ہیں۔ آیات و روایات کی تحقیق اس حقیقت کی نشاندہی کرتی ہے کہ اللہ تعالی کے نزدیک محمد و آل محمد علیہم السلام سے زیادہ محبوب کوئی اور مخلوق نہ تھی اور نہ ہوگی۔ یہ سب نور واحد ہیں اور ایک ہی حقیقت ہیں ۔

اس کے باوجود سید الشہداءؑ اپنے زمان و مکان کی شرائط کی وجہ سے اور ایک خصوصی ماموریت کہ جو اللہ تعالی کی طرف سے انہیں سونپی گئی تھی؛ اس کے باعث وہ ایک خاص نورانیت اور تجلی کے مالک ہیں۔ اسی تجلی اور خاص درخشندگی کی وجہ سے تمام انسانوں کے دلوں اور بالخصوص مومنین کے دلوں میں ایک وہ ایک خاص مقام اور عزت رکھتے ہیں۔

اللہ تعالی کے سیدھے راستے پر انسان کی ہدایت میں امام حسین علیہ السلام اور ان کی عزاداری کا جو اہم کردار ہے، اس کی وجہ سے اللہ تعالی نے یہ ارادہ کیا ہے کہ ان کا مقدس نام اور حماسہ پوری تاریخ میں زندہ رہے۔[1]

---

[1] (۱) سید الشہدا علیہ السلام کے بارے وحی الہی کے ذریعے گذشتہ پیغمبروں کی آگاہی اور ان پر گریہ وزاری کے بارے میں مزید معلومات کے لیے ان کتب سے رجوع کیا جائے۔ الدر المنصور، صفحہ ۱۵۱۔ (۲) نفس المہموم، صفحہ ۲۰۔ (۳) محن الابرار، صفحہ ۴۹۔ (۴) وسائل المحبین۔

اس حقیقت کو ثابت کرنے کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں کہ سید الشہداعلیہ السلام اقوام عالم میں اور ہر نوع کے مختلف مذاہب میں محبوب ترین شخصیت ہیں۔ اس حقیقت کو بہتر درک کرنے کے لیے ہم اپنے اور دیگر ممالک میں محرم اور صفر کے دوران عزائے حسینی کی مجالس دیکھ سکتے ہیں کہ ساری دنیا میں اور تمام مختلف مذاہب کے پیروکاروں میں سالار شہیداں کی مجالس عزا برپا ہیں۔ انسانیت نے ہرگز امام حسین علیہ السلام جیسی شخصیت کو نہیں دیکھا؛ اس لیے تمام مذاہب کے پیروکار انہیں یاد کرتے ہیں اور ان کے لیے عزاداری کرتے ہیں۔

حدیث قدسی میں ذات اقدس الٰہی اور چہاردہ معصومین علیہم السلام کی طرف سے سید الشہداءؑ کی عزاداری کے لیے بہت زیادہ تاکید اس بات کی محکم دلیل ہے کہ احیاءِ دین اور اس کی بقاء میں عزاداری کا بہت بڑا حصہ ہے۔

دین کی حفاظت، اسے انحراف سے بچانے اور اسلام دشمن طاقتوں سے محفوظ رکھنے کے لیے اسی طرح دینی علم و تمدن اور ثقافت کی ترویج کے لیے امام حسینؑ کی عزاداری کے عمل سے زیادہ اور کوئی عمل موثر نہیں ہے اور نہ ہوگا۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایسی مجالس کو دینی مرکزیت اور اسلامی معاشرے کی حفاظت نیز دین و روح دینداری کو وسعت دینے کا بہترین وسیلہ سمجھنا چاہیے

انقلاب اسلامی کے رہبر کبیر حضرت امام خمینی قدس سرہ نے اس بارے یہ ارشاد فرمایا:

امام حسینؑ نے اسلام کو نجات دی۔ ایک شخص جس نے اسلام کو نجات دی۔ وہ درجۂ شہادت پر فائز ہوا اس کے لئے ہمیں ہر روز گریہ کرنا چاہئے۔ ہمیں ہر روز منبر پر جانا چاہئے۔

مکتب اسلام کی حفاظت کے لیے محرم اور صفر کے مقدس مہینے حیاتِ اسلام کے ضامن ہیں جن میں سید الشہداءؑ کی عظیم قربانی نے اسلام کو زندہ جاوید بنا دیا۔

ہر سال کروڑوں انسان ایران اور دنیا کے دیگر ممالک سے یہاں تک کہ غیر مسلم اقوام سے اربوں روپے اور اربوں گھنٹے اس مقدس کام کے لئے مختص کرتے ہیں۔

مگر افسوس اس بات کا ہے کہ ہماری عزاداری اسلامی تہذیب میں کافی اہمیت کی حامل ہونے کے باوجود ہر زمانے میں آفات و خطرات اور مختلف تبدیلیوں کا شکار رہی ہے؛ جس کی وجہ سے اس اہم "وسیلہ" کے نقوش مدہم پڑ گئے ہیں۔

ان آفات کی وجہ سے عزاداری اور اس کی عظمت، اپنی کارکردگی اور قوت کو بروئے کار نہ لا سکی۔ بالفاظ دیگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایسے حالات میں مجالس برپا کرنے والے (بانیانِ مجالس) تمام اہم قسم کے مقدس آثار جو حکمت سے لبریز ہیں اور ان کی تاکید بھی کی گئی ہے؛ جو اللہ تعالیٰ اور اوصیاءِ دین کا مقصود و مطلوب ہے۔ اس سے ہم ان مقدس مجالس سے کما حقہ مستفید اور بہرہ مند نہ ہو سکے۔

صحیح عزاداری جو قیام سید الشہداءؑ کے ہدف اصلی کی حامل ہو؛ وہ انسان سازی کی اس قدر طاقت و قدرت رکھتی ہے کہ اگر عزادارانِ حسینیؑ اس "وسیلہ" سے صحیح قدر تمند استفادہ کرتے اور ان تمام آفات کے سامنے ڈٹ جاتے تو اسلامی معاشرہ اور عالم اسلام ان حالات سے بالکل مختلف ہوتا جن سے ہم آج دوچار ہیں۔

اگر شیعہ قوم عاشور کے پیغامات پر پوری توجہ دیتی اور انہیں نمونۂ عمل بنا لیتی تو آج وہ مادی اور معنوی لحاظ سے معاشرہ کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور کامیاب ترین قوم میں بدل چکی ہوتی؛ اور تمام مشکلات اور مختلف قسم کی مصیبتیں اسلامی معاشرے کا کچھ نہ بگاڑ پاتیں۔

اگر ہم پیغام عاشورا کو سنجیدگی سے لیتے اور عزاداری و سوگواری کو اسی راستے پر رکھتے جو معصومین علیہم السلام چاہتے تھے، تو ہدایت کب کی مل چکی ہوتی، اور انقلابِ اسلامی کے ۲۵ برس گزرنے کے بعد ہمیں یہ نازیبا مناظر، افسوسناک فسادات، فقر، تبعیض اور پسماندگی نہ دیکھنی پڑتی۔

اگر مجالس عزا، میں درسِ کربلا پر توجہ دی جاتی تو اسلامی حکومت کو بجٹ کا ایک بڑا حصہ اور وسائل معاشرتی برائیوں کے خاتمے پر صرف نہ کرنے پڑتے اور نہ ان کے دیرپا اثرات کا سامنا کرنا پڑتا اور نہ اسلام دشمنوں کی ثقافتی یلغار سے انہیں یہ حیران کن کامیابیاں ملتیں۔

دنیا میں کسی مذہب وملت کے پاس ترقی وکامیابی کے لیے ایسا مضبوط اور مستحکم "وسیلہ" موجود نہیں ہے۔ مگر افسوس کہ ہمارے اسلامی معاشرے نے اس مضبوط ترین "وسیلہ" سے صحیح طور پر فائدہ نہیں اٹھایا۔

میں ہمیشہ سے ایک ایسی مفصل کتاب لکھنے کے بارے میں سوچتا رہا ہوں کہ جو عزاداری کی اہمیت اور اس کے مقام وآثار بالخصوص سیاسی اور اجتماعی طور پر اور خصوصا اس کے عرفانی و توحیدی آثار کے بارے میں مفید ہو، لیکن مصروفیت آڑے رہی اور یہ کام نہ ہو سکا۔ اگرچہ زیارت عاشورا کی تشریح کی ابحاث میں کسی حد تک اس کے پہلوؤں پر بحث ہو چکی ہے۔[1] اس لیے یہ سوچا کہ اگر ایسے مبسوط اور مفصل کام کی توفیق نہیں مل رہی تو عوام اور خاندان اہلبیت علیہم السلام کے محبین کے لیے کم از کم ایک کتابچہ تو لکھا جا سکتا ہے جسے سید الشہدا علیہ السلام کے عاشقوں اور ارادتمندوں کی خدمت میں پیش کر سکوں؛ تاکہ ان نورانی اور تربیتی مجالس سے بہتر اور بیشتر استفادہ کے لیے چند قدم اگرچہ چھوٹے ہی سہی آگے بڑھ سکیں اور امیر المومنین علی علیہ السلام کے اس نورانی کلام پر عمل پیرا ہو سکیں۔ کہ: (اذا لم یَکُن ما تُرِیدُ فَارِد ما یَکونُ)[2] جو تم چاہتے ہو اگر وہ نہ مل سکے پس جو موجود ہے اسے لے لو۔

امید ہے کہ اللہ تعالی اسے تکمیل کرنے کی توفیق بھی عطا فرمائے گا۔

اس کتاب میں ایک عزادار کے سیر وسلوک اور رشد کے لیے پانچ مراحل بیان کیے گئے ہیں۔ جس میں عزادار کے لیے ایک وسیلہ کے عنوان سے گریہ وزاری سے اس کے تعلق کی کیفیت ،اسی طرح عزاداری کے راستے آنے والی آفات، خطرات اور اس دور میں جو انحرافات موجود ہیں اس کی ایک مختصر تحقیق موجود ہے نیز سالار شہیدان علیہ السلام کی مجالس سوگواری سے کس طرح بہتر

---

[1] یہ مباحث اب بھی حضرت عبد العظیم علیہ السلام کے حرم مقدس میں جاری ہیں

[2] غرر الحکم جلد ۳، صفحہ ۱۳۵)

سے بہتر بہرہ مند ہوا جا سکتا ہے اور ان مجالس کو برپا کرنے کے اہم ترین مقاصد پر بحث اور تحقیق پیش کی گئی ہے۔

اسی طرح مصائب اہلبیت علیہم السلام کی تشریح کی گئی ہے اور اس کے مقابل ہماری کیا ذمہ داریاں ہیں اس کا جائزہ لیا گیا ہے ؛اس امید کے ساتھ کہ یہ کتاب بارگاہ الہی میں مقبول ہو اور خاندان عصمت وطہارت کے حضور اسے پذیرائی نصیب ہو اور محترم قارئین کے لیے مفید ثابت ہو۔

آخر میں یہ لازم جانتا ہوں کہ اپنی اہلیہ محترمہ کا شکریہ ادا کروں اور ان کی قدر دانی کروں کیونکہ انہوں نے اس کتاب اور دیگر کتب کی تنظیم اور تدوین کے لیے بڑی محنت کی ؛اسی طرح برادر عزیز آقای رضا قربی اور خواہران محترم: نجمہ سادات مشہدی، زھرا ابراری اور مریم جودایان کا بھی شکریہ بھی ادا کرتا ہوں اور ان کی قدر دانی کرتا ہوں کہ انہوں نے اس کی تیاری کے مراحل میں بھرپور مدد کی۔

الحمد للہ رب العالمین

محمد شجاعی۔ قم

۲۰۰۹

پہلا باب

عزاداری کی اہمیت اور اثرات

مراتب عزاداری اور عزادار

عزاداری کا پہلا رتبہ

عزاداری کا دوسرا رتبہ

عزاداری کا تیسرا رتبہ

عزاداری اور اس کی آفات

مادرِ آفات

عمل کا عادت میں تبدیل ہو جانا

نقصان دہ عوامل کی موجودگی ترک عمل کا موجب نہیں بنتی

رتبہ سوم میں عزاداری کی آفات

دشمن کا مجالس عزاداری کی مخالفت کا اعتراف

اسلام میں ایسا مستحب عمل جو واجب عمل کو نقصان پہنچائے حرام ہے

سید الشہداءؑ کا اپنے تمام پیروکاروں کے نام ایک پیغام!

عزاداری کے مراتب اور عزادار[1]

عزاداروں، کے بھی مومنین کی طرح درجات و مراتب ہوتے ہیں اور ہر رتبہ اس نظام انسانیت میں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزادار کے درجے اور مقام کی نشاندہی کرتا ہے اور سید الشہدأ سے اس کے میزان قرب کا پتا چلتا ہے۔

البتہ عزاداری کے تمام درجات اجر و ثواب الٰہی رکھتے ہیں اور ہر رتبہ عزادار کو خیر و ثواب نصیب کرتا ہے۔

کلی طور پر عزادارانِ حسینؑ کو چھ دستوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ اس کتاب میں پانچ دستوں کا تعارف پیش کریں گے اور جائزہ لیں گے؛ البتہ چھٹے دستے کا تعارف جو کہ اخلاقی اور عرفانی مسائل سے متعلق ہے انشااللہ اسے کسی اور موقع پر پیش کریں گے۔

عزاداری کا پہلا رتبہ

اس رتبہ میں عزادار حسینی اپنے دل میں سید الشہداءؑ پر وارد ہونے والی مصیبت پر غمگیں اور ناراض رہتا ہے؛ اگرچہ وہ عام طور پر اپنی اس ناراضگی کا اظہار نہیں کرتا۔ یہ رتبہ عزاداری کا سب سے کم ترین رتبہ ہے؛ اور اس کے بعد والا رتبہ امامؑ کے دشمنوں کا ہے؛ یعنی کہ ایک شخص مصائب حسینؑ سے تو آگاہ ہو؛ لیکن افسردہ نہ ہو اور اس پر راضی ہو (یعنی جو ہوا ٹھیک ہوا)۔ ان لوگوں کے بارے میں ہم زیارت وارثہ میں یوں پڑھتے ہیں:

---

[1] اس تقسیم بندی میں باطنی عقیدت کے ہمراہ اجتماعی اور سیاسی پہلو پر بیشتر توجہ دی گئی ھے۔

لَعَنَ اللهُ اُمَّةً قَتَلَتْكَ وَلَعَنَ اللهُ اُمَّةً سَمِعَتْ بِذَالِكَ فَرَضِيَتْ بِهِ

خدا اس امت پر لعنت کرے جس نے آپ کو قتل کیا اور آپ پر ظلم کیا اور خدا لعنت کرے اس امت پر جس نے اس ظلم کے بارے میں سنا، اور اس پر راضی رہی۔

جو لوگ عزاداری کے پہلے رتبے پر ہیں، ان کا تعلق چاہے جس دین وآئین سے بھی ہو، امام حسینؑ پر ان کے دلی رنج وغم کی وجہ سے اللہ تعالی کے نزدیک ان کے عقیدے کے تناسب سے اجر وثواب ملے گا۔[1] اس سلسلے میں مناسب ہے کہ حضرت آیت اللہ بہجت اعلی اللہ مقامہٗ کے خیالات نقل کریں وہ فرماتے ہیں:۔

نجف اشرف کے نزدیک دریائے فرات ودجلہ کے سنگم پر مصیب نام کی ایک آبادی ہے۔ ایک شیعہ مومن ہر شب جمعہ امام المتقین امیر المومنینؑ کی زیارت کے لیے جایا کرتا تھا۔ اس شیعہ کے راستے میں ایک اہلسنت شخص کا گھر تھا، چونکہ وہ جانتا تھا کہ وہ حضرت علی علیہ السلام کے روضہ مبارک کی زیارت کے لیے جاتا ہے؛ تو وہ ہمیشہ اس سے مذاق کیا کرتا تھا، حتیٰ ایک دن اس نے مولا امیر المومنینؑ کی شان میں گستاخی بھی کی؛ اس پر شیعہ بہت ناراض ہوا، جب وہ حضرت کی بارگاہ میں شرفیاب ہوا۔ بہت بے تاب ہوا۔ آہ وبکا کرتے ہوئے کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ آپ کا یہ مخالف کیا کچھ کہتا رہتا ہے۔ اسی رات کو آنجنابؑ کو خواب میں دیکھا۔ اس نے آنجنابؑ سے شکایت کی۔ مولاؑ نے فرمایا: وہ ہم پر ایک حق رکھتا ہے وہ جو کچھ بھی دنیا میں کرے ہم اسے دنیا میں سزا نہیں دے سکتے۔ شیعہ کہتا ہے میں نے عرض کیا: کہ اس نے گستاخی کی ہے کیا اس وجہ سے آپ پر کوئی حق پیدا کر لیا ہے ؟!۔ حضرتؑ نے فرمایا: نہیں؛ بلکہ اس وجہ سے کہ وہ ایک دن دریائے فرات ودجلہ کے سنگم پر بیٹھا ہوا تھا؛ دریائے فرات کو دیکھ رہا تھا، اچانک اس کے دل میں واقعہ کربلا اور حضرت سید

---

[1] غیر مسلم عزاداروں کے اجر وثواب اور کیفیت کے بارے میں مزید وضاحت عزاداری کیا ہے کی بحث میں آئے گی۔

الشہد اپر پانی بند کرنے کے واقعے کا خیال آیا اور اپنے آپ سے کہا: عمر بن سعد تم نے اچھا نہیں کیا کہ انہیں پیاسا مار ڈالا، کتنا اچھا ہوتا کہ انہیں پانی دے دیا جاتا اور بعد میں چاہے سب کو قتل کر دیا جاتا۔ اس سے وہ پریشان ہو گیا اور اس کے آنسو کا ایک قطرہ نکل آیا۔ اس وجہ سے اس کا ہم پر ایک حق ہے اور ہم اسے سزا نہیں دیتے۔

وہ شیعہ کہتا ہے: کہ میں خواب سے بیدار ہوا۔ میں نے واپسی کا سفر شروع کر دیا۔ واپسی پر وہی سنی مجھے راستے میں ملا اور مذاق کرتے ہوئے کہا: اپنے آقا کو تم نے دیکھا: میرا پیغام بھی پہنچایا۔ مومن نے کہا: ہاں میں نے تمہارا پیغام بھی پہنچایا اور نیز میرے پاس تمہارے لیے ایک پیغام بھی ہے۔ اس نے کہا: بتاؤ کیا پیغام ہے؟ مومن نے سارا قصہ سنا دیا جب اس نے امامؑ کے فرمان کو سنا کہ اس نے پانی پر نگاہ کی اور کربلا کو یاد کیا۔ سارا واقعہ سنایا۔ تو اس نے سر جھکا لیا۔ اور کچھ دیر تک فکر میں ڈوبا رہا اور پھر کہنے لگا: خدایا! وہاں اس وقت میرے پاس کوئی نہیں تھا اور یہ بات میں نے کسی کو نہیں بتائی تھی، آقا کو یہ بات کیسے پتہ چل گئی۔ فوراً کہا:

اَشْهَدُ اَنْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ، وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ الله، وَ اَنَّ عَلِیًّا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَلِیُّ اللهِ وَ وَصِیُّ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ اور شیعہ ہو گیا۔[1]

عظمت اہلبیت علیہم السلام کا مقام اس قدر بلند ہے کہ اگر کوئی ان کی خاطر معمولی سا بھی کام کرے تو وہ اس کے بدلے میں اجر عظیم سے نوازتے ہیں۔ اب اگر کوئی کافر بھی ان کی معمولی سی خدمت کرے یا ان کے حوالے سے کسی ادب کا لحاظ کرے، چونکہ کافر کی آخرت میں نجات نہیں ہے، وہ اسے دنیا میں اس کا بدلہ عنایت کر دیتے ہیں۔ اگر کوئی شخص تھوڑی سی صلاحیت و آمادگی رکھتا ہو تو اہل بیت علیہم السلام کا دیا ہوا بدلہ اس کی ہدایت کا سبب بھی بن جاتا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی کافر، دین یا اہل بیت علیہم السلام کے حوالے سے کوئی کارِ خیر یا کوئی خدمت انجام دیتا ہے؛ مگر وہ ہدایت پانے کی اہلیت و قابلیت نہیں رکھتا تو پھر آخرت کے عذاب میں کمی کے ذریعہ اس کو اجر دیا جاتا ہے۔

---

[1] بہجت عارفان، صفحہ ۱۷۰۔

دوسرا رتبہ

رتبہ دوم پر رہنے والا عزادار اپنے اس غم اور غصے کا مختلف طریقوں سے کبھی اپنے چہرے سے کبھی گریہ وزاری کے ذریعے، کبھی لباس عزا پہن کر، کبھی سر و سینہ پیٹ کر اظہار کرتا ہے۔اس صورت میں کبھی وہ تنہا اور کبھی دوسروں سے مل کر عزاداری کرتا ہے۔

اس رتبہ پر رہنے والا عزادار اپنے باطن میں ایک حِس اجنبی کے روبرو ہوتا ہے جو اس کے اور امام حسین علیہ السلام کے درمیان ایک پیوند اور خصوصی تعلق برقرار کر دیتی ہے۔اس رتبہ پر رہنے والے عزادار میں امامؑ سے انس والفت نیز کشش اور آرزو پیدا ہو جاتی ہے اس کی اندرونی کیفیت اور نسبت اور انس بیگانگی اسے ترغیب دیتی ہے کہ وہ آنجنابؑ پر گریہ کرے اور ان کی عزاداری میں شرکت کرے۔

یہودی، عیسائی عزاداروں اور دیگر مذاہب کے پیروکاروں کا جو رجحان ہے کہ وہ امام حسینؑ کے لیے گریہ وزاری کرتے ہیں۔ نیز حضرتؑ کے بارے میں ان کے جو احساسات ہیں اس حقیقت کی نشاندہی کرتے ہیں کہ امامؑ ان کے نزدیک ایک ''اجنبی آشنا'' کی حیثیت رکھتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ تمام معصومین علیہم السلام خصوصاً سید الشہداءؑ کا وجود مقدس تمام انسانوں میں عکس اور تجلی رکھتا ہے۔اس کے بارے میں ہم نے عزاداری کے چوتھے رتبہ میں کافی وضاحت اور تفصیل دی ہے۔

عام طور پر ''اجنبی آشنا'' عزادار کے قلب میں نفوذ، ایجادِ محبت اور اس کی شدت اسے آہستہ آہستہ عزاداری کے تیسرے رتبہ تک پہنچا دیتی ہے۔

عزاداری کا تیسرا رتبہ

اس درجے میں امامؑ کے شیعہ جو، اس کے بہت سے ارکان تشکیل دیتے ہیں، سید الشہداءؑ کے عزادار، ان کے اصحاب اور تمام اہل بیت علیہم السلام کے حق میں امامؑ کو مصائب میں مبتلا کرنے

والے مجرمین کے خلاف نفرت کا اظہار اور ان کے اس عمل پر اعتراض کرتے ہیں اور ان پر لعن و نفرین کرتے ہیں، جو عمل عزادار کو رتبہ دوم سے رتبہ سوم میں ترقی دیتا ہے؛ وہ شناخت و معرفت ہے جو عزادار کو سید الشہداءؑ کے متعلق حاصل ہوتی ہے اور اس سے بالاتر وہ اعتقاد ہے جو سید الشہداءؑ اور ان کے آئین کی نسبت اسے حاصل ہوتا ہے۔

سید الشہداءؑ کی بیشتر شناخت اور ان کے مقام کے بارے میں عقیدہ، اور یزید و یزیدیوں کے مقابلے میں ان کے قیام کے بارے میں محدود اور نسبی سوچ اس کا موجب بنتی ہے کہ عزادار رتبہ دوم سے رتبہ سوم تک جا پہنچتا ہے۔ اسی طرح مذکورہ عوامل کے علاوہ امام عالی مقامؑ سے عزادار کا شدید انس و محبت اس کے احساسات و جذبات کو نرم و لطیف بنا دیتا ہے۔ یہاں تک کہ عزادار ایک طرف تو آنحضرتؑ کی نظر عنایت اور دوسری طرف گریہ اور آہ و بکا نیز ان کے قاتلوں سے بیزاری کے اعلان کی زیادہ ضرورت محسوس کرتا ہے۔ اس رتبہ میں عزاداری کے مراسم کو ثواب حاصل کرنے کی نیت سے کیا جاتا ہے یا حاجات پوری ہونے کے لیے یا پھر اسے عرضِ ادب کی صورت دیدی جاتی ہے۔

ان تین مراتب کے جائزے کے بعد یہ بات بخوبی سمجھی جا سکتی ہے کہ ان تینوں مراتب میں اصلی عنصر جذبات و احساسات کا عنصر ہے۔ نوحہ جات اور عاشورا کے اشعار اور دیگر مراسم سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ ان تینوں مراحل میں عزاداری جذبات و احساسات کی حد تک ہے اور عزادار کو اس سے بالاتر مراحل اور مراتب تک رسائی کا کوئی راستہ نہیں ملتا۔

عزاداری اور اس کی آفات:

یہاں پر ہمیں عزاداری میں سے عنصر معرفت کے حذف ہونے کا اعتراف کرنا چاہیے اور جذباتی مسائل کو مرکزیت دینے اور ظواہر پر بھروسہ کرنے اور عزاداریوں اور ان کی عزت و احترام کے فلسفے کو پس پشت ڈالنے اور گریہ و زاری اور سوگواری جیسے ایک اچھے اور کارآمد وسیلے کو

اصلی مقصد کی جگہ دے دینا اس کا موجب بنتا ہے کہ مجالس اپنی اصلی خاصیت اور کارکردگی کھو بیٹھتی ہیں اور ایک تکراری عمل اور مذہبی عادات میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ اگر ایک اچھا عمل اور مذہبی تربیتی نظام جیسے عزاداری، نماز، روزہ، قرائت قرآن، حج وغیرہ جب عادت کی صورت اختیار کر لیں اور ان کی اصلی افادیت سے غفلت برتی جائے تو ایسی صورتحال فرد اور معاشرہ دونوں کے لیے خطرناک ہوتی ہے۔

اس میں تو کوئی شک ہی نہیں ہے کہ اللہ تعالی اور معصومین علیہم السلام نے ہمیں جو دستور دیا ہے وہ ہماری خاطر دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس دستور کی رعایت کرنے سے اور اس ذمہ داری کو انجام دینے سے ہمیں رشد و ترقی ملے گی۔ ہمیں اس بات سے غفلت نہیں کرنی چاہئے اس لیے کہ ہر اچھے اور مفید معاملے میں نقصان دہ عوامل موجود ہوتے ہیں کہ اگر وہ اس اچھے معاملے میں داخل ہو جائیں، تو اس سے نہ فقط وہ معاملہ اپنی خوبی کھو بیٹھے گا بلکہ ایک مخرّب اور مضرّ معاملے میں بدل جائے گا۔ امیر المومنین علیؑ نے یہ اہم اور مفید امر سب کو دیا ہے فرمایا: لِكُلِّ شَيْءٍ آفَةٌ۔[1] (ہر شی کے لیے ایک آفت ہوتی ہے)۔ اس میں شک تو نہیں کہ ہمیں اچھائی اور مثبت امور کا طالب ہونا چاہئے۔ مگر ہمیں اس اہم تنبیہ کو نہیں بھولنا چاہئے کہ اگر ہمیں کوئی اچھی اور قیمتی چیز دستیاب ہوتی ہے تو ہمیں اس کے راستے میں آنے والی آفت یا آفات کا بھی خیال رکھنا چاہئے۔ ورنہ ہم اپنے مقصد میں ترقی اور کامیابی سے قاصر رہیں گے۔ جس کا نتیجہ منفی اور برعکس ہو گا۔

اسلام کی نظر میں اچھے اور مفید عمل کی شرائط

ہر عمل کے لیے ضروری ہے کہ اسے اس کی خاص شرائط و لوازمات کے ساتھ انجام دیا جائے۔ یہ بات واضح ہے کہ اللہ تعالی خالق و مالک ہونے کی حیثیت سے اور معصومین علیہم السلام

---

[1] غرر الحکم، جلد ۵، صفحہ ۱۹

خداوند عالم کے نمائندۂ حقیقی اور متخصص (اسپیشلسٹ) ہونے کی حیثیت سے ایک مفید اور اچھے عمل کی شرائط بطور کامل بیان کر سکتے ہیں۔

۱۔ خاص شرائط و لوازم یعنی قوانین اور آداب کا ایسا مجموعہ جو اس عمل کے مفید اور موثر ہونے کی ضمانت دیتا ہو۔

۲۔ یہ لوازم و شرائط اس طرح کی ہوں کہ جو نفوذ آفت کے امکان کو عمل سے پہلے اور بوقت عمل ختم کر دے۔ اسلام کی نظر میں ایک عمل کو اچھی طرح بجالانا کافی نہیں ہے۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک خوب اور مفید عمل تمام لوازم و شرائط کے ساتھ تو انجام پائے اور ایک اچھا اور مفید اثر بھی ایجاد کرے، مگر جو اہم ہے وہ یہ ہے کہ یہ اچھا اور مفید اثر پایدار و ثابت اور باقی بھی رہے۔ ممکن ہے کہ ہم ایک اچھے عمل سے اچھے نتائج تو حاصل کر لیں، مگر کچھ عرصے کے بعد کوئی آفت یا آفات اس کے اچھے اور مفید اثرات کو زائل کر دیں۔ اور اسے متضاد اور مخرب چیز میں بدل دیں۔ پس ایک کمال کا ہونا یا اس کا حصول یا ایک اچھا کام کر لینا، یا ایک نعمت یا روحانی قوت کا پالینا کافی نہیں۔ اس لیے اہم اور ضروری کام یہ ہے کہ ہم اس کی حفاظت کریں اور اسے اس طرح نہ چھوڑ دیں کہ کہیں یہ کام برائی کی زد میں آکر برعکس شکل اختیار نہ کر لے۔

جو کچھ بیان ہوا اس سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ تین آفات ہر اچھے اور مفید کام کے درپے رہتی ہیں: وہ آفت جو قبل از عمل ہو، وہ آفت جو عمل کے ہمراہ ہو، اور وہ آفت جو عمل کے بعد پیش آسکتی ہو۔

آفت شناسی کی بحث ایک مستقل اور مفصل بحث ہے جس کی یہ مختصر سی کتاب متحمل نہیں ہو سکتی۔ بہر حال جس امر کا ذکر کرنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ ہم یہ جان لیں کہ عزاداری میں بھی دیگر واجبات و مستحبات کی طرح عزاداری میں بھی آفات کا عمل دخل ہے؛ اگر یہ آفات اس پر اثر انداز ہو جائیں، تو نہ صرف یہ کہ ہم اس کے مثبت اور مفید اثرات تک نہیں پہنچ پائیں گے، بلکہ ہم جس مقصد کے لئے عزاداری برپا کرتے ہیں اس کے برخلاف نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا اور اس کے

مخرّب اور خطرناک آثار یا کم سے کم ہم ان مقاصد سے محروم ہو جائیں گے؛ جو معصومین علیہم السلام نے فرد اور معاشرے کے لئے مدِ نظر رکھے ہیں۔ اس طرح ہماری عزاداری اس کیفیت اور سازندگی سے خالی ہو جائے گی۔

ہمارا یہ ارادہ نہیں ہے کہ عزاداری یا دیگر عبادات کے راستے میں آنے والی آفات کا تحقیقی جائزہ پیش کریں۔ البتہ ہم یہاں ایک بنیادی آفت اور خرابی کے بارے میں مختصر بات کریں گے کہ جو بہت سی آفات کے لیے آغاز اور بنیاد بنتی ہے۔

مادرِ آفات

ایک کارآمد عمل کی اصلی شرط یہ ہے کہ ان خاص آداب و قوانین کی مکمل رعایت کی جائے جو اس عمل کے مفید و مثبت آثار کی ضمانت فراہم کرتے ہیں۔ اس بنا پر سب سے بڑا اشتباہ اور اصلی اور حقیقی خرابی کہ جو تمام خرابیوں کی جڑ ہے یہ ہے کہ ہم اس عمل کی شرائط و آداب کی کامل اور دقیق شناخت کیے بغیر اس عمل کو انجام دینا شروع کر دیں۔ اور کافی مدت تک اس کو جاری رکھیں اور اس پر کاربند رہیں۔ ہمیں اس بات پر توجہ رکھنی چاہئے کہ عزاداری اور دیگر واجبات و مستحبات بذاتِ خود مقصد نہیں، بلکہ یہ سب انسان کی ترقی و کمال کا وسیلہ ہیں اور ظاہر ہے کہ ہر وسیلہ اپنی خاص شرائط و لوازم کے ساتھ ہمیں مقصد تک پہنچاتا ہے اور مثبت و مفید آثار کا حامل ہو سکتا ہے۔

ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہر اچھا اور پسندیدہ عمل؛ واجب ہو یا مستحب، ہر حالت میں ترقی کا موجب ہوتا ہے۔ شریعت مقدسہ اور کوئی عقل سلیم ایسا حکم نہیں لگا سکتی اور نہ ہی ایسا دعویٰ قبول کرے گی۔

اس کی مزید وضاحت کے لیے کہ کوئی عمل بھی اس کے فلسفہ اور شرائط و لوازم کو جانے بغیر مفید نہیں ہو سکتا۔

اس روایت پر توجہ فرمائیں امام صادقؑ فرماتے ہیں:

لاَیَقبَلُ اللّٰہُ عملاً الاّ بِمَعرِفَةٍ[1]

"اللہ تعالٰی کسی عمل کو معرفت کے بغیر قبول نہیں کرتا۔"

جس طرح ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ جب کسی عمل کے نتیجے سے لاعلمی ہو نیز کسی کام کا فلسفہ اور اس کام کو انجام دینے کی روش اور قوانین کا صحیح علم نہ ہو، تو یہ عمل مختلف آفات کا موجب بن جائے گا۔

اجرائی عوامل کی کمزوریاں

عزاداری حیات دین اور مکتب اہلبیت علیہم السلام کے لیے قوی ترین اور بہترین عوامل میں سے ایک ہے، یہ ایک دقیق، ظریف اور خصوصی مہارت (سپیشلائزڈ) کا کام ہے اس کے آثار جس کی اہل بیت (علیہم السلام) توقع رکھتے ہیں اس وقت ظاہر ہو سکتے ہیں کہ جب اس کے مختلف پہلوؤں پر ہر جانب سے آگاہی ہو اور یہ اپنے قوانین اور خاص شرائط کے ساتھ انجام پائے۔ اگر اراکین عزاداری اور اجرائی عوامل ان پہلوؤں سے اور اس کی خاص شرائط سے نابلد ہوں؛ تو وہ عزاداری سے مطلوبہ نتائج نہیں لے سکتے اور اگر اس کا نامطلوب اور خطرناک نتیجہ نہ بھی نکلے، تب بھی عزاداری ایک ضعیف اور کم اثر عمل میں بدل جائے گی۔ امام علیؑ کسی کام کو انجام دینے والے اراکین اور عوامل اجرائی کی ناتوانی کو اس کام کے لیے آفت جانتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں:

آفَةُ الْاَعْمَالِ عَجزُ الْعُمَّالِ[2]

"اعمال کے لیے اسے انجام دینے والے اراکین کی عاجزی و کمزوری آفت ہے۔"

[1] اصول کافی، ج ۱، ص ۴۴

[2] غرر الحکم، ص ۳۴۵

عمل کا عادت میں تبدیل ہو جانا

ایک اور اہم آفت، جو انتظامیہ کی جہل و نادانی کے باعث وجود میں آتی ہے اور ایک اچھے اور مفید عمل کے اہم اثرات کو زائل کر دیتی ہے، وہ ''اس عمل کا ایک عادت میں تبدیل ہونا ہے۔'' جب اراکین مجلس اس عمل کی خاص شرایط اور اس کے فلسفے سے اچھی طرح آگاہ نہ ہوں، تو وہ ناتواں اور عاجز رہیں گے اس ناتوانی اور عجز کی وجہ سے یہ عمل اس بات پر توجہ دیے بغیر کہ فلاں کام ہونا چاہیے یا نہیں ہونا چاہیے یہ فقط کمتر یا بے معنی رسم و رواج اور عادت میں بدل جائے گا یا خدانخواستہ کسی خطرناک اور مضر عادت میں نہ بدل جائے۔ امیر المومنینؑ کے نزدیک ایک عمل کی اہم ترین آفات میں سے ایک وہ عمل ہے جو جہالت کے زیر اثر انجام پائے، اور اس عمل کی انجام دہی کے وقت اس پر عادت کا غلبہ ہو۔

جب بانیانِ مجالس اور اس میں شرکت کرنے والوں کے لیے عزاداری ایک عادت میں بدل جائے تو پھر کسی کو اس بات کی پروا نہیں رہتی کہ عزاداری کی کیفیت کیسی ہو اور اس کا مقصد کیا ہونا چاہیے؛ اور اہلبیت علیہم السلام نے عزاداری برپا کرنے کا کیوں حکم دیا ہے اور عزاداری کے کیا خواص اور آثار ہونے چاہئیں۔

ان حالات میں عزاداری متحرک کرنے اور رشد و ہدایت کے بجائے غفلت اور جمود طاری کر دے گی؛ اور وسیلہ کے بجائے یہ مقصد میں تبدیل ہو جائے گی؛ اور جب عزاداری وسیلہ کے بجائے مقصد میں تبدیل ہو جائے، تو یہ عزاداری ان آثار سے دور ہو جائے گی جو معصومین علیہم السلام چاہتے ہیں اور یہ عزاداری خود بخود اس کے خواص اور آثار کے بغیر ہی ایک مستقل اہمیت اختیار کر لے گی۔ اس صورتحال میں عزاداری برپا کرنے والے اور اس میں شرکت کرنے والے خیال کرنے لگتے ہیں کہ عزاداری باقی تمام اعمال کے بالمقابل نماز کی طرح ایک مستقل عمل ہے؛ اگر نماز اور دیگر واجبات کا نقصان ہو جائے، تو کوئی بات نہیں بس عزاداری ہونی چاہیے اور یہ کافی ہے؛ چاہے کئی

طرح کی آفات سے دوچار ہو جائیں۔ اس صورتحال میں عزاداری ثواب اور عبادت اور ایک اہم ہدف تور کھتی ہے۔ اگرچہ اس میں کئی طرح کے دروغ، تحریفات، گناہ اور اختلافات ہی کیوں نہ ہوں۔

عزاداری کی یہ نوع؛ مجالس کی انتظامیہ اور شرکت کنندگان کو اس طرح بنادیتی ہے کہ وہ خدااور اہل بیت علیہم السلام سے شدت کے ساتھ توقع وابستہ کر لیتے ہیں اور انہیں اپنا مقروض سمجھنے لگتے ہیں۔

حالانکہ انہیں تو شکر گزار ہونا چاہیے کہ اللہ تعالی نے اہل بیت علیہم السلام کے وسیلے سے انہیں اس طرح کی مجالس برپا کرنے اور اس میں شرکت کرنے کی توفیق دی، لیکن وہ اس کام کو اللہ تعالی اور اہل بیت علیہم السلام پر احسان سمجھتے ہیں اور انہیں اپنا مقروض جانتے ہیں۔ ایسے لوگ یہ سوچتے ہیں کہ وہ اگر تمام شرعی واجبات؛ حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد ہوں اس میں کوتاہی کرتے ہیں تو کوئی مسئلہ نہیں۔ بس ہم یہ جو امامؑ کی عزاداری میں مشغول ہیں، یہ کافی ہے اور چاہے اہلبیت علیہم السلام کی عزاداری ان کے مقاصد کے ساتھ سازگار نہ ہو، تب بھی دیگر تمام ذمہ داریوں میں انسان کو اس کا جواز فراہم ہو جاتا ہے جو تمام واجبات میں تقصیر کرنے پر ملامت اور توبیخ معاف کر دیتا ہے۔

البتہ کسی عمل کا عادت میں بدل جانا اور اس کا مقاصد سے خالی ہونا فقط عزاداری سے مخصوص نہیں؛ بلکہ ہر واجب اور مستحب عمل جو اس عمل کی خاص شرائط اور قوانین کے بغیر انجام پائے گا، وہ نہ فقط اپنا فلسفہ وجودی ہاتھ سے دے بیٹھے گا بلکہ وہ اپنی افادیت بھی کھو بیٹھے گا، یہاں تک کہ اس کے مختلف مخرب اور مضر آثار نمایاں ہونگے جیسا کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا:

"جس شخص کو اس کی نماز برے کاموں سے نہ روکے اسے خدا سے دوری کے سوا کچھ حاصل نہ ہو گا۔[1]

[1] بحار الانوار، ج۷۹، صفحہ

نقصان دہ عوامل کی موجودگی ترکِ عمل کا موجب نہیں بنتی

اس سے یہ مطلب نہیں نکلتا کہ چونکہ عزاداری اور ہر کام ممکن ہے کسی آفت سے دوچار ہو یا ہمیں ان آفات کا علم نہ ہو، پس یا تو اس کام کی تعطیل کر دی جائے یا اسے چھوڑ دیا جائے۔ یہ ایک شیطانی وسوسہ ہے اور ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔ اس بناء پر ممکن ہے کہ شیطان اور ایسے افراد جو عزاداری یا دوسری عبادات کے مخالف ہیں۔ ان باتوں کو بہانہ بنا کر کہیں کہ عزاداری ایک فضول کام ہے۔

اصل میں آفات و موانع کی پہچان کرنا اور انہیں وقت عمل دور کرنا یہ کام وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انجام پاتا ہے اور اس کتاب میں ہم بیان کریں گے کہ عزادار کی ترقی و رشد کا یہ سفر اور مجلس عزاداری کا سفر مرحلا وار اور تدریجی ہے۔ جب تک کوئی کام شروع نہ ہو، اس وقت تک اس کے نقصان دہ عوامل کی شناخت نہیں ہو سکتی اور نہ ہی انہیں دور کیا جا سکتا ہے۔ اسلامی معاشرے کو عزاداری کے تمام مراتب میں اس امر کی ضرورت ہے کہ گلی کوچوں میں بچوں اور بڑوں کی عزاداری سے لے کر اور مذہبی اقلیتوں کی عزاداری سے لے کر عزاداری کے پانچویں رتبے اور اس سے بھی بالاتر ان نقصان دہ عوامل کو شناخت کیا جائے۔ عام طور پر عزاداری ہر مفید عمل اور عبادت کی مانند اس کے اعلیٰ مراتب کو ادنی مراتب ترتیب دیتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں عام طور پر ادنی مراتب کو طے کیے بغیر اعلیٰ اور بالاتر مراتب حاصل نہیں ہو سکتے۔

رتبہ سوم میں عزاداری کی آفات

متاسفانہ مرتبہ سوم میں، تحریفات، ناپسندیدہ روشیں اور ایسی خطرناک بدعتیں جنم لے چکی ہیں کہ جو فلسفہ عزاداری اور حماسہ حسینی کی ضد ہیں، خود ساختہ یا تحریف شدہ واقعات، ایسے کفر آمیز نوحے اور اشعار پڑھنا جنہیں مراجع عظام کی طرف سے منع کیا گیا ہے؛ کمزور مطالب پر مبنی ایسے نوحہ جات اور اشعار، جو امام حسینؑ کی شخصیت اور ان کے حماسہ کے منافی ہیں۔ ایسی نامناسب حرکات

کرنا اور ضد تبلیغ اعمال کی انجام دہی جو، دشمنوں کے لیے سوء استفادہ کا موقع فراہم کرتی ہے کہ جنہوں نے اسلام اور تشیع اور شیعوں اور اسلامی نظام کے خلاف تبلیغ کرنے کی قسم اٹھا رکھی ہے، اس قسم کی تحریفات اور روشیں خطرناک ہیں۔

جو زیادہ قابل افسوس ہے وہ یہ ہے کہ یہ غلط قسم کے رسم و رواج جو دینی روح کے مخالف ہیں یہ سب کام امام حسینؑ کے مقدس نام پر انجام دیے جاتے ہیں، اور وہ بھی اس توجیہ کے ساتھ کہ چونکہ یہ سب کچھ امام حسینؑ کے راہ میں اور ان کی خاطر کیا جاتا ہے، لہٰذا باعثِ اجر و ثواب اور امام حسینؑ کی خوشنودی کا موجب ہے۔

اس طرح کے نامناسب اعمال جیسے مختلف علامات اور آہنی اور وزنی صلیبوں کو اٹھانا، اور انہیں گھمانا، اور انہیں سب سے اونچا کر کے فخر کرنا، حتیٰ تیروں کو جسموں میں آر پار کرنا، اور مختلف تنظیموں کی علامات لے کر چلنا اور اسی طرح وحشتناک انداز میں خون کے فوارے نکالنا وغیرہ۔ اہم مسئلہ یہ ہے کہ شہید راہ حق کے ان عظیم مراسم میں ان باطل امور کو لانے والا اصلی مجرم کون ہے؟

مؤلف کا عقیدہ یہ ہے کہ اس قسم کی غلط روشوں، بدعتوں اور تحریفوں کے بارے میں اصلی اور وزنی دلائل میں سے ایک یہ ہے کہ لوگ جذبات کی سطح تک عزاداری کے اس رتبہ پر رک گئے ہیں؛ اس سے آگے بڑھنے کے بجائے انہوں نے گریہ وزاری اور جذبات پر بھروسہ کر لیا ہے۔

اس رتبہ میں رونے اور رلانے کے علاوہ اور کسی چیز کا عمل دخل نہیں ہے؛ اور اصلی محرک عزاداری ہے اور حماسی اور معرفتی پہلو یا تو سرے سے موجود ہی نہیں ہوتا اور اگر ہوتا ہے تو وہ اس کا معمولی ساذکر ہوتا ہے اور بس۔ کیونکہ اس رتبہ میں سانحۂ عاشورا کے واقعات کی تشریح اہمیت رکھتی ہے، نہ کہ اس سے حاصل ہونے والے درس اور پیغام کی۔ ظاہر ہے کہ جب عزاداری کا اصل مقصد صرف رونا اور رلانا ہو جائے، تو شیطان اور وسوسہ نفس کیا کرتا ہے! وہ، حقیقتِ دین اور قیام امام حسین علیہ السلام سے بے ربط عوامل جیسے دروغ گوئی و تحریف نیز مختلف حرکات کی اختراع، ناپسندیدہ روشیں اور اشعار کے ذریعے اپنا اثر دکھاتا ہے۔

جب گریہ وزاری ایک اچھے اور کارآمد وسیلے کے عنوان سے مقصد میں تبدیل ہو جائے تو اس وقت عزاداری کا اپنے اصلی مقصد [1] سے ہٹنے کا زمینہ فراہم ہو جاتا ہے۔

اس رتبہ میں عزادار اور مجالس عزا کے تمام اراکین کے نزدیک اس بات کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی کہ آخر معصومین علیہم السلام نے عزاداری اور مختلف مناسبتوں سے اپنی یاد منانے کی کیوں تاکید کی۔ یعنی اس طرح کی مجالس میں امام حسین علیہ السلام کے قیام کا مقصد اور ان کے و دیگر آئمہ کے لیے عزاداری کرنے کا فلسفہ غفلت کا شکار ہو جاتا ہے۔

اس رتبہ پر، امام حسینؑ کی عزاداری اور گریہ وزاری کی قدر و اہمیت کے بارے جو فراواں احادیث وارد ہوئی ہیں؛ عزادار، ان پر تکیہ کرتے ہوئے، عزاداری کے مقاصد پر توجہ دیے بغیر گریہ وزاری کو مستقل عمل سمجھ لیتے ہیں اور اسے انسان کے لیے نجات بخش سمجھتے ہیں بلکہ اس مرحلے میں وہ محرمات سے پرہیز اور واجبات کی ادئیگی کو بھی اہم نہیں سمجھتے۔

ایسی مجالس برپا کرنے کے لئے وہ ہر ذرائع سے کام لیتے ہیں چاہے وہ حرام ہی کیوں نہ ہوں ؛اس راہ میں اگر ضروری ہو تو واجب کو بھی چھوڑ دیتے ہیں ۔

شیعہ مفکر حضرت آیت اللہ مطہریؒ اس بارے میں یوں فرماتے ہیں:

"امام حسینؑ پر رونا اچھا عمل ہے۔ رونا چاہئے۔ کس وسیلے سے رلائیں؟ جو وسیلہ بھی مل جائے ؟۔ مقصد تو مقدس ہے، وسیلہ چاہے جو بھی ہو، ہوتا رہے، رونے کا جو بھی ذریعہ ہو کوئی بھی بات ہو، ایک نامناسب تعزیہ ہونا ضروری ہے ؛بس آنسو نکل آئیں، کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے ! بگل بجائیں، طبلے بجائیں، معصیت کا ارتکاب کریں، مرد کو عورت کا لباس پہنائیں، حضرت قاسمؑ کی شادی کی رسومات ادا کریں۔ اپنے پاس سے گھڑیں! تحریف کریں۔ اس کے نتیجے میں لوگوں نے ایسی تحریفات جعل کی ہیں کہ انسان حیران ہو جاتا ہے۔[2]

---

[1] عزاداری کے اصلی ھدف کی وضاحت رتبہ چہارم اور پنجم میں پیش کریں گے۔

[2] حماسہ حسینی، ج۱، صفحہ ۴۹

اس رتبہ میں چونکہ حماسہ و عمل اور معرفت کی جگہ جذبات اور گریہ و عزداری لے لیتی ہے۔ لہٰذا ایسی مجالس سے امام حسینؑ اور امام زمانہؑ کے دشمنوں کو کوئی خطرہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ طول تاریخ میں طاغوت زمانہ اور ظالم لوگ ایسی مجالس سے نہ صرف یہ کہ ڈرتے نہیں تھے بلکہ وہ ایسی مجالس برپا کرتے ہیں تاکہ اسی طرح وہ عوام فریبی، بدباطنی اور اپنے مظالم کو سالار شہیدان کی عزاداری کی مقدس شکل میں چھپا سکیں۔ اس ملک کی تاریخ ایسی مجالس سے بھری پڑی ہے جس کے اخراجات طاغوت اور دین و آئین امام حسینؑ کے دشمن ادا کرتے تھے؛ حالانکہ وہ اپنے آپ کو شیعہ اور محبانِ اہل بیتؑ کے طور پر متعارف کرواتے تھے۔

ان دو گروہوں کے علاوہ یعنی اہل بیت علیہم السلام کے دوست و نادان شیعہ اور ظالم حکمران جو محبت اہلبیت کا دعویٰ کرتے ہیں، ایک تیسرا گروہ بھی ہے جو اس طرح کی کم خاصیت اور تحریف شدہ مجالس سے فائدہ اٹھاتا ہے وہ گروہ کفار اور مستکبرین کا ہے جو دین اور تشیع کے دشمن اور اس مملکت کے بھی دشمن ہیں۔

یہ سادہ اندیشی ہوگی! اگر ہم یہ گمان کریں کہ یہ لوگ (کفار) مجالس عزا کی حقیقت اور اہل بیتؑ کی عظمت و بزرگی سے آگاہ نہیں ہیں۔ کیونکہ طولِ تاریخ میں انہوں نے بعض دفعہ ان حقیقی مجالس عزاداری سے اور حقیقی عزاداروں سے مہلک شکست کھائی ہے۔ ایسی مجالس جس کے بانیان قیام سید الشہداءؑ اور عزاداری کے فلسفہ سے بخوبی آگاہ تھے اور وہ مجالس کو گہری معرفت کی بنیاد اور صحیح انداز میں برپا کرتے تھے اور انہوں نے ایسی مجالس سے کفر و شرک کا مقابلہ و مبارزہ کرنے کی طاقت اور قوت حاصل کی۔

یہی کفار ہی تو، ہیں جو حقیقی مجالس عزا سے انتہائی تلخ تجربات حاصل کر چکے ہیں۔ ایسی مجالس کا ایک انتہائی نادر نمونہ ۱۹۷۸ کا ماہ محرم ہے۔ نویں اور دسویں محرم کا روزِ عاشور ہے کہ ان دو دنوں میں کئی ملین عزادار اپنے اسی روایتی انداز میں سڑکوں پر نکل آئے اور اس دور کے یزیدیوں اور خونخوار رضا شاہ پہلوی کی حکومت سے بیزاری کا اعلان کر کے نائب امام زمانہ (امام خمینیؒ) کی حمایت

کا کھلم کھلا اعلان کر دیا۔ ایران میں طاغوت اور رژیم پہلوی حکومت کے سر نگونی میں حقیقی عزاداری کا یہ کردار کسی پر پوشیدہ نہیں ہے۔

عزاداری کی ان مجالس کا دیگر نادر نمونہ کربلائے ایران کے دفاع مقدس کے دوران دیکھنے میں آیا کہ جب ایک طرف عزاداری میں گریہ و سوز اور دوسری طرف دشمنانِ اسلام و ایران کے خلاف اس طرح حماسہ و جہاد ہو رہا تھا کہ یہ سوز گداز اور گریہ و فریاد روحِ جہاد کے لئے باعث تقویت بن گیا۔ نیز اس میں زمانے کے یزیدیوں کے خلاف روحِ حسینی کارفرما تھی۔

ظاہر ہے کہ جس دشمن نے امام حسینؑ کی حقیقی مجالس سے اتنی بڑی شکست کھائی ہو وہ کبھی بھی خاموش نہیں بیٹھ سکتا۔ وہ ایسی حیران کن انقلابی اور عظیم الشان مجالس کو یقینا برباد کرنے کی پوری پوری کوشش کرے گا۔ ایسے دشمن نے مختلف سازشوں، فریب کاریوں کے ذریعے اور بے شمار پیسہ خرچ کرکے عزاداری کے اس طریقہ کار کو بدلنے اس کی عظمت کو گھٹانے، جہاد اور معرفت کے جذبات کو ختم کرنے کی کوشش کی اور آئندہ بھی کرتا رہے گا۔

دشمن کا مجالس عزاداری کی مخالفت کا اعتراف

امریکی ادارے (سی آئی اے) ایک رکن ڈاکٹر مائیکل برانٹ اپنی کتاب میں "نقشی ای برای جدائی مکاتب الہی" یعنی الہی مکاتب میں جدائی ڈالنے کا منصوبہ کے عنوان کے تحت تشیع کے خلاف دنیا کے استکبار جہانی کی سازشوں سے پردہ اٹھاتے ہوئے لکھتا ہے، امریکہ کے بین الاقوامی جاسوسی ادارے (سی آئی اے) کی ایک میٹنگ ہوئی اور اس میٹنگ میں برٹش انفارمیشن سروس کا ایک نمائندہ بھی شریک تھا جس کا ان ممالک کے اسلامی معاشرے میں رہنے کا تجربہ تھا، اس میں یہ نتیجہ نکالا گیا کہ دیگر اسلامی مذاہب کی نسبت شیعہ زیادہ فعال اور تیز ہیں۔

اس نے اسی کتاب میں تحریر کیا ہے۔ اس میٹنگ میں یہ طے پایا کہ اس مذہب کے بارے میں زیادہ تحقیق ہونی چاہئے اور اس تحقیق کے مطابق پروگرام ترتیب دیئے جائیں اس مقصد کے لیے ۴۰ ملین ڈالر مختص کئے گئے۔

اس تحقیق کے مطابق وہ ممکنہ راہ حل کے بارے میں لکھتا ہے۔اس تحقیق سے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ مذہب شیعہ سے براہ راست ٹکر نہیں لی جاسکتی۔اس صورت میں کامیابی انتہائی مشکل ہے بلکہ ہمیں یہ کام در پردہ کرنا چاہیئے۔

اس افسر نے مزید یہ لکھا ہے: کہ ہم نے اپنے اس پروگرام کی سیاست کو ایک طویل مدت کے لئے پھیلادیا ہے۔

دینی مراجعین کے خلاف تبلیغات کو پھیلانے کا ہمارا مقصد لوگوں میں ان کی مقبولیت کو ختم کرنا اور ایسے مقررین وذاکرین کی حمایت حاصل کرنا جو لالچی اور شہرت کے طلبگار ہوں؛اور شیعہ مذہب کو ایک خرافاتی مسلک کے طور پر متعارف کروانا اور بالاخر اس پر آخری کاری وار کر کے اس کا خاتمہ کرنا ہے۔اس عرصے میں ہمارا یہ پروگرام ہے۔

سی آئی اے کا یہ نمائندہ اس کتاب میں مزید یہ لکھتا ہے: ان موارد میں سے ایک جس پر ہم کام کرنا چاہتے تھے وہ فرہنگ عاشورا؛اور شہادت طلبی ہے جسے ہر سال مراسم عزاداری کے ذریعے شیعوں نے زندہ رکھا ہوا ہے۔ہمارا منصوبہ یہ ہے کہ ہم پیسے کے ذریعے ذاکرین مقررین اور بانیانِ مجالس کے ان افراد کو خریدیں گے جو پیسے اور شہرت کی لالچ رکھتے ہیں۔ان کے ذریعے ہم شیعوں کے عقائد اور ان کی بنیادی باتوں اور ان کے جذبۂ شہادت کو کمزور اور متزلزل کر دیں گے اور غلط قسم کی رسومات ان میں شامل کر دیں گے۔

ایک امریکی فلسفی ساموئل ہانٹینگٹن نے فرانسیسی روزنامے لوپوان کے نمائندے سے بات چیت کے دوران کہا: اسلام کی تہذیب و تمدن کا بلاک انتہائی اہم آئیڈیالوجی پر مبنی ہے جو مغربی تمدن کا راستہ روک رہا ہے۔اور اس تمدن کو مجبور کر دیا ہے کہ وہ دنیا کی چودھراہٹ سے ہاتھ کھینچ لے۔[1]

[1] روزنامہ جمہوری اسلامی، سہ شنبہ ۱۵ دی ۲۰۰۵ شمارہ ۷۳۸۸، سال بیست وششم

ان دو آخری گروہوں، یعنی ظالم حکمران جو بظاہر مسلمان ہیں اور اسلام کے دشمن یعنی کافر، ان کا محرک تو مشخص اور معلوم ہو گیا؛ لیکن یہ بات غور طلب ہے کہ پہلا گروہ جو محبانِ اہل بیتؑ ہیں ان کا محرک کیا ہے؟

اس گروہ کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان سب کا محرک ایک نہیں ہے۔ اگر سادہ اور ابتدائی تقسیم بندی کی جائے تو ان کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

پہلا گروہ، جس میں شیعیان و سادہ لوح محبین اور ایسے جاہل شیعہ شامل ہیں جو حماسہ حسینیؑ کے لیے خلوص اور ہمدردی اور کسی بھی پہلو کی شناخت نہ ہونے کی وجہ سے صرف جذباتی پہلو کے باعث ان لغزشوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس گروہ کے پاس تاریخ اسلام اور تاریخ حماسہ حسینیؑ کے بارے میں درست معلومات نہیں ہوتیں اور یہ قیام سید الشہداءؑ کے مقصد اور فلسفۂ عزاداری سے آشنا نہیں ہوتے ایسے لوگ عزاداری کو آباء واجداد سے ملنے والی ایک رسم کے طور پر دیکھتے ہیں۔

دوسرا گروہ وہ ہے جو پہلے گروہ کی سادگی اور جہالت سے غلط فائدہ اٹھاتا ہے اور یہ گروہ، ان مجالس کو ذریعہ آمدنی بنانے میں مشغول رہتا ہے۔

پہلے گروہ کی جہالت اور دوسرے گروہ کی شیطنت اس امر کا موجب بنی کہ یہ گروہ لوگوں کو زیادہ رُلانے اور انہیں امامؑ کی مظلومیت اور عاشورا کے غم انگیز واقعات اور اہل بیت علیہم السلام سے مربوط دیگر رسومات میں مشغول رکھنے کی زیادہ سے زیادہ کوشش کرتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ ان مجالس سے قیام امام حسین علیہم السلام کا اصلی مقصد اور عزاداری کا حقیقی فلسفہ و حکمت لوگوں پر پوشیدہ رہے گی۔ اور سب لوگ اس سے غافل اور ناواقف رہیں گے۔

یہ گروہ اچھی طرح سے جانتا ہے کہ وہ عزاداروں کو جتنا رُلا سکیں گے لوگوں میں ان کی محبوبیت و مقبولیت اتنی زیادہ ہو گی اور اس طرح وہ بہت پیسہ وصول کر سکیں گے۔ اس بنا پر ایسی مجالس مستقبل میں ان کی شہرت اور پیسے کے حصول کی ضمانت فراہم کرتی ہیں۔

بعض لوگ تو حتیٰ دولت کی حرص سے بھی آگے بڑھ جاتے ہیں وہ شہرت اور ہر دلعزیز بننے کے چکر میں لگے رہتے ہیں تاکہ ان کا ہی نام لوگوں کی زبان پر رہے اس کے لیے وہ اخراجات بھی کرتے ہیں۔

اکثر شہروں میں بعض ذاکرین بلکہ پیشہ ور کہیں تو زیادہ بہتر ہے ایک مجلس کے دس لاکھ تومان (ایرانی کرنسی) سے زیادہ کا مطالبہ کرنے لگے ہیں۔

میں نے خود دیکھا ہے کہ لایعنی اور کفر آمیز اشعار پڑھنے والے بعض ذاکرین نے جنہوں نے عزاداری میں خطرناک قسم کے رسومات شامل کیں اور زرِ کثیر خرچ کر کے اپنی مجالس کی کیسٹیں اور سی ڈیز بلا قیمت ملک میں وسیع پیمانے پر تقسیم کیں۔

سچ یہ ہے کہ ایسے افراد کا وجود، حقیقی مجالس عزا کے لیے بہت بڑی مصیبت ہے۔ جو امام حسینؑ اور ان کی مجالس پر مزید ظلم کرنے کا ایک بڑا سبب ہیں۔

یہ مصیبت اس وقت بڑی اور زیادہ ہو جاتی ہے جب ایسے افراد پیسہ اور شہرت کمانے کی غرض سے ایک دوسرے کے رقیب بن جاتے ہیں اور ہر فرد غلط مطالب گھڑنے اور عزاداری میں تحریف کرنے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ اے کاش! یہ مصیبت یہیں تک محدود رہ جاتی تو تب بھی بہتر ہوتا؛ اس سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ سب اپنے حریف کو میدان سے بھگانے کے منصوبے بناتے ہیں اور وہ سادہ لوح اور پاکیزہ لوگوں کے عقائد کے ساتھ آرام سے کھیلتے ہیں۔

ان سب سے بد تر، یہ کہ ایسے افراد اپنے آپ کو لوگوں کے دین کا نگران اور متولی سمجھتے ہیں؛ اور وہ جہالت کے باوجود اپنے آپ کو اس امر کا مجاز سمجھتے ہیں کہ دین کے امور میں جو کہ علمائے دین اور مجتہدین سے مربوط ہیں دخل اندازی اور اظہارِ خیال کریں اور لوگوں اور سامعین مجلس کے لیے ان کی شرعی ذمہ داری معیّن کریں۔ یہ گروہ علماءِ حق اور دانشوروں کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ یہ مراجع عظام اور علماءِ دین کے نظریات اس وقت قبول کرتے ہیں جب وہ ان کے مقصد اور نظریے سے ہم آہنگ ہوں۔ تاریخ عزاداری میں مراجع اور دینی رہبروں سے ایسے لوگوں کی مزاحمت کے کئی ایک نمونے اور مثالیں موجود ہیں۔

ان کے لئے یہ بات کوئی اہمیت نہیں رکھتی کہ وہ جو کچھ پڑھتے ہیں یا جس کی ترویج کرتے ہیں اس میں کوئی حقیقت ہے یا نہیں؛ بلکہ اتنا ہی کافی ہے کہ لوگوں کو رُلا سکیں؛ اور سامعین، بانیانِ مجالس اور پیسہ خرچ کرنے والوں کو قابو رکھیں۔ اس کے لیے وہ ہر جھوٹی، ضعیف یا تحریف شدہ بات کو بیان کرتے ہیں اور اسے معصومین علیہم السلام اور ان کے اصحاب کی طرف منسوب کر دیتے ہیں یہ نسبت یا تو براہ راست ہوتی ہے یا زبانِ حال کے بہانے بیان کر دیتے ہیں۔

ایسے اشخاص اسلام اور عالم اسلام کی مصلحتوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ نہ انہیں مراجع اور علماءِ دین کے نظریات سے کوئی سروکار ہے اور نہ ہی ان کے لئے یہ بات کوئی اہمیت رکھتی کہ ان کی تقریریں یا کلام، اسلام اور مسلمانوں کے موجودہ مسائل اور قیام سید الشہداءؑ کی حقیقت اور ان کی شخصیت کے ساتھ سازگار ہے یا نہیں۔ انہیں عزاداری کے اصلی پیغام اور اس کی عظمت و بزرگی کا کوئی احساس نہیں ہوتا۔ انہیں مجالس اہل بیت کی شائستگی اور اسلام و مملکت اسلامی کے دفاع میں ان مجلس کے کردار کی کوئی خبر نہیں ہوتی۔ وہ ان مجالس کے ایک ہی پیغام اور مقصد کے سوا کچھ نہیں جانتے اور نہ ہی جاننا چاہتے ہیں؛ اور وہ لوگوں کو رلانا اور رلانے والے واقعات کا بیان کرنا ہے وہ بھی اس واقعہ کی حقیقی روح اور اس پیغام کو نظرانداز کرتے ہوئے جو آج کے انسان کے لئے ضروری ہے۔ ایسی ہی فریاد ہے جو استاد مطہری رضوان اللہ علیہ نے بلند کی جو اسی طرح کی تحریفات سے نبرد آزما ہو کر درجہ شہادت پر فائز ہوئے، وہ لکھتے ہیں:

اگر ہم امام حسین بن علی علیہ السلام کی عزاداری کو اہمیت دیں؛ تو پھر ہمیں سوچنا چاہئے اگر امام حسین علیہ السلام آج موجود ہوتے تو کیا وہ خود کہتے کہ میرے لیے عزاداری کرو، اور یہ کہتے کہ کون سے شعار دوگے؟ کیا وہ کہتے کہ یہ کہو:۔ اے میرے نوجوان اکبر! یا یوں کہتے کہ کہو اے میری مجبور بہن زینب الوداع الوداع؟!۔ اس طرح کی باتیں میں نے پوری زندگی میں نہیں کہیں میں نے اس قسم کے نامناسب و بے معنی اور ذلت آور شعار نہیں کہے اور اس طرح کی کوئی بات نہیں کی، البتہ اگر حسین ابن علیؑ آج موجود ہوتے تو یہ کہتے: کہ شمر، تو تیرہ سو سال پہلے مر گیا تھا، تم آج کے شمر کو پہچانو۔

اس رتبہ پر بانیان مجالس کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ مختلف طریقوں اور ذمہ داریوں کے ذریعے امام حسین علیہ السلام اور ان کے دوستوں اور خاندان کو زیادہ سے زیادہ مظلوم بنا کر پیش کریں، لیکن نادانستہ طور پر ان پر ظلم کرتے ہیں۔

کیونکہ عزاداری کو اس کے اصلی راستے سے ہٹا دیتے ہیں اور لوگوں کو عزاداری کے اصلی مقصد سے دور کر دیتے ہیں۔ اس مرحلے پر وہ ذاکر اور مقرر زیادہ کامیاب جارہا ہوتا ہے جو لوگوں کو زیادہ رلاتا ہے اور انہیں تڑپاتا ہے وہی انجمن یا امام بارگاہ زیادہ کامیاب ہو جاتا ہے جس میں زیادہ گریہ و زاری ہوتی ہے۔ صرف ان ظاہری پہلوؤں پر تکیہ کیا جاتا ہے؛ عزاداروں کی تعداد کتنی تھی۔ ماتمی دستہ کتنا بڑا تھا، دیگیں کتنی پکائیں، علم اور پرچم کی کتنی اقسام تھیں، زنجیریں کتنی تھیں نیاز کی کتنی اقسام تھیں اور عزاداری کتنے گھنٹے رہے گی، کونسے گلی کوچوں اور بازاروں میں گشت کرنا ہے اور کتنے لوگ تماشائی تھے اور کتنے ماتمی دستوں کے ساتھ چل رہے تھے، اور عزاداری میں اسی مرحلے کی دیگر آفات ہیں۔

یہ آفات بعض دفعہ عزاداروں اور ماتمی دستوں کو حرام امور اور گناہوں میں آلودہ کرنے کا زمینہ فراہم کرتی ہیں۔

امام حسین علیہ السلام کی نظر میں اول وقت میں نماز کی اہمیت اور عزاداروں کی اس سے عدم توجہ

روزِ عاشور جب ابو ثمامہ صاعدی نے حضرتؑ سے یہ عرض کیا:

میں چاہتا ہوں کہ اپنے پروردگار کا دیدار اس حال میں کروں کہ یہ نماز جس کا وقت ہو چکا ہے ادا ہو چکی ہو۔

امامؑ نے فرمایا:

تم نے نماز یاد دلائی ہے خدا تجھے ان نمازیوں میں سے قرار دے جو اسے یاد رکھتے ہیں۔ ان سے کہو کہ وہ جنگ بند کریں تاکہ ہم نماز پڑھ لیں۔ جب مقابلہ کرتے ہوئے دشمن کے سامنے آئے تو

فرمایا: وائے ہو تجھ پر اے عمر سعد! کیا تو آئین اسلام کو بھول گیا؟!۔ تو جنگ کو کیوں موقوف نہیں کر تا کہ ہم نماز پڑھ لیں اور پھر جنگ کی طرف آجائیں۔[1]

!امام حسینؑ نے جہاد کو نماز کی خاطر جو دین کا ستون ہے روک دیا؛ اور اول وقت میں نماز ادا کی؛ لیکن عزاداروں کی اکثریت جو مختلف ماتمی انجمنوں اور دستہ جات نماز کی خاطر عزاداری کو روکنے کے لیے تیار نہیں ہوتے اور کبھی تو ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ اذان کے بعد بھی کئی گھنٹے تک عزاداری کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اس سے زیادہ بُری اور نامناسب بات یہ ہے کہ اگر نمازی جو، ہر کام کو اس کی مناسبت سے انجام دیتے ہیں عزاداروں کو نصیحت اور تذکر دیں تو وہ توجہ نہیں کرتے بلکہ اس یاد آوری سے وہ ناراض ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ اس بات کو اہم سمجھتے ہیں کہ کتنا ماتم کرنا ہے یا گریہ وزاری کرنی ہے اتنے اشعار اور نوحہ جات پڑھنے واجب ہیں!!! وہ بھی اتنا واجب کہ اس میں کسی قسم کی تاخیر نہ ہونے پائے کہ کہیں مجلس خراب نہ ہو جائے اس لیے وہ خیر خواہ افراد کے تذکر سے دور رہتے ہیں اور اس عظیم واجب الٰہی کو بے بنیاد بہانوں سے سبک شمار کرتے ہیں۔ اگر ہم یہ اندازہ لگانا چاہیں کہ یہ عمل کتنا نامناسب ہے تو ہمیں پیغمبر اکرم ﷺ کی ان دو روایات پر توجہ کرنا ہو گی:

۱۔ اَمّا شَفٰاعَتی فَفی اَصحاب الکَبٰائر مٰا خَلا اَهلِ الشِّرکِ و الظُّلمِ۔[2]

میری شفاعت گناہ کبیرہ کرنے والوں کے لیے ہے مشرکوں اور ظالموں کے لیے نہیں

۲۔ لَا یَنَالُ شَفٰاعَتی مَن اَستَخَفَّ بِصَلاتِهِ وَلَا یَرِدَ عَلَیَّ الحَوضَ لَا وَاللهِ[3] جو نماز کو سبک شمار کرے گا اسے میری شفاعت نصیب نہ ہو گی اور خدا کی قسم وہ حوض (کوثر) کے پاس مجھ تک نہیں پہنچ پائے گا۔

---

[1] {وَیلَكَ یا عُمر بنَ سَعد اَنسیتَ شَرایعَ الاِسلامِ، اَلا تَقِفُ عَنِ الحَربِ حَتی نُصلی و تُصلون وَ نَعودَ اِلی الحَربِ} ۔(موسوعۃ کلمات الامام الحسینؑ، صفحہ ۴۴۴

[2] مستدرک الوسائل، ج۱۱، صفحہ ۳۶۴

[3] اصول کافی، ج۶، ص۴۰۰

پیغمبر اسلام ﷺ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والوں کی شفاعت کریں گے لیکن نماز کو سبک شمار کرنے والوں کی شفاعت نہیں کریں گے، اس سے معلوم ہوا کہ نماز کو سبک جاننا ان تمام گناہانِ کبیرہ سے بڑا گناہ ہے جن کی پیغمبر اکرم ﷺ اور ان کی آل پاک شفاعت کر سکے گی اور انسانی روح پر اس کے انتہائی خطرناک آثار ظاہر ہوتے ہیں۔

اسلام میں ایسا مستحب عمل جو واجب عمل کو نقصان پہنچائے حرام ہے

اس دلیل کی بنا پر عزاداری اس وقت تک قابل تعریف ہے کہ جب تک وقتِ نماز کو نقصان نہ پہنچے۔ سید الشہداءؑ ہر گز راضی نہیں ہیں کہ اہم ترین واجبات الٰہی میں کسی ایک کو سبک شمار کر کے کہ جو دین کا ستون ہو ان کے لیے عزاداری کی جائے۔

جس عزاداری یا مجلس سے نماز اور باقی واجبات کی توہین ہوتی ہو وہ شیطان کی ولایت اور ہوائے نفس کے تحت انجام پاتی ہے، خدا کے حکم سے نہیں۔

ہم یہ کہہ چکے ہیں کہ پیغمبر اکرم ﷺ کہ جو رحمت للعالمین ہیں ان کے فرمان کے مطابق نماز کو سبک سمجھنا انسان کو ان کی اور اہل بیت علیہم السلام کی شفاعت سے محروم کر دیتا ہے۔ حالانکہ ان کی شفاعت گناہِ کبیرہ کے مرتکب کے لیے ذخیرہ کی گئی ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ کام سب سے بڑے محرمات میں سے ہے۔ حرام کا مطلب ایسا گناہ اور برائی ہے جس سے ہمیں روکا گیا ہے۔

اب ہم کہہ سکتے ہیں کہ عزاداری میں جذباتی واحساساتی پہلو پر تکیہ کرنا اور اصلی واجبات سے غفلت برتنا جو کہ عزاداری کا حقیقی فلسفہ ہیں؛ اس کی وجہ سے انسان منکرات کا زیادہ شکار ہو جاتا ہے؛ یعنی وہی امور جن سے روکنے پر سید الشہداءؑ کو قتل کر دیا گیا۔ خود امامؑ نے اپنے قیام کا مقصد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، دینی احکام کے احیاء اور حق پر عمل کرنے اور باطل سے دوری قرار دیا ہے۔ اس طرح کی عزاداری محمد (ص) وآل محمد علیہم السلام کے حق میں ایک آشکار ظلم عظیم ہے۔

سید الشہداءؑ کے قیام کا حقیقی مقصد دین خدا کا احیا نیز بدعتوں اور ان انحرافات کے خلاف جہاد کرنا تھا جو دین اور اسلامی معاشرے میں جنم لے چکی تھیں۔ تمام انبیاءؑ اور چہاردہ معصومین علیہم السلام کے نزدیک سب سے بڑی مصیبت معاشرے میں دین کی کمزوری اور لوگوں کا اسلامی تعلیمات سے محروم ہونا ہے۔

کیا عزادارانِ امام حسینؑ کو جو حق کو زندہ کرنے اور باطل کا مقابلہ کرنے کے لئے قیام کرتے ہیں اس بات کی اجازت دیں گے کہ وہ عزاداری کے دوران، حق اور آئین حق کو پامال کردیں اور باطل کو رائج کریں۔ شہید راہِ خدا حضرت امام حسینؑ کی مجالس میں غلط قسم کے اشعار اور نوحے پڑھیں، ڈھول وغیرہ اور غلط قسم کی رسوم وآداب کو رواج دیں؟

سید الشہداءؑ کا اپنے تمام پیروکاروں کے نام ایک پیغام!

امامؑ اس رنج وغم سے پردہ اٹھاتے ہیں جس سے آپ کی روحِ مقدس سخت آزردہ تھی اور آپ کے قیام کا سبب بھی یہی تھا۔ آپ نے فرمایا:

اَلا تَرَونَ اَنَّ الحَقَّ لَا یُعمَلُ بِہٖ وَ اَنَّ البَاطِلَ لا یُتَنَاھیٰ عَنہُ۔

ترجمہ: کیا تم یہ نہیں دیکھ رہے کہ حق پر عمل نہیں ہو رہا اور باطل سے روکا نہیں جارہا۔

لِیَرغَبِ المُؤمِنُ فِی لِقَاءِ اللہ مُحِقًا

ترجمہ: ایسے حالات میں مومن کے لیے ضروری ہے کہ وہ موت و حق اور شہادت ولقا اللہ کی آرزو کرے

فَاِنِّی لَا اَرَی المَوتَ اِلَّا سَعَادَۃً وَلَا الحَیَاۃَ مَعَ الظَّالِمِینَ اِلَّا بَرَماً

ترجمہ: میں (اس افسوسناک صورتحال میں) موت کو کامیابی اور ظالموں کے ساتھ زندگی گزارنے کو ملال وافسردگی جانتا ہوں

یہاں ضروری ہے کہ ہم اس نکتے پر غور کریں کہ آیا ہمارے آقا و امام حسینؑ کا یہ فرمان صرف اس زمانے کے لوگوں سے متعلق ہے یا یہ اپنا روحی درد و غم صرف ان کے لئے بیان کیا ہے اور فقط ان سے کہا ہے کہ جو حق پر عمل کرنے اور باطل سے دوری کی تکلیف برداشت کریں؟ یا امامؑ کا یہ پیغام ہمارے لئے بھی ہے۔ یوں سمجھ لیں کہ امامؑ اب ہمارے سامنے کھڑے ہیں اور دلی افسردگی کے ساتھ فرمارہے ہیں اے میری محبت کا دم بھرنے والو! اگر تم درست کہہ رہے ہو کہ تم واقعی میرے دوست ہو تو میرے دردِ دل کو پہچانو اور اس کا مداوا کرو۔

الا ترون ان الحق لا یعمل بہ و ان الباطل لا یتناھی عنہ

کیا تم یہ دیکھ نہیں رہے کہ حق پر عمل نہیں ہو رہا اور باطل سے روکا نہیں جارہا

میرا درد دل یہی ہے بتاؤ تم خود کس طرح رہ رہے ہو۔ حق و باطل کے ساتھ تمہارا کیا معاملہ ہے؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم میرے لئے اپنا سر و سینہ پیٹ رہے ہو، اور تمام شعبہ ہائے حیات میں حق کو روند دو؛ اور باطل کو سر پر بٹھالو۔ حلال و حرام کی حدود کا خیال نہ رکھو؟!۔ درست بات یہ ہے کہ ہم اپنے کردار و گفتار کی بہت زیادہ حفاظت کریں کم سے کم ہم اپنی نیکیوں کو برائیوں میں تو نہ بدلیں! ہمارا فرض ہے کہ ہم عزاداری جیسی عظیم عبادت کو گناہوں کی نجاست سے آلودہ نہ کریں ہمیں معلوم ہونا چاہئے کہ ہر عبادت کی ایک آفت ہوتی ہے جو اسے بے اثر کر دیتی ہے نماز، روزہ اور حج کی بھی آفات ہیں اگر ان میں ریاکاری کی جائے تو یہ صرف باطل اور بے اثر ہی نہ ہوں گے بلکہ ان پر شرک اور گناہ کا لیبل لگ جائے گا۔ یہی سینہ زنی اور مجالس عزا کی تشکیل اور منبر پر جلوہ افروز ہونا یہ سب کئی قسم کی آفات کی حامل ہیں۔ اگر ہم ان کا خیال نہیں رکھیں گے تو ان کے معنوی فوائد سے ہم بے بہرہ رہیں گے اور روزِ قیامت حسرت و ندامت کی آتش کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب کی آگ میں جلیں گے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَأَنذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ[1]

ترجمہ: انہیں اس روزِ حسرت سے ڈراؤ۔ قیامت کے عظیم دن سے کہ جب ہر چیز کا خاتمہ ہو جائے گا اور ازالے و بازگشت کا کوئی راستہ نہ ہو گا؛ انہیں ڈراؤ کہ انہوں نے دنیا میں اپنی عمر غفلت میں گزار دی اور حقیقت پر ایمان نہیں لائے

جو بزرگوار افراد، لوگوں کو ارشاد و ہدایت دینے کے لئے تقریر کے پیشے سے منسلک ہیں یا مداحی اہل بیتؑ کرتے ہیں کیا ہی اچھا ہو! کہ وہ اپنے اس کام کی عظمت کو پہچانیں اور اس عظیم عبادت کی آفات سے آگاہی رکھتے ہوئے اس کی بہت زیادہ حفاظت کریں تاکہ اہل بیتؑ کی بارگاہ اقدس میں بے ادبی اور ہتک حرمت کے مرتکب نہ ہوں۔[2]

---

[1] سورۂ مریم، آیت: ۳۹

[2] صفیر ھدایت نمبر ۲۶، صفحہ ۱۶۔۱۷ (ملفوظات حضرت آیت اللہ ضیاء آبادی)

دوسرا باب

معصومینؑ کی معرفت اور ان پر طرح طرح کے مصائب

چوتھا درجہ: معرفت معصومین علیہم السلام اور ان پر طرح طرح کے مصائب

بنیادی طور پر جو چیز عزادار کو تیسرے درجے سے جو کہ مسلم اور غیر مسلم کے درمیان مشترک ہے، بلند کرکے معصومین علیہم السلام کے حقیقی شیعوں میں داخل کرتی ہے، وہ حقایق کائنات کی نسبت اس کے باطن کی پاکیزگی اور معیار محبت اور معرفت کی بلندی ہے۔

عزادار تیسرے درجے میں امام حسینؑ اور ان کی آل واصحاب کی عظمت کی مختلف تجلیات سے آشنائی حاصل کرتا ہے۔ اس حالت میں عزادار محسوس کرتا ہے کہ تیسرا درجہ اسے سیر یا راضی نہیں کر سکتا۔ اس رتبہ میں وہ محمدؐ و آل محمدؑ خصوصاً عظمتِ امام حسینؑ کے ادراک کی مزید تشنگی اور طلب محسوس کرتا ہے۔ ذاکرین اور بعض مقررین اور لکھاریوں کی توجیہات و توضیحات جو خود تیسرے درجے تک محدود ہوتے ہیں اس کی تشنہ روح کی سیرابی کا سامان فراہم نہیں کر سکتیں۔ کیونکہ وہ اپنی فہم کے اندازے سے امام حسینؑ اور دیگر معصومین علیہم السلام کے بارے میں پڑھتے اور بیان کرتے ہیں۔ لیکن عزادار اس کا اچھی طرح احساس کرلیتا ہے کہ جو وہ کہتے ہیں حقیقت اس سے کہیں بالاتر ہے۔ اس حال میں وہ معرفت میں جدت اور گہرائی تک جستجو شروع کر دیتا ہے۔ اور وہ معرفت کی پیاس بجھانے اور اپنی مجہولات کو رفع کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔

وہ اپنے افکار یا دوسروں، کی مدد سے اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ محمدؐ و آل محمد علیہم السلام بالخصوص سید الشہدا علیہ السلام اور حماسہ حسینی کے بارے میں جو کہا گیا ہے یا جو کہا جائے گا وہ ان کی اپنی عقل و فہم کا نتیجہ ہے؛ ظاہر ہے کہ قارئین، مقررین و ذاکرین اور لکھنے والوں کا فہم و ادراک محدود ہوتا ہے کہ وہ ان انوارِ طیبہ کے باعظمت وجود کے بارے میں کماحقہ لکھ سکیں یا بیان سکیں۔

خداوند عالم کے سوا کسی کی کیا مجال ہے کہ وہ معصومین علیہم السلام کی کماحقہ تعریف وتوصیف بیان کر سکے۔اس بناء پر عزادار کچھ عرصہ تیسرے درجے پر گزارنے کے بعد جب اس کی مجہولات اور اس کے سوالات اس اوج پر پہنچ جاتے ہیں اور اس پر ان چیزوں کا دباؤ بڑھتا ہے تو وہ اللہ تعالی جو محمدؐ وآل محمدؑ کا خالق ہے سے مدد طلب کرتا ہے اور معصومین علیہم السلام سے توسل کرتا ہے کہ وہ اسے معرفت جدید تک پہنچائیں اور اس کی تشنگی کو رفع کریں ۔وہ سچی جستجو اور تلاش کے ذریعے سستی اور غفلت کو دور کرتے ہوئے اہل علم ودانش خصوصاً روحانیت اور علماء دین جو لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ تعالی کی اور دین خدا اور معصومین کی معرفت رکھتے ہیں اور وہ چوتھے پانچویں درجے سے گزر چکے ہوتے ہیں ان کی مشاورت سے چشمہِ معرفت پر پہنچ جاتا ہے اور اہم معلومات حاصل کرلیتا ہے۔

معصومین علیہم السلام کی معرفت کے اہم ترین منابع

ا۔قرآن کریم

قرآن کریم آسمانی کتاب ہے جو اللہ تعالی کی طرف سے نازل شدہ ہے وہی ذات ہے جو معصومین علیہم السلام کے انوارِ طیبہ کا خالق اور دنیاو آخرت کا بھی خالق ہے۔اللہ تعالی نے تمام زمین وآسمانوں کو خلق کیا اور انسان کو اپنی خاص عنایت سے زندگی کے بالاترین مقصد کو پانے کے لیے خلق کیا کہ جو تمام اسماء وصفات خداوندی کا مظہر ہے اور خلافت الٰہی اور ولی اللہ کے مقام تک جا سکتا ہے۔

قرآن کریم،ایسے خدا کی کلام ہے اور ایسے ہی اعلیٰ مقصد کے لیے نازل کی گئی ہے۔ایسی کتاب کہ جس کا مقابلہ کوئی اور کتاب نہیں کرسکتی اور نہ کوئی اندیشہ اس کے مقابل خود نمائی پر قادر ہے۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ انسانِ کامل ہیں جن کا قلبِ مقدس شائستگی کی بنا پر نزولِ قرآن کا ظرف بن کر اس باعظمت کتاب کا حامل قرار پایا۔وہ سب سے بہتر قرآن کو جانتے ہیں اس بارے میں ارشاد فرمایا:

فَضلُ القُرآنِ عَلیٰ سَائرِ الکَلامِ کَفَضلِ اللہِ عَلیٰ خَلقِہِ

ترجمہ: قرآن مجید کی برتری دیگر کلاموں پر اسی طرح ہے جیسی خالق کی مخلوق پر [1]

اس آسمانی کتاب میں جو نظام خلقت انسان و جہاں اور انسان کی خدا کی طرف واپسی کے سفر اور اس کے مدارج کمال کے حصول کی بنیاد پر نازل ہوئی؛ اس میں کئی بار علم الٰہی کا ذکر ہوا، اور یہ بھی مسلم ہے کہ اللہ تعالیٰ سے بہتر کوئی شخص نظام خلقت اور انسان کے بارے نہیں جانتا۔

سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا: رَبُّکُم اَعلَمُ بِکُم۔ [2]

اور دوسری جگہ پر ارشاد فرمایا:

اَللہُ اَعلَمُ حَیثُ یَجعَلُ رِسالَتَہُ۔ [3]

اس بنا پر اگر کوئی شخص معصومین علیہم السلام کو جاننا اور پہچاننا چاہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ قرآن کریم سے رجوع اور اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر صحیح معرفت حاصل نہیں کر سکتا۔ [4]

اس بارے میں امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں:

نَزَلَ القُرآنُ اَربَعَۃَ اَرباعٍ، رُبعٌ فِینا وَ رُبعٌ فِی عَدُوِّنا وَ رُبعٌ سُنَنٌ وَ اَمثالٌ وَ رُبعٌ فَرائِضُ وَ اَحکامٌ۔ [5]

---

[1] مستدرک الوسائل، ج ۴، ص ۲۳۷

[2] سورہ بنی اسراءیل آیت ۵۴

[3] سورہ انعام، آیت ۱۲۴

[4] قرآن مجید میں معصومین علیہم السلام کے مقام کے بارے میں جو آیات نازل ہوی ہیں، اس سے متعلق کءی ایک کتب تالیف کی گی ہیں۔ مزید معلومات کے لیے ان سے رجوع کیا جا سکتا ہے۔

[5] اصول کافی، ج۲، ص۶۲۷

ہ۔ زیارتِ عاشورا

اولیاءاللہ اور علماء کے درمیان مشہور ہے کہ زیارت عاشورا، حدیث قدسی ہے [1] اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سید الشہداءؑ اور واقعہ عاشورا کی عظمت نیز اس عظیم دن کے مختلف جہتوں اور امام اور عاشورا کے سامنے اس کے بندوں کی ذمہ داریاں ہیں، ان کی شناخت کی ضرورت کے پیش نظر فرشتہ وحی حضرت جبرئیلؑ کے توسط سے جناب رسول خداﷺ کو عطا ہوئی پھر امام محمد باقرؑ کے ذریعے سانحہ کربلا کے واقعات کے بعد لوگوں تک پہنچی۔

ایک شیعہ اور حقیقی عزادار اور سچے مومن کے لیے زیارت عاشورا، منشور اور آئین زندگی ہے۔

ہم معرفت معصومین علیہم السلام خصوصاً امام حسینؑ کے بلند ترین الٰہی معارف نیز لوگوں کے معصومین علیہم السلام سے وجودی رابطہ، انسان شناسی کی مباحث، اسی طرح سید الشہداؑ اور ان کے قیام کے حوالے سے ایک حقیقی شیعہ اور سچے عزادار کی ذمہ داریوں سے زیارت عاشورا کے ذریعے آشنا ہو سکتے ہیں۔ اس زیارت شریفہ میں ایک خاص قسم کی عنایت یہ ہے کہ جس سے اس کی اہمیت وضرورت کی نشاندہی کے علاوہ یہ پتہ چلتا ہے کہ ہر انسان کے لیے امام حسینؑ اور ان کے فرزند حضرت حجت ارواحنالہ الفداء اور کلی طور پر حماسہ حسینی سے رابطے کی خاطر اس زیارت کے مضامین کلیدی اور بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ زیارت معرفت کی عظیم بلندی پر ہے کہ ائمہ اطہار علیہم السلام کے زمانے سے اب تک کسی امام نے، ان کے اصحاب اور حقیقی علمائے اسلام نے اس عبادتی پروگرام کو حذف نہیں کیا؛ بلکہ روز بروز متواتر پڑھنے کی تاکید سے اس کی اہمیت زیادہ ہوتی جارہی ہے۔

---

[1] مصباح المتہجد، ص ۷۸۰

۳۔زیارت جامعہ کبیرہ

یہ معتبر ترین زیارات میں سے ہے۔جو امام شناسی کے اعلیٰ ترین اور کامل ترین مطالب پر مشتمل ہے۔ یہ امام نقیؑ کے توسط سے شیعوں تک پہنچی ہے۔ شیخ عباس قمی مرحوم نے ''مفاتیح الجنان'' میں زیارت جامعہ کو نقل کرنے کے بعد ایک دلآویز اور سبق آموز داستان بنام ''حکایت سید رشتی'' تحریر کی ہے۔اس سے حضرت بقیۃ اللہ الاعظم ارواحنا لہ الفدا کے نزدیک زیارت عاشورا اور زیارت جامعہ کی اہمیت وعظمت کو بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔

۴۔زیارت ناحیہ مقدسہ

یہ زیارت بقیۃ اللہ وآل محمد ﷺ کے منتقم اصلی،امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہُ الشریف کا اپنے جدّ ؑ مظلوم اور شہداءِ کربلا کا سوگنامہ ہے۔

اس زیارت سے ہم اہل بیت علیہم السلام پر ڈھائے جانے والے مظالم سے واقف ہو سکتے ہیں یہ زیارت در حقیقت واقعات کربلا کی تفصیل ہے۔اسے ایک لحاظ سے زیارت عاشورا کی شرح قرار دیا جاسکتا ہے؛ جس سے حماسہ حسینیؑ کی معلومات واضح شکل اور دقیق انداز میں ہمارے سامنے آتی ہیں۔

ان مذکورہ چار منابع اور معصومین علیہم السلام کے فرامین سے استفادہ کر کے عزادار ایک جدید اور بلند تر معرفت تک پہنچ جاتا ہے؛ جو اس کے اور محمد وآل محمد علیہم السلام کے درمیان رابطے کا کام دیتی ہے جو ایک عزادار کو ان کو ساتھ رکھنا چاہئے اور وہ اس جدید اور بلند و بالا معرفت کے سائے میں محمد وآل محمدؐ کے مصائب اور شائستہ عزاداری تک رسائی حاصل کر لیتا ہے۔

اس معرفت کے سائے میں ایک حقیقی عزادار جو اصلی اسلامی منابع اور دین شناس علماء کی رہنمائی سے حاصل کرتا ہے۔ اسے معصومین علیہم السلام خصوصاً سید الشہداء کے وجودِ مقدس

کے حوالے سے دو قسم کے مصائب سے واسطہ پڑتا ہے۔ اگرچہ دونوں بڑی مصیبتیں ہیں تاہم ایک دوسری سے بڑی مصیبت ہے۔

ایک مصیبت مثبت ہے جو نزدیک کرتی ہے دوسری منفی ہے جو دور کرتی ہے۔ ہم یہاں ان مصیبتوں کو مصیبت عظیم (Big) اور مصیبت اعظم (Biggest) کا نام دے کر اس کی تشریح کریں گے۔

عزادار حقیقی دونوں مصیبتوں کو تمام زاویوں سے خوب پہچانتا ہے اور ہر ایک کے لئے مناسب رد عمل ظاہر کرتا ہے۔

(الف) مصیبت عظیم، یا وہ مصیبت جو، ان کے مقدس اور نورانی وجود کو پہنچیں یعنی وہ جرائم اور ظلم جو آنحضرتؐ اور ان کے اہل بیت کو شہید کرنے کا باعث بنے۔

وہ ظلم و جفا اور مصیبتیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود پر ان کی زندگی میں اور ان کے وصال کے وقت پیش آئیں۔

وہ جان لیوا مصائب جو امیر المومنینؑ اور حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے وجود مقدس کو حیاتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں، اس کے بعد اور بوقت شہادت وارد ہوئے۔

امام حسنؑ کو کئی بار زہر دیا گیا اور ان کی شہادت کے بعد ان کے نورانی اور پاکیزہ بدن پر تیروں کی بارش کی مصیبت اور ان کے بعد تمام حضرات خصوصاً امام حسینؑ ان کی آل و اصحاب پر کربلا اور اس کے بعد عظیم مصائب۔ پھر اس کے بعد ائمہ اطہار علیہم السلام پر مصائب و ظلم کا ہجوم ان سب کا تعلق مصیبت عظیم سے ہے۔

شیعہ اور حقیقی عزادار ان عظیم مصیبتوں پر کیا رد عمل ظاہر کرتا ہے؟ کیا تیسرے درجے کی طرح رونے والی مشتعل عزاداری اور صرف جذبات و احساسات کے زیر اثر وہ بھی تمام آفات و تحریفات اور بدعات کی موجودگی میں؟ کیا اس کے علاوہ کوئی اور عمل کرتا ہے؟

ہم بہتر یہ سمجھتے ہیں کہ اس سوال کا جواب مصیبت اعظم کی بحث کے بعد دیں۔

(ب) مصیبت اعظم، یا وہ مصائب و آلام جو پوری تاریخ میں انسانی معاشرے کو حقیقت دین اور الٰہی رہنماؤں خصوصاً ائمہ معصومین علیہم السلام کے وجود مقدس سے محروم ہونے کی وجہ سے وارد ہوئے۔ یہ مصیبت اس وجہ سے آئی کہ معصومین علیہم السلام جنہیں اللہ تعالی نے انسانی معاشرے میں جو منصب ہدایت ور ہنمائی عطافرمایا تھا اس مقام و مرتبے سے انہیں محروم کر دیا گیا۔ ان دو مصیبتوں اور ان کے مابین موجود رابطوں کی مزید وضاحت کے لئے اسی طرح ایک عزادار اور حقیقی شیعہ کی اس سلسلہ میں کیا ذمہ داریاں بنتی ہیں؛ اس کے لئے ہم چند مقدمات کا ذکر کرنے پر مجبور ہیں۔

ا۔ حیاتِ بشری میں دین کا مقام

اللہ تعالی خالق انسان اور خالق جہان ہے، وہ رب العالمین اور مالک ہے۔ اور وہ نظام خلقت کی تدبیر کرنے والا ہے۔ وہ ہر ایک سے بہتر حتیٰ خود انسانوں سے بھی بہتر جانتا ہے۔[1]

وہ قرآن مجید میں انسان کے لئے دو قسم کی حیات و زندگی کا تعارف کرواتا ہے:

الف: حیات طبیعی، جس میں درج ذیل چار مراحل شامل ہیں:

ا۔ بعض انسانوں کی زندگی کی حیثیت جمادات جیسی ہوتی ہے۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُم مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ[2]

(پھر تمہارے دل اس کے بعد سخت ہو گئے پس وہ پتھر کی طرح ہو گئے)۔

۲۔ حیات کی نظر میں بعض انسان پتھر (جمادات) سے بھی زیادہ سخت ہیں۔

اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً[3]

---

[1] ربکم اعلم بکم تمھارا پروردگار تم سے زیادہ آگاہ ہے سورہ مریم آیت ۵۴

[2] سورہ بقرہ، آیت ۷۴

[3] سورہ بقرہ، آیت ۷۴

(اور تمہارے دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہیں)۔

۳۔ بعض انسان حیوانات سے بھی بد تر ہیں۔۱

اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ[2]

(وہ حیوانات کی مانند ہیں)۔

۴۔ بعض چوپائیوں سے بھی پست تر ہیں۔

بَلْ هُمْ اَضَلُّ

(بلکہ وہ چوپائیوں سے بھی بد تر ہیں)۔

ایک اور تقسیم بندی میں ان چار مراحل کو جمادات سے بد تر، حیات جمادی، حیات گیاہی، (گھاس) حیات حیوانی میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔[3]

ب: حیاتِ انسانی یا فطری

طبیعی اور حیوانی پہلو رکھنے کے علاوہ انسان، مادی اور روحی والٰہی پہلو بھی رکھتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسی مرحلہ حیات کو روح خدا پھونکنے سے تعبیر کیا ہے؛ جب کہ فرشتوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ[4]

پس جب اس کو (بدن کے لحاظ سے) متعادل اور مستحکم بنالوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اسے سجدہ کرنا۔

دین کی زبان میں اس روح الٰہی کو "فطرت" کے عنوان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ انسان کو یہ پہلو رکھنے کی وجہ سے انسان کا نام دیا گیا لہٰذا وہ ملائکہ سے برتر اور لائق سجدہ قرار پایا۔

---

[1] سورہ اعراف، آیت ۱۷۹

[2] سورہ اعراف، آیت ۱۷۹

[3] اس بارے میں مزید وضاحت کی لیے مصنف کی کتاب (انسان کے وجودی کمالات) کا مطالعہ کیجیے

[4] سورہ حجر، آیت ۲۹

وجود انسان کا یہ پہلو صرف اللہ تعالیٰ کی ہدایت و تربیت سے پھلتا پھولتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو فطرتِ انسانی اور اس کی حیات و رشد فطرت کے مطابق منظم کیا ہے۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ[1]

پس اے رسول (اپنے سب پیروکاروں کے ہمراہ) اپنا رخ دین (خدا) کی طرف مرکوز رکھیں۔ اللہ کی اس فطرت کی طرف جس پر اس نے سب انسانوں کو خلق کیا ہے، خلقت خدا میں کوءی تبدیلی نہیں آتی۔ یہی محکم دین ہے لیکن لوگوں کی اکثریت اس سے آگاہ نہیں۔

انبیاءؑ جو کہ انسان کامل ہیں، وہ تبلیغ دین اور انسانوں کو خصوصی انسانی کمال کی طرف ہدایت کرنے پر مامور ہیں۔ انسان کی الٰہی تربیت میں انبیاء اور دین خدا کے سوا کوئی اور عامل یہ قدرت نہیں رکھتا اور نہ ہی اس کی فطری حیات میں رشد لا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ چونکہ خالق انسان ہے، اس لیے وہ انسانی زندگی، انبیاء کے فرامین اور دین الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کرنے سے ہی ثابت جانتا ہے۔

اِسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ[2]

دوسری تعبیر کے مطابق جو چیز انسان کو حیات دیتی ہے وہ وہی چیز ہے جس کی طرف خدا اور سولؐ انسان کو دعوت دیتے ہیں یعنی "دین حق" پس خدا کا حیات بخش آئین ہے جس پر عمل پیرا ہونے سے انسان حیات طیبہ کو پالیتے ہیں اور اسے قبول نہ کرنے والے اس حیات سے محروم ہو جاتے ہیں۔ امام علیؑ فرماتے ہیں:

لَا حَیَاةَ اِلَّا بِالدِّیْنِ

---

[1] سورہ روم، آیت: ۳۰

[2] سورہ انفال، آیت: ۲۴

(انسان کے لیے کوئی زندگی نہیں مگر دین کے ساتھ)

ظاہر ہے کہ اس حیات سے وہی انسانی حیات مراد ہے۔

دین خدا کے ایسے اصول و فروع ہیں۔ کہ ان اصولوں پر قلبی اعتقاد و یقین رکھنے، ان کے مطابق عمل کرنے نیز دین کے اخلاقی و عملی دستورات پر یقین رکھنے اور ان کے مطابق عمل کرنے سے ہی انسان کو ابدی انسانی حیات نصیب ہوتی ہے۔

اس بنا پر انسانی حیات کے لیے انسان کی اہم ترین ضرورت یہ ہے کہ وہ اپنے خالق و پروردگار سے تعلق رکھے اور اس کی خاص ہدایات سے استفادہ کرے جو اصول و فروع دین فراہم کرتا ہے۔

اب تک جو بیان ہوا اس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ انسانوں کے لیے مصیبت اعظم دین خدا سے محروم ہونا ہے۔ دین خدا کے بغیر کوئی بھی انسان طبیعی حیات کے مرحلے سے فطری اور انسانی مرحلے تک نہیں پہنچ سکتا۔

انسان فقط دین خدا سے تمسک رکھنے اور ہدایت الٰہی سے بہرہ مند ہو کر دنیاوی اور ابدی کامیابی کو پا سکتے ہیں۔ صراط مستقیم اور خدا کے حیات بخش آئین کے سوا کوئی راہ یا کوئی آئین اس کی تخلیق کے ہدف اور اس کے لائق کمال تک نہیں پہنچا سکتا۔ لہٰذا بعثت انبیاء اور آسمانی کتابوں کے نزول کا ہدف دین خدا اور راہ حق کی طرف لوگوں کی رہنمائی کرنا نیز تمام باطل ادیان پر آئین خدا کی حاکمیت قائم کرنا ہے۔ پیغمبر اکرم ﷺ بھی لوگوں کی ہدایت اور انسانی معاشرے میں دین خدا کی حاکمیت کے سوا کچھ نہیں چاہتے تھے۔ یہ ہدف جس کے لئے تمام انسان[2] (جن میں انبیاء اور ائمہ علیہم السلام بھی شامل ہیں) نیز تمام موجودات عالم، تمام زمین و آسمان خلق کئے گئے، اس قدر عظیم تھا کہ

---

[1] بحار الانوار، ج ۴۷، ص ۴۲۰

[2] منجملہ سب انبیاء اور آئمہ اطہار علیہا السلام

ہزاروں انبیاء نیز سیزدہ معصومین علیہم السلام نے اس کی خاطر شہادت قبول کی۔ اربوں نیک انسانوں، مرد و زن، جوانوں حتیٰ کہ بچوں نے بھی دین خدا کی حاکمیت کے لیے شہادت پائی اور قید و بند کی صعوبتیں، جلاوطنی، بھوک پیاس، فقر وفاقہ اور دیگر مصائب برداشت کئے۔اس بنا پر جو عمل انسانوں کی حقیقی تربیت کا موجب بنتا ہے وہ دین خدا کی انسانی معاشرے پر حاکمیت اور انسانوں کی ہدایت کرنا ہے،زندگی کے ان بلند ترین مقاصد کو پانے کے لیے الہی راہنماؤں اور ان کے پیروکاروں نے بڑی جدوجہد اور مبارزے کیے ہیں ۔ یہ تمام مصاءب و اعلام (مصیبت عظیم) اس کا مقدمہ اور لازمہ ہیں، اسی دلیل کی بناپر ہم یہ کہتے ہیں کہ معاشرے پر الہی رہبروں کی حاکمیت میں ناکامی یا انسان اور ساری دنیا پر دین خدا کی حاکیت سے محرومی مصیبت اعظم ہے۔

۲۔انسانی زندگی میں رہبر متخصص اور معصوم کا مقام

ماہر رہنما اور معصوم سے تعلق کے بغیر ہدایت و نجات کا معاملہ محض ایک خیال ہے۔ معصوم کے بغیر دینداری کی مثال معلم کے بغیر تعلیم اور ڈاکٹر کے بغیر صحت و سلامتی کی مانند ہے ، مصیبت اعظم کے معنی کو بہتر درک کرنے کے لئے ہمیں اس رابطہ کی وضاحت کرنی پڑے گی؛ دین کا جو تعلق رہبر معصوم اور دین شناس افراد کے مابین ہے اور جو رابطہ رہبر معصوم اور دیگر تمام انسانوں کے درمیان ہے۔

اصل اصالت تخصص[1]

یہ اصول جو کہ فطری اور عقلی اصول ہے ہمیں یہ بتاتا ہے: کہ انسان جب کسی سسٹم یا مشینری کو استعمال کرنے لگتا ہے تو اسے چار مراحل کی ضرورت پیش آتی ہے۔اسے کیسے لگانا ہے، اس سے کیسے استفادہ کرنا ہے، اس کی اصلاح کیسے کرنی ہے اور خراب ہونے کے بعد اس کی مرمت کیسے

[1] یہ عبارت کتاب (آشتی باامام زمان علیہ السلام) سے لی گ ءی ہے

کرنی ہے۔ یہاں پہلے مرحلے میں اسے بنانے والے کی راہنمائی کی ضرورت ہے اور دوسرے مرحلے میں ایک ماہر کی۔ ظاہر ہے کہ یہ سسٹم یا مشینری جتنی زیادہ پیچیدہ یا حساس ہوگی تو ہمیں اسے بنانے والے اور ماہر کی ضرورت بھی اتنی زیادہ ہوگی۔

تمام انسانوں میں بنیادی اور فطری طور پر یہ اصول موجود ہے کہ وہ ہر کام میں بے چون وچرا کسی ماہر کی پیروی کرتے ہیں۔ ہر اس کام میں جس کے بارے میں انسان علم یا مہارت نہ رکھتے ہوں تو چونکہ سب انسان فطرتاً اور عقلاً اس الٰہی قانون سے مزین ہیں؛ تو وہ اس قانون کے مطابق کسی ماہر کو تلاش کرتے ہیں۔ انسان بیماریوں کے علاج کے لیے ماہر (ڈاکٹر) بلکہ اس خاص بیماری کے سب سے بڑے ماہر کے پاس جاتے ہیں کارخانے وغیرہ کی تعمیر کے لئے اور اس کی خرابی کو دور کرنے کے لئے اس فن کے سب سے بڑے ماہر کے پاس جاتے ہیں جس نے اسے تیار کیا ہو؛ گھر بنانے کے لئے بہترین انجینئر کو تلاش کرتے ہیں۔ کوئی شخص ایسا نہیں جو کسی حوالے سے ایسے شخص کے پاس جائے جو اس کے بنانے میں خصوصی مہارت نہ رکھتا ہو۔ اگر مختلف عوامل کے زیر اثر مثلاً ماہر کی تشخیص میں غلطی ہو جائے یا جھوٹے پراپیگنڈے اور سستی اور غفلت کی وجہ سے ایک ایسا شخص مل جائے جو اس فن میں ماہر نہ ہو یا پھر اسے اپنی غلطی کا احساس ہو جائے تو وہ اسے فوراً چھوڑ دے گا اور اصلی ماہر فن کی تلاش میں نکل کھڑا ہوگا۔ البتہ اس عقلی اصول کے ہوتے ہوئے نیز اصلی ماہر کے ملنے کے امکان کی موجودگی میں اگر کوئی شخص کوتاہی کرے یا شناخت کے بعد بھی انکار کر دے تو ایسے میں سب کے نزدیک یہ کام عمداً احمقانہ اور ایک کھلی خیانت تصور ہوگا۔ اس لیے کہ ایسے عمل سے انسان خود کو صحیح اور حق کے راستے سے محروم کر لیتا ہے، چونکہ وہ ایسے غلط راستے کا انتخاب کر لیتا ہے جو اسے کسی مقصد تک نہیں پہنچاتا اور نہ ہی پہنچا سکتا ہے۔ ایسا شخص خود اپنا مجرم ہوتا ہے اور اگر اس سے یہی سوال کیا جائے کہ تم کیوں کسی ماہر اور اہل فن کو چھوڑ کر کسی اور کے پاس چلے گئے، تو اس کے پاس اپنے لیے اور نہ ہی سوال کنندہ کے لیے کوئی جواب نہ ہوگا۔

متخصص کی پیروی ہو کہ اصلی اور عقلی طور پر ثابت ہے۔ انسان کے اہم ترین کام اور عمل میں بھی اصول جاری ہے یعنی ایک کامیاب اور ابدی زندگی جس میں دنیا اور آخرت کی کامیابی کا بندوبست ہو، انسان کے اہم ترین امور اسی عقلی اصول کے تابع ہیں۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے فیصلے اسی اصول کے تحت ہوں گے۔ خاص طور پر اس کام کے لیے یعنی دنیا و آخرت میں کامیابی کا بندوبست کرنے کے لیے معلومات کا ہونا بہت ضروری ہے؛ تخصص یعنی باخلاف معلومات اور معلومات کا حجم باخلاف ہو[1]

جو کسی انسان کے بس میں نہیں سوائے ان کے جنہوں نے یہ معلومات براہ راست خدا سے لی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے خود ان کا تعارف کروایا ہے اور تائید کی ہے۔ پیدائش سے لے کر قیامت تک انسان کے دیگر امور میں اس قدر ماہرانہ معلومات کی ضرورت نہیں جتنی کمال لائق کی طرف اور دنیا و آخرت میں کامیابی کے اس سفر کا بندوبست کرنے کے لیے ضروری ہیں۔ اس لیے ماہر کی مخالفت اور عقلی راستے سے اختلاف میں کوتاہی انسان کے لیے ہلاکت و بدبختی کا باعث ہوگی۔ لہٰذا اس راہ کو جس کی نشاندہی اللہ نے معصوم رہبروں کے ذریعے کی ہے چھوڑ کر کسی دوسری راہ پر چلنا باطل اور جہالت پر مبنی عمل ہے اور اس سے خصوصی باخلاف تعلیمات سے دوری لازم آتی ہے کیونکہ یہ فضول بیکار اور آئین جہالت ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے اس آئین کے سوا جو اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے معین کیا ہے ہر قسم کے آئین کو باطل اور جاہلیت کے آئین سے تعبیر کیا ہے۔

افحکم الجاہلیۃ یبغون ومن احسن من اللہ حکما[2]

---

[1] باخلاف تخصص کے بارے میں اسی مصنف کی کتاب آشنائی با امام زمان علیہ السلام کے پہلے حصے میں صفحہ [illegible] کا مطالعہ کیجئے۔

[2] سورۂ مائدہ، آیت ۵۰

آیا لوگ آئین جاہلیت کے پیچھے ہیں اور کونسا حکم، خدا کے حکم سے بہتر ہے۔

قُلْ اِنَّ : هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى[1]

کہہ دو فقط ہدایت خدا ہی حقیقی ہدایت ہے۔

اس لیے انسان کی کامیابی کے اس راستے پر اللہ تعالی کے سوا کوئی اور ہدایت نہیں کر سکتا۔

متخصص کون ہے؟

اب یہ دیکھنا چاہئے کہ خداوند عالم نے انسان کی کس طرح ہدایت کی ہے اور کس طرح دنیا سے آخرت (ابدیت) تک کا سفر طے کرنے سے آگاہ کیا ہے؟ عظیم و مہربان اللہ تعالی نے اپنی برگزیدہ ہستیوں کے ذریعے انسان کی حدایت کا بندوبست کیا؛ جو علم الہی اور عصمت کے درجہ پر فائز تھیں۔ علم و عصمت ہی دو ایسے عوامل ہیں جس کی تمام برگزیدہ ہستیوں کو ضرورت ہوتی ہے اور عقل بھی ان دونوں کی ضرورت کا حکم لگاتی ہے، کیونکہ ایک طرف تو انسان کا وجود بہت پیچیدہ، حساس اور باعظمت ہے کہ اس کے قریب ہو کر اس پر کام کرنے کے لئے اور اس کے لئے ضروری اور غیر ضروری چیزوں کا تعین کرنے کے لئے تخصص اور علم الٰہی درکار ہے اور دوسری طرف اس علم کو تمام انسانوں تک پہنچانے اور لوگوں کی ہدایت کا فریضہ سرانجام دینے کے لئے کسی قسم کی غلطی اور خطا کا امکان نہ ہو ورنہ نظام ہدایت میں خلل وقوع پذیر ہوگا (اور مقصد ہدایت ختم ہو جائے گا)۔

پس حقیقت میں انسان کی ہدایت صرف اور صرف اللہ تعالی کے ہاتھ میں ہے اور معصومین علیہم السلام اس ہدایت کو پہنچانے کا وسیلہ ہیں اور حدایت الٰہی اس وقت حقیقت کا رخ اختیار کرتی ہے جب یہ الٰہی رہنماؤں کے سپرد کی جائے؛ تاکہ وہ مظاہر خداوندی کے عنوان سے

---

[1] سورۂ بقرہ آیت: ۱۲۰

لوگوں سے مستقیم رابطہ کریں۔ان کے پاس علم اور توانائی اس حد تک ہو کہ لوگ یقین کرلیں کہ یہ ہدایت،اللہ کی ہدایت ہے تاکہ لوگ خود کو دل وجان سے ان کے سپرد کردیں کہ وہ ان کی بے چون وچراں اطاعت کریں۔لہٰذا رہبران خدا کا معدن علم الٰہی سے ربط واتصال ہونا چاہئے اور انہیں مقام عصمت کے منصب پر فائز ہونا چاہئے تاکہ لوگوں کی ہدایت کی راہ میں کسی اشتباہ اور خطا ولغزش کا امکان نہ رہے۔

جیسا کہ پہلے کہا جاچکا ہے کہ اس بات پر متوجہ رہنا چاہئے کہ انسان صاحب اختیار ہے وہ خود اپنی مرضی اور اختیار سے اپنے راستے کا تعیّن اور انتخاب کرتا ہے۔اللہ تعالٰی کے ذمے صرف یہ ہے کہ وہ اسے صحیح راستہ دکھادے اور اسے اس راہ کو طے کرنے کے لئے ضروری اور لازمی قوت عطا کردے۔اللہ تعالٰی نے اس مقصد کے لئے درج ذیل امور ترتیب دیئے ہیں:

ا۔اللہ تعالٰی نے انسان کو اپنی روح کا حامل قرار دیا ہے جو انسان کو اپنے اصل مبدا (اللہ تعالٰی) کی طرف رہنمائی کرتی ہے اسے حق وباطل اور نیک وبد کی تشخیص کی قوت بھی عطا فرمائی ہے تاکہ وہ اس نور الٰہی (روح) کے ذریعے راہ سعادت میں پیش آنے والی رکاوٹوں اور خطرات کو پہچان سکے۔اور ان سے اپنے آپ کو بچا سکے۔اور جو چیز اس کی سعادت میں معاون ہو اسے جان کر اس سے تعلق برقرار رکھ سکے۔اس بارے میں قرآن کریم کا ارشاد ہے:

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰاهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰاهَا[1]

قسم ہے نفس انسان کی اور جس نے اسے حد کمال کے ساتھ پیدا کیا پس اسے شر اور خیر کا الہام کیا۔

۲۔آسمانی کتابوں اور آئین حق کا بھیجنا جو وجود انسان کی ساخت اور اس کی فطرت سے مطابقت رکھتا ہے تاکہ انسان آرام سے اسے قبول کرے اور اسے راہ ہدایت کو طے کرنے میں سہولت رہے۔

---

[1] سورہ شمس، آیات ۷و۸)

۳۔ معصوم الٰہی رہنماؤں کا معیّن کرنا جو منبع علم الٰہی سے متصل ہوں، اخلاق الٰہی سے آراستہ ہوں اور اللہ کے تربیت یافتہ ہوں تاکہ وہ لوگوں میں صراط مستقیم پر رہ کر ان کی ہدایت کر سکیں۔

انسان کی عظمت و بزرگی، اللہ تعالیٰ اور راہ ابدیت کی طرف بازگشت کی حساسیت، اللہ جل شانہٗ کی بزرگ ترین اور کامل ترین مخلوق ہونے کی حیثیت سے اس کی مختلف جہتوں سے پیچیدگی، حصول سعادت حقیقی اور کمال لائق کے لئے ہفتگانہ خصوصیات کی ضرورت کے پیش نظر ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ خداوند عالم پر انسان کا یہ حق مسلم ہے کہ اس کے لئے متخصص اور معصوم رہبر اور قابل اعتماد آئین معیّن کر کے اس کا تعارف کروائے جو اس کی ہدایت و نجات کا ضامن ہو تاکہ وہ اپنے آپ کو اپنے وجود کے اہداف و مقاصد اور سعادت مطلوب تک پہنچا سکے۔ متخصص و معصوم رہبروں، اور قابل اعتماد اور شفاف دین کا نہ ہونا خود اللہ تعالیٰ کی حکمت اور خلقت انسانی کے ہدف کے خلاف ہے۔ یعنی رہبر اور معتمد دین کے بغیر انسان کی تخلیق بے ہودہ اور بیکار ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ایسی خلقت اور ایسے بے مقصد کام سے منزہ و مبرا ہے۔ انسان کے اس حق مسلم کا خیال رکھتے ہوئے انسان کی تمام تاریخ حیات میں روئے زمین پر ہمیشہ معصوم اور تخصص رکھنے والے رہبر انسان کے اختیار میں دیئے ہیں (یعنی ان کا وجود رہا ہے تاکہ انسان ان سے درس ہدایت حاصل کر سکے) تاکہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ پر حجت قائم نہ کر سکے (یعنی یہ عذر پیش نہ کر سکے کہ ہمارے پاس کوئی رہبر نہ تھا ہم کیسے ہدایت پاتے)۔

قرآن مجید اس حقیقت کے بارے میں کہ ہر انسان اور ہر قوم ایک لائق رہنما کی احتیاج رکھتی ہے اور اس احتیاج کے پورا کرنے کی ضمانت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ دے۔ یہ ارشاد ہے:

إِنَّمَا أَنْتَ مُنْذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ [1]

---

[1] سورہ رعد، آیت ۷

آپ صرف تنبیہ کرنے والے ہیں اور ہر قوم کا ایک ہادی ہوتا ہے۔

امام محمد باقرؑ اسی آیت کے بارے میں فرماتے ہیں:

رَسُولُ اللهِ المُنذِرُ وَ لِکُلِ زَمٰان مِنّا هٰادِ یَهدیهِم اِلیٰ مٰا جٰاءَ بِهِ نَبِیّ اللهِ ثُمَّ الهُداة مِن بَعدِه عَلیٌ ثُمَّ الاَوصِیاءُ وٰاحِدٌ بَعدَ وٰاحِد[1]

رسول اللہ ﷺ عذاب خدا سے ڈرانے والے ہیں اور ہر زمانے میں ایک ہادی ہے جو انہیں ان احکام کی رہنمائی کرتا ہے جو نبی کریم ﷺ لائے ہیں پھر ان کے بعد علی ہادی ہیں ان کے بعد یکے بعد دیگرے اوصیاء ہیں۔

رہبر کو لفظ "منذر" بمعنی ڈرانے اور خوف دلانے والے کے ذریعہ تعارف کروانے کی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگوں کو آئین خدا جو انسان و جہان کی شناخت پر مبنی ہے اور سعادت انسان کا واحد راستہ ہے اور اسی طرح رہبر معصوم کی پیروی نہ کرنے کے خطرے سے خبر دار اور متنبہ کرتے ہیں۔

اہل بیتؑ کی معرفت کیوں ضروری ہے؟

اہل بیت کی معرفت کے بغیر ہمارے اور ان کے درمیان صحیح رابطہ ممکن نہیں اور درست رابطے کے بغیر راہ راست اور خوش بختی کے راستے کو طے نہیں کیا جا سکتا جو ہفتگانہ مہارتوں پر مبنی ہے۔

کسی انسان کے لئے اہل بیت کی صحیح معرفت اور اس کے لئے کسی دوسرے کو بطور نمونہ رہبر انتخاب کرنا ممکن نہیں اگر ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے گردو پیش کے بہت سے انسان ابھی تک اہل بیتؑ کے ساتھ مستقیم رابطہ نہیں کر پائے؛ تو اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ وہ اہل بیت اور ان کی تعلیمات کی صحیح معرفت حاصل نہیں کر سکے۔

[1] اصول کافی جلد ۱، صفحہ ۱۹۱

حضرت امام رضاؑ فرماتے ہیں:

اِنَّ النَّاسَ لو عَلِمُوا مَحَاسنَ کَلَامِنَا لَاتَّبعُونَا[1]

اگر لوگ ہمارے محاسن کلام (خوبیوں) کو جان لیں تو وہ ضرور ہماری اتباع کریں گے۔

اسی لیے انہیں اپنے لیے نمونہ عمل کی تلاش میں اور زندگی کی روش اپنانے میں بحران کا سامنا ہے اور وہ کافی مشکلات میں گھر چکے ہیں اور مختلف شخصیات کے درمیان مختلف عناوین کے ساتھ ہمیشہ مردّد رہتے ہیں کہ جو سب کے سب انسان کی نسبت اس کی شخصیت کے پہلوؤں سے نابلد ہوتے ہیں۔ اسی لیے کبھی کسی مصنف کو نمونہ عمل قرار دیتے ہیں، کبھی کسی کھلاڑی کو، کبھی کسی فنکار کو، کبھی کسی غیر ملکی شخصیت کو، کبھی کسی فلسفی کو اور آخرکار جب وہ اپنی کارکردگی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو محسوس کرتے ہیں کہ انہوں نے تو اپنی قیمتی اور شرافتمندانہ زندگی ضائع کردی جس کے ایک ایک لمحے کا بارگاہ الٰہی میں جواب دہ ہونا ہے۔ اس سراب میں جعلی اور جزوقتی کرداروں کی رفت وآمد سے وہ کسی قابل اعتنا و پایدار کامیابی اور حقیقت تک نہیں پہنچ سکے۔ یہاں وہ ایسے غم واندوہ سے دوچار ہو جاتے ہیں جو شاید کبھی بھی ختم نہ ہو۔ کیونکہ انہوں نے اپنی انتہائی عظیم اور قیمتی سرمایہ زندگی یعنی عمر عزیز، جوانی اور شادابی کو مختلف فرضی محبوب شخصیات کی پیروی میں ضایع کردیا۔

چونکہ ہم ذاتاً کسی رہبر اور معصوم کے نیاز مند ہیں اس لئے ہم معصوم کی معرفت کے محتاج ہیں۔ انسان کی شان اس قدر بلند و بالا اور قابل ارزش ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی رشد وہدایت کے لئے معصوم سے کمتر پر راضی نہیں۔ اور جو شخص اپنے آپ کو معصوم سے کمتر کے سپرد کردے وہ اپنے حق میں بہت بڑے ظلم اور خیانت کا مرتکب ہوا ہے۔ اور جس نے کسی دوسرے کی رہنمائی کسی غیر معصوم کی طرف کی اس نے بھی خود اپنے ساتھ اور دوسرے کے ساتھ ظلم وخیانت کا ارتکاب کیا ہے۔

---

[1] وسائل الشیعہ، جلد ٢٧، صفحہ ٩٢

لہٰذا معصوم کی شناخت ضروری ہے کیونکہ جو معصوم سے کمتر ہے وہ ہمارے لائق نہیں۔

اس لیے ہم معرفت امام کے ضرور تمند ہیں، چونکہ ہم اپنی عمر عزیز کو ضائع نہیں کرنا چاہتے اور کرنا بھی نہیں چاہیے ہم ایسے تذبذب اور بحران سے بیزار ہیں۔ لہٰذا ہمارا سب سے پہلا اہم ترین فریضہ رہبرانِ الٰہی اور ائمہ برحق کی معرفت حاصل کرنا ہے۔ خصوصاً امام زمان عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کی معرفت کیونکہ ان سے تعلق جوڑے بغیر ہم گم شدہ راہ کی تلاش میں بھٹکتے رہیں گے؛ اور ان سے مربوط ہوئے بغیر ہمارے کام اور زحمتیں بے نتیجہ اور لاحاصل ہیں جیسے کہ ہم ان کے حضور زیارت پڑھتے ہوئے یوں عرض کرتے ہیں:

السلام علیک یا سبیلَ اللّٰہِ الذی من سلک غیرہُ ھَلَکَ [1]

آپ پر سلام ہو اے راہ خدا! جس نے آپ کے راستہ کو چھوڑا وہ ہلاک ہو گیا۔

خداوند تبارک و تعالیٰ نے معصومین علیہم السلام کی پیروی کا حکم دیا ہے تاکہ انسان کسی زحمت اور سختی سے دوچار ہوئے بغیر راہ سعادت و نیک بختی کو آرام و سکون سے طے کر لے اور اس لئے بھی کہ صرف معصومین علیہم السلام ہیں جو ہدایت کے معاملے میں رہبری کے لئے تخصص رکھتے ہیں۔ ان کے بجائے کسی ایسے افراد کا انتخاب کرنے سے پرہیز کریں جو اس باعظمت راہ انسانیت کے بارے میں کسی قسم کا تخصص واختیار نہیں رکھتے۔ ارشاد ہے:

اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُونُوا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ

خدا سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

حضرت امام محمد باقرؑ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؑ نے فرمایا: اس آیت سے مراد ہم اہلبیت ہیں۔ [1]

---

[1] مفاتیح الجنان، زیارت حضرت صاحب الامر

(۲)۔ سورہ توبہ، آیت: ۱۱۹

اس آیت میں سچوں کے ساتھ ہونے کا حکم دینے سے پہلے "خدا سے ڈرنے کا حکم" دینے کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ کی جارہی ہے کہ اگر لوگ آئمہ برحق کے ہمراہ نہ ہوئے اور انہوں نے اپنے آپ کو ان کے سپرد نہ کیا تو حقیقی سعادت کی راہ سے منحرف ہو کر تباہی اور فساد کے راستے پر لگ جائیں گے آخرکار عذاب میں گرفتار ہوں گے۔ اس عذاب میں جس کے اسباب انہوں نے خود فراہم کئے۔ اس عذاب سے مراد ان کا کمالات تک رسائی حاصل نہ کرنا جو ان کے لایق ہیں اور خود کو اس چیز سے محروم کرنا جس کے وہ محتاج اور ان کی خوش بختی کے لئے ضروری ولازمی ہیں۔

امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں:

قَالَ اللهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالَىٰ: لَأُعَذِّبَنَّ كُلَّ رَعِيَّةٍ فِى الِاسلامِ دانَتْ بِوِلَايَةِ كُلِّ اِمامٍ جائِرٍ لَيْسَ مِنَ اللهِ وَ اِنْ كانَتِ الرَّعِيَّةُ فِى اَعْمالِها بَرَّةً تَقِيَّةً وَ لَاَعْفُوَنَّ عَنْ كُلِّ رَعِيَّةٍ فِى الاسلامِ دانَتْ بِوِلايَةِ كُلِّ امامٍ عادِلٍ مِنَ اللهِ وان كانَتِ الرَّعِيَّةُ فِى اَنْفُسِها ظالِمَةً مُسيئَةً[2]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ میں اس مسلمان رعایا کو ضرور عذاب دوں گا جو ایسے ظالم رہنما کے دین کو اپنائے ہوئے ہے جو اللہ کی طرف سے مقرر نہیں۔ اگرچہ وہ رعیت اعمال میں نیک و متقی ہو؛ اور اس مسلمان رعایا کو ضرور معاف کروں گا جو اس امام عادل کے دین پر ہے جو اللہ کی طرف سے مقرر ہے۔ اگرچہ وہ رعیت اپنے آپ پر ظلم کرنے والی گنہگار ہو۔

---

[1]۔(اصول کافی، ج۱، ص۲۰۸)

[2]۔اصول کافی، ج۱، ص۳۷۶

امام باقر علیہ السلام کی وضاحت کے بعد اس عبارت کا معنی (اللہ سے ڈرو) اور اس سے قبل یہ حکم کہ راستگو (سچے) امام کے ساتھ رہو اور اسی کے احکام پر عمل کرو کے بعد یہ اور واضح ہو گیا کہ دنیا اور آخرت میں کامیابی کے لیے اہم ترین ایک متخصص الٰہی کی قیادت کا ہونا ہے جو ایک مکمل نمونہ اور معصوم ہو۔ اس طرح کہ اگر ہم اس سے محروم ہو جائیں تو جس قدر بھی ہم اچھے کام انجام دیں گے اس کا کوئی خیر خواہ نتیجہ نہیں نکلے گا۔ البتہ معصوم رہنما کی موجودگی میں دلخواہ نتیجے کو حاصل کر لیں گے اگرچہ ہمارے اعمال میں اشتباہات کا وجود بھی ہو۔ قرآن کریم فرماتا ہے:

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللهِ[1]

اور اس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہو سکتا ہے جو اللہ کی رہنمائی کے بغیر اپنی خواہش نفس کی پیروی کرے۔

پس انسان کے لئے دو ہی صورتیں ہیں یا وہ رہبر الٰہی کے علم و رہنمائی کے تابع ہو گا۔ اس صورت میں ہدایت یافتہ اور خوش بخت ہو گا یا رہنمائی الٰہی کے بغیر خواہش نفس کے تابع ہو گا۔ اس صورت میں گمراہ اور بد بخت ہو گا۔

امام موسیٰ کاظمؑ اس آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں:

مَنِ اتَّخَذَ دِيْنَهُ رَايَهُ بِغَيْرِ اِمَامٍ مِنْ اَئِمَّةِ الْهُدٰى[2]

سب سے زیادہ گمراہ وہ شخص ہے جس نے ائمہ ہدیٰ کے بغیر اپنی ذاتی رائے کو دین بنا لیا۔

امام باقرؑ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:

جو شخص انبیا کی طرح زندگی گزارنا چاہتا ہے اور شہیدوں کی طرح مرنا چاہتا ہے اور خدائے رحمان کی جنت میں سکونت پذیر ہونا چاہتا ہے، تو اسے چاہئے کہ علیؑ کی پیروی کرے اور اس

۱۔ سورہ قصص، آیت: ۵۰

[illegible]

کے دوستوں سے دوستی کرے اور ان کے بعد آنے والے ائمہ کی پیروی کرے کیونکہ وہ میری عترت ہیں وہ میری طینت سے خلق ہوئے ہیں خدایا میرا فہم و علم انہیں عطا کر۔ وائے ہو ان پر کہ جو میری امت میں سے ان کی مخالفت کرے۔ خدایا! انہیں میری شفاعت نصیب نہ کر۔

اسی طرح رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم از فرمان خدا ارشاد فرماتے ہیں:

میری حجت آپ کی امت کے اشقیاء پر کامل و تمام ہے؛ یہ وہی ہیں جنہوں نے ولایت علیؑ کو ترک کر دیا اور ان کے دشمنوں سے دوستی کر لی۔ علیؑ اور ان کے بعد آنے والے اوصیاء کی فضیلت کا انکار کیا؛ کیونکہ آپ کی فضیلت ان کی فضیلت ہے آپ کی اطاعت ان کی اطاعت ہے آپ کا حق ان کا حق ہے آپ کی نافرمانی ان کی نافرمانی ہے۔ وہ آپ کے بعد امام اور رہبر ہیں آپ کی روح ان کے جسم میں ہے اور آپ کی روح وہی ہے جو آپ کے پروردگار نے آپ میں پھونکی ہے وہ آپ کی عترت ہیں وہ آپ کی طینت و گوشت اور خون سے تعلق رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اور پیغمبران ماسلف کی سنت و روش کو ان میں جاری رکھا ہے، وہ آپ کے بعد میرے علم کے خزینہ دار ہیں۔ ان کا مجھ پر حق ہے۔ میں نے انہیں برگزیدہ بنایا اور منتخب کیا ہے۔ انہیں پاکیزہ بنایا اور انہیں پسند کیا۔ جو انہیں دوست رکھے گا اور ان کی پیروی کرے گا اور ان کی فضیلت کا اعتراف کرے گا وہ نجات یافتہ ہے۔ ابھی جبرئیلؑ ان کے نام، ان کے آباء و اجداد کے نام ان کے دوستوں کے نام ان کی فضیلت کا اقرار کرنے والوں کے نام میرے پاس لائے ہیں۔[1]

امام باقرؑ فرمان پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں:

یقیناً! نسیم رحمت، آسودگی، کامیابی، مدد، برکت، عظمت، بخشش، امن و امان، تونگری، خوشخبری، رضوان، تقرب، دوستی، قوت، امید اور دوستی خدا عزوجل اس کے لئے ہیں جو علیؑ کو دوست رکھتے ہیں اور ان کی اطاعت کرتے ہیں اور ان کے دشمنوں سے بیزار ہیں۔ ان کی اور ان کے

---

[1] ۔اصول کافی، ج۱، ص۲۰۸

جانشینوں کی فضیلت کے معترف ہیں۔ مجھ پر یہ حق ہے کہ میں ان کی شفاعت کروں؛ اور میرے پروردگار پر یہ حق ہے کہ ان کے بارے میں میری شفاعت قبول فرمائے۔ کیونکہ وہ میرے پیروکار ہیں اور جو میری پیروی کرے گا وہ مجھ سے ہے۔[1]

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُوا الْأَلْبَابِ[2]

کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہیں صرف صاحبانِ عقل ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

امام باقرؑ اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں:

إِنَّمَا نَحْنُ الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ عَدُوُّنَا وَ شِيعَتُنَا أُولُوا الْأَلْبَابِ[3]

فقط ہم ہیں جو جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے وہ ہمارے دشمن ہیں اور ہمارے شیعوں کا شمار خردمندوں میں ہوتا ہے ۔

ہاں عقلمند وہ ہے جو کسی بھی کام میں غیر متخصص کی طرف رجوع نہ کرے۔ شیعہ اس دلیل کی بنا پر خردمند ہیں کہ وہ خود کو معصوم سے کمتر کے سپرد نہیں کرتے اور وہ معصوم علیہ السلام سے کمتر کو رہبر اور بطور نمونہ قبول نہیں کرتے۔ یہ خردمند یعنی ایسا شخص جو اپنی اور اپنی جوانی و عمر کی قدر جانتا ہو اور وہ علم و هدایت کے جھوٹے دعویداروں کے لیے تختہ مشق بننے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ خود کو ایسے افراد کے حوالے نہیں کرتا جو آگاہی اور لیاقت نہیں رکھتے ، بلکہ ایسے افراد اپنی طاقت کے بل بوتے پر انسانی معاشرے کو کنٹرول کرتے ہیں اور ان کی قیادت کا دعوی کرتے ہیں۔

---

[1] ۔اصول کافی، ج۱، ص ۳۰۰

[2] ۔سورہ زمر، آیت: ۹

[3] ۔اصول کافی، ج۱، ص ۲۱۲

شیعوں کی خون سے رنگین تاریخ اس امر کی گواہ ہے کہ طول تاریخ میں شیعوں نے کبھی بھی طاغوتیوں کی ولایت کو تسلیم نہیں کیا۔ معصومین علیہم السلام راسخون فی العلم اور تاویل کتاب خدا کے عالم ہیں ارشاد رب العزت ہے:

وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللّٰهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ[1]

ترجمہ: خدا اور راسخون فی العلم کے سوا کوئی تاویل قرآن کو نہیں جانتا۔

امام جعفر صادقؑ اس بارے میں فرماتے ہیں:

نَحْنُ الرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ وَنَحْنُ نَعْلَمُ تَأْوِيلَه[2]

ترجمہ: ہم راسخون فی العلم ہیں اور ہم اس کی تاویل کو جانتے ہیں ۔

معصومین علیہم السلام کا سینہ حقیقت قرآنی کا مقام ہے

ارشاد الٰہی ہے:

بَلْ هُوَ اٰيَاتٌ بَيِّنٰتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ[3]

ترجمہ: بلکہ قرآن کی آیات روشن ہیں، ان کے سینوں میں جنہیں علم دیا گیا۔

امام محمد باقرؑ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی اور اپنے ہاتھ سے اپنے سینے کی طرف اشارہ کیا۔ اور امام صادقؑ نے ان کے بارے میں جنہیں علم دیا گیا، اس آیت کے بارے میں، فرمایا:

هُمُ الْأَئِمَّةُ خَاصَّةً[4]

---

[1] سورہ آل عمران: آیت: ۷

[2] اصول کافی، ج ۱، ص ۲۱۳

[3] سورہ عنکبوت، آیت: ۴۹

[4] وسایل الشیعہ، جلد ۲۷، صفحہ ۲۰

(۳) "وہ فقط ائمہ ہی ہیں۔"

امام محمد باقرؑ نے معصومین علیہم السلام کی شان وعظمت کے بارے میں یہ فرمایا:

"خدا کے اسم اعظم تہتر (۷۳) حروف ہیں۔ صرف ایک حرف آصف بن برخیا (وزیر سلیمانؑ پیغمبر) کے پاس تھا، آصف نے اس حرف کے ذریعے تخت بلقیس اور اپنے درمیان کی زمین کو کھینچ کر تخت بلقیس اپنی گرفت میں لیا۔ زمین پھر پہلی حالت میں پلٹ گئی اور یہ عمل چشم زدن میں ہوا۔ ہمارے پاس اسم اعظم کے باہتر (۷۲) حروف ہیں اور ایک حرف اللہ تعالی کے پاس ہے جسے اس نے علم غیب میں اپنے لئے مخصوص کیا ہے۔" [1]

معصومین علیہم السلام اللہ تعالی کی ظاہری اور باطنی نعمت ہیں

قرآن کریم اللہ تعالی کی نعمتوں کے بارے میں یوں فرماتا ہے:

وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً [2]

"اللہ تعالی نے تم پر ظاہری اور باطنی نعمتوں کو فراوان کیا ہے"

قَالَ سَأَلْتُ سَيِّدِی مُوسی بْنِ جَعْفَرٍ علیهم السلام عَنْ قَوْلِ اللهِ عَزَّوَجَلَّ:

(وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً) فقال: اَلنِّعْمَةُ الظَّاهِرَةُ الامامُ الظاهرُ والباطنةُ الامامُ الْغائبُ فَقُلْتُ لَهُ: ويكُونُ فی الائِمَّةِ مَنْ يَغيبُ؟ قالَ: نَعَمْ يَغيبُ عَنْ اَبْصارِ النّاسِ شَخْصُهُ وَلا يَغيبُ عَنْ قُلُوبِ الْمُؤمنينَ ذِكْرُهُ وَهُوَ الثّانی عَشَرَ مِنّا [3]

ترجمہ: محمد بن زیاد ازدی کہتا ہے: میں نے اپنے سید و سردار موسیٰ بن جعفر سے اللہ تعالی کے اس فرمان کے بارے میں پوچھا: وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً

---

[1] اصول کافی، جلد ۱، صفحہ ۲۳۰

[2] سورہ لقمان آیت ۲۰

.. جلد ۵۱، صفحہ ۱۵۰

وَ بَاطِنَۃً امامؑ نے فرمایا: نعمت ظاہری امام ظاہر اور نعمت باطنی امام باطن ہے۔ میں نے ان سے پوچھا کیا ائمہ میں کوئی غائب بھی ہوگا؟ فرمایا: ہاں، وہ لوگوں کی آنکھوں سے شخصی طور پر غائب ہوگا لیکن اس کی یاد لوگوں کے دلوں سے غائب نہ ہوگی اور ہم میں سے بارہواں امام ہوگا۔

''خدا اس کی ہر مشکل آسان کردے گا۔ ہر سختی کو آسانی میں بدل دے گا۔ اس کے لئے زمین کے خزانے ظاہر ہو جائیں گے۔ ہر دُور کی چیز قریب ہو جائے گی۔ ان کے وسیلے سے ہر ظالم دشمن ذلیل ہوگا اور ان کے ہاتھ سے ہر سرکش شیطان ہلاک ہو جائے گا۔ جب خدا انہیں ظاہر کرے گا اور زمین ان کے ذریعے عدل و انصاف سے اس طرح پُر ہوگی جس طرح وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔''[1]

اللہ کی نعمتیں بے شمار ہیں جس طرح اس نے خود فرمایا ہے کہ کوئی شخص اس کی نعمتوں کو شمار نہیں کر سکتا۔ اگر ہم انسان کا ہر وجودی پہلو کے ہمراہ جائزہ لیں تو اسے اسی طرح دیکھیں جس طرح کہ اس کے خالق نے تعارف کروایا ہے، اور اسے ایسا وجود پائیں گے جو دنیا سے آخرت تک دراز ہے اس طرح کہ اس کی سعادت ابدی دنیا میں انسانی زندگی میں گروی ہے۔ اس نقطۂ نظر سے اگر ہم انسان کو اللہ کی عطا کردہ عمومی نعمتوں کی تحقیق کریں تو ہم اس نتیجے پر پہنچیں گے سب سے بالاترین، اہم ترین اور عظیم ترین نعمت ''امام کی ذات گرامی اور رہبرانِ معصومین علیہم السلام ہیں۔'' بلکہ دوسری عام نعمتیں اس عظیم نعمت کے بالمقابل کوئی حیثیت نہیں رکھتیں نہ ہی قابل ذکر ہیں۔ انسان نعمت ولایت و امامت کے علاوہ کتنی ہی نعمتوں سے سرفراز کیوں نہ ہو وہ دنیا و آخرت میں خوش بختی کا منہ نہیں دیکھ سکتا۔ مگر افسوس کہ اس عظیم اور بے مثال نعمت سے سرفراز ہونے والے اس کی کماحقہ قدر کرتے ہیں اور نہ ہی اس کا شکر ادا کرتے ہیں ۔

---

[1] بحار الانوار، جلد ۵۱، صفحہ ۱۵۰

ہمارا اہل بیت علیہم السلام سے وجودی رابطہ

ان مختصر توضیحات سے اللہ تعالیٰ سے معصومین علیہم السلام خصوصاً امام زمانؑ کے وجود اقدس کا تعلق ایک حد تک واضح ہو گیا ہے۔ اب بہتر معلوم ہوتا ہے کہ اس بات کو جانیں کہ ان کا خود ہم سے کیا تعلق و نسبت ہے اور ان کے حوالے سے ہمارا کیا فرض بنتا ہے۔

ہمیں یہ بات اچھی طرح سے معلوم ہو گئی ہے کہ معصومین علیہم السلام کی معرفت کے بغیر انسان نہ دنیا میں کامیابی حاصل کر سکتا ہے نہ ہی آخرت کی؛ اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ وہی ہماری اصل و حقیقت ہیں۔ ہمارا ان سے وجودی رابطہ ہے۔ وہ سب روح خدا ہیں اور وہ تمام انسانوں میں تجلی رکھتے ہیں۔ ہمارے وجود کا ایک حصہ ذاتی طور پر ان کے اصل وجود سے ہے اور اس کی تجلی ہمارے وجود میں جلوہ گر ہے ہم زیارت کبیرہ میں پڑھتے ہیں:

أَرْوَاحُكُمْ فِي الْأَرْوَاحِ وَ أَنْفُسُكُمْ فِي النُّفُوسِ

"آپ کی روحیں روحوں میں ہیں اور آپ کے نفس نفوس میں ہیں۔"

معصومین علیہم السلام سے رابطہ وجودی کے بارے میں ہم چند ایک روایات کا ذکر کرتے ہیں۔ امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں:

إِنَّ اللهَ خَلَقَنا مِنْ أَعْلَى عِلِّيِّينَ وَ خلقَ قُلُوبَ شِيعَتِنا مِمّا خَلقنا وَ خَلقَ أَبْدانَهُمْ مِنْ دُونِ ذٰلِكَ، فَقُلُوبُهُمْ تَهْوِي إِلَيْنا، لِأَنَّها خُلِقَتْ مِمّا خُلِقْنا[1]

"بے شک اللہ تعالیٰ نے ہمیں اعلیٰ علیین سے خلق فرمایا اور ہمارے شیعوں کے دلوں کو اس چیز سے پیدا کیا جس سے ہمیں خلق کیا (یعنی اعلیٰ علیین سے) اور ان کے اجسام کو اس سے کمتر چیز سے۔ پس ان کے دل ہماری طرف اس لئے میلان رکھتے ہیں کہ ان کی تخلیق اس چیز سے ہے جس سے ہماری خلقت ہوئی۔"

---

[1] بحار الانوار، جلد ۵۱، صفحہ ۳۹۰

امام صادقؑ فرماتے ہیں:

"ہمارے پاس اسرارِ خدا میں سے ایک راز اور علم خدا میں سے ایک علم ہے کہ جس نے ہمیں اس کی تبلیغ پر مامور فرمایا اور ہم نے اس کی اللہ تعالیٰ کی جانب سے تبلیغ کی اور اس کے لیے ہم نے اس کے لیے کوی جگہ واہل اور قبول کرنے والا نہ پایا؛ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس نور اور طینت سے جس سے محمد وآل محمد اوران کی ذریت کو خلق کیا تھا اس سے خلق کیا اور انہیں اپنے فضل ورحمت سے بنایا، پس ہم اللہ تعالیٰ کی جانب سے جس طرح محمد ﷺ تبلیغ پر مامور تھے، ہم نے تبلیغ کی ،انہوں نے اسے قبول کر لیا اور اسے تحمل کیا اور ہماری باتیں ان تک پہنچی، پس ان کے دل آگاہ ہو گیے اور ہماری احادیث کی طرف متوجہ ہونے لگے ،اگر وہ اس طینت و نور سے خلق نہ ہوے ہوتے ،تو وہ اس طرح سے نہ ہوتے ،اور خدا کی قسم ان میں اسے تحمل کرنے کا حوصلہ نہ ہوتا۔[1]

اہل بیت علیہم السلام کے بندگانِ خدا کے ساتھ جو رابطہ وجودی رکھتے ہیں نیز یہ کہ معصومین علیہم السلام لوگوں کی اصل اور بنیاد ہیں اس بارے میں امام زمانہ علیہ السلام فرماتے ہیں:

نَحْنُ صَنائِعُ رَبِّنا وَ الخَلْقُ بَعْدُ صَنائِعُنا[2]

"ہم خدا کے ساختہ شدگان ہیں اور مخلوق ہماری ساختہ شدگان میں سے ہے۔"

دین اور روح تشیع کا فطری ہونا

قابل ذکر نکتہ یہ ہے، جیسا کہ پہلے بیان ہوا کہ ہر انسان کی فطرت میں اسلام کی آشنائی موجود ہے؛ یعنی ان کے باطن میں ایسی چیز موجود ہے جو دین محمد ﷺ اور تعلیمات آل محمدؐ کی بنیاد بنتی ہے اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو دینِ فطرت کی حیثیت سے متعارف کروایا۔ اس طرح انسان کی ذات اور باطن اس کا حامل ہے۔

---

[1] بحار الانوار، جلد ۵۱، صفحہ ۴۰۲

[2] بحار الانوار، جلد ۵۳، صفحہ ۱۷۸

ارشاد الٰہی ہے:

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ [1]

"پس آپ اپنے چہرے کو باطل سے پھیر کر دین حنیف کی طرف رکھیں جو اللہ کی فطرت ہے جس پر لوگوں کو خلق کیا اللہ کی تخلیق میں تبدیلی نہیں۔ یہی مضبوط دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔"

اس بنا پر قرآن کریم کی شہادت اور تاکید کے ساتھ، تمام انسانوں اور دین اسلام کہ جو ایک اعتدال پر مبنی دین ہے اور اس کے رہبر چہاردہ معصومین ہیں کے مابین ایک ایسی سنخیت اور ھماھنگی موجود ہے کہ جو شخص بھی اس دین کے دستور پر عمل کرے گا، تو اس کی وہ نفخہ الٰہی اور دین پذیر فطرت فعال تر اور شگوفا تر ہو جائے گی؛ یعنی پیغمبر اور ان کی آل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہی تجلی جس سے وہ محمد وآل محمد کے نزدیک تر ہو جاتا ہے ؛ کیونکہ دینی دستورات پر عمل پیرا ہونے سے ان کے ساتھ بیشتر دینی سنخیت برقرار ہو جاتی ہے۔ بالکل اس دلیل کی مانند کہ دنیا میں کوی بھی کہیں بھی رہنے والا انسان اگر اسلام ناب محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچ جائے (نہ کہ اسلام امریکای یا نہ وہ اسلام جو خود ساختہ ہو جیسے اسلام وہابیت) تو اس کے دل میں محمدؐ وآل محمدؑ کی محبت بڑی تیزی سے شگوفا ہوتی ہے۔ مصنف کا خود ملک کے اندر اور بیرون ملک تبلیغی دوروں کے دوران نئے ہونے والے غیر ملکی مسلمانوں سے بہت واسطہ پڑتا ہے۔ وہ خود اس حقیقت کا گواہ ہے اگر انسان اور محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کے درمیان یہ سنخیت موجود نہ ہوتی، تو پھر اس تیزی کے ساتھ اس محبت و مودت کا پیدا ہونا محال ہوتا؛ ایسی محبت جو سرحد عشق، جانبازی اور شہادت طلبی کی حد تک ہو وہ نئے مسلمان کو بہت آگے لے جاتی ہے۔

---

[1] سورہ روم، آیت: ۳۰

لہٰذا اگر روایت میں شیعوں کو اہل بیت علیہم السلام کے آئین ودستور کو قبول کرنے کے حوالے سے بطور منتخب گروہ متعارف کروایا گیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر وہ انسان جس نے روح حق طلبی کو اپنے اندر تقویت دی ہے وہ تعصب کو چھوڑ دے تو وہی حق طلبی کی روح اسے تشیع اور مکتب اہل بیت علیہم السلام تک لے جائے گی۔

سب انسانوں میں اہل بیت کی پہچان موجود ہے ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم فطری جذبہ اور روح الٰہی کو قوت فراہم کریں؛ تاکہ محمد وآل محمد علیہم السلام اس کے وجود میں زندہ و بیدار ہو جاءیں اور اس کے وجود میں جلوہ گر ہوں۔ جس نے یہ کام کر لیا اس نے روح حیوانی وطبعیت پر فطرت اور روحِ الٰہی کو حقِ حکومت دیا ہے اس طرح وہ آئین اہل بیت علیہم السلام، ان کی ولایت ورہبری کے تحمل کی توفیق حاصل کر لیتا ہے۔ باطل اور غیر معیاری رہبروں سے کنارہ کش ہو جاتا ہے اور مکتب اہل بیت علیہم السلام سے جو حقیقی نمونہ عمل اور تخصص رکھتے ہیں اور وہ راہ مستقیم الٰہی کی تعلیمات سے مسلح ہیں سے مربوط ہونے کی صلاحیت واہلیت پیدا کر لیتا ہے۔ پس تمام انسانوں کے لئے تجلی اہل بیت اور فطرت الٰہی رکھنے کی وجہ سے دین حق تک پہنچنے کا راستہ کھلا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ لوگ دین حق اختیار کریں گے یا نہیں۔ یہ اس بات پر موقوف ہے کہ وہ اسلام یعنی دین محمدی ﷺ کی لازمی اور ضروری تعلیمات کے معلوم ہونے کے بعد کس حد تک تعصب چھوڑتے ہیں اور راہ حق پر گامزن ہوتے ہیں۔

اہل بیت علیہم السلام ہمارے حقیقی باپ ہیں

ہمارا رشتہ اہل بیتؑ سے ماں باپ کے رشتے سے بھی بہت زیادہ نزدیک، شدید اور قوی ہے۔ ہمارے والدین جسم کی جڑ، ہیں؛ اور حیوانی ومادی اور دنیاوی پہلو سے ہمارے والدین ہیں جبکہ معصومین علیہم السلام ہماری اصل ہیں اور حقیقتِ روح ہیں، ہمارے انسانی الٰہی اور ابدی پہلو کے اعتبار سے ہماری بنیاد ہیں، اسی دلیل سے وہ خدا کے بعد دنیا میں ہر شخص سے حتیٰ کہ والدین اور تمام

عزیزوں سے زیادہ لایق احترام ہیں اور ان سے اہم ترین ہیں وہ ہماری اصل ہیں اور ہمارے قدسی و آسمانی والدین ہیں؛ کہ وہ خدا اور ہمارے لیے وسیلہِ عشق ہیں اور خدا تک پہنچانے والے ہیں۔ معصومین علیہم السلام وہ ہستیاں ہیں کہ ان سے تعلق اور آغاز کے بغیر اللہ تعالی سے ہمارا حقیقی اتصال و ربط محال ہے۔ ہم زیارت جامعہ کبیرہ میں اس حقیقت کا اس طرح اقرار کرتے ہیں:

مَنْ أَرَادَ اللهَ بَدَءَ بِكُمْ

"یعنی جو اللہ تک پہنچنے کا ارادہ کریگا، وہ آپ سے شروع کریگا"

وہ اللہ کا صراط مستقیم اور باب اللہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بوقت ضرورت ہم اپنی ہر چیز کو ان کی راہ میں ان تک پہنچنے کے لئے قربان کر دیتے ہیں یہاں تک کہ ہم ان سے خطاب کر کے کہتے ہیں بِأَبِی اَنْتُمْ وَاُمّی (میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں) یعنی زمینی و طبیعی لحاظ سے جو چیز ہم سے مربوط ہے ہم اسے آپ پر فدا کرنے کے لئے تیار ہیں تاکہ ہم حقیقت قدسی و الٰہی تک رسائی حاصل کر سکیں۔ بالفاظ دیگر دنیا کی تمام موجودات چاہے وہ قوم ہو یا قبیلہ ہو اس کے ساتھ جو وابستگی اور جذبات وغیرہ ہے وہ ان اصلی و ابدی اور حقیقی والدین کے ساتھ جو وطن حقیقی ہیں کی طرف محو پرواز ہونے میں مانع نہ ہوں۔

رسول اکرم جو رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اس بارے میں یوں فرماتے ہیں:

لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰى اَكُونَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ نَفْسِهِ وَ يَكُونَ عِتْرَتِى اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ عِتْرَتِهِ وَ يَكُونَ اَهْلِى اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ اَهْلِهِ وَ تَكُونَ ذَاتِى اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ ذَاتِهِ[1]

"کوئی بھی شخص اس وقت تک حقیقی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے نفس سے اور میری عترت اس کی عترت سے اور میرے اہل اس کے اہل سے اور میری ذات اس کی اپنی ذات سے زیادہ محبوب نہ ہو۔"

[1] بحار الانوار، ج ۲۷، ص ۸۶

اس بات پر توجہ کرتے ہوئے کہ محمد وآل محمد علیہم السلام سب نفخہ ءالٰہی ہیں، وہ ہماری ذاتِ حقیقی ہیں اوراس عبارت کہ ''میری ذات کواپنی ذات سے زیادہ دوست رکھتا ہو'' کا مطلب یہ ہے؛ کہ وہ اپنی ذاتِ اصلی، قدسی الٰہی وآسمانی، کو ذات فرعی، زمینی طبیعی وحیوانی سے زیادہ دوست رکھتا ہو؛ جو اسے عارضی طور پر سونپی گئی ہے اور موت کے آنے سے وہ اس سے جدا ہو جائے گی۔

بالفاظ دیگر اس کے علاوہ خدا وآخرت اور حیات ابدی پر ایمان ممکن نہیں بلکہ سفید جھوٹ ہے تاوقتیکہ ہم خدا اور حیات ابدی کو اس زمینی عارضی اور طبیعی زندگی پر ترجیح نہ دیں۔

ہاں وہ ہماری اصل اور بنیاد ہیں کہ ہماری بازگشت انہی کی طرف ہے اور ہمارا حساب انہیں کے پاس ہوگا۔ ہمارا اتصال ہماری اصل کے ساتھ ہے اور ہمیں اپنے وطنِ اصلی تک پہنچنا ہے تاکہ آرام سے رہیں اور خوش بخت بنیں۔

اہل بیتؑ سے ہمارا انتہائی عظیم تعلق اور رشتہ ہے

ہمیں یہ بات معلوم ہے کہ اسلام میں صلہ رحمی اور رشتہ داروں سے حسن سلوک واجبات الٰہی میں سے ہے اور اس کا ترک گناہانِ کبیرہ میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ نے قطع رحمی کرنے والوں کے لیے عذاب کا وعدہ کیا ہے۔ قرآن مجید میں بھی چند آیات اس موضوع کے لیے مختص ہیں

سورہ رعد میں صاحبانِ خرد کے لئے اس طرح ارشاد فرمایا:

وَالَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ یُّوْصَلَ[1]

''اور وہ لوگ کہ اللہ نے جن رشتوں کے قائم رکھنے کا حکم دیا ہے انہیں قائم رکھتے ہیں۔''

امام صادقؑ اس آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں:

---

[1] سورہ رعد، آیت: ۲۱

عزیزوں سے زیادہ لایق احترام ہیں اور ان سے اہم ترین ہیں وہ ہماری اصل ہیں اور ہمارے قدسی و آسمانی والدین ہیں؛ کہ وہ خدا اور ہمارے لیے وسیلِ عشق ہیں اور خدا تک پہنچانے والے ہیں۔ معصومین علیہم السلام وہ ہستیاں ہیں کہ ان سے تعلق اور آغاز کے بغیر، اللہ تعالیٰ سے ہمارا حقیقی اتصال وربط محال ہے۔ ہم زیارت جامعہ کبیرہ میں اس حقیقت کا اس طرح اقرار کرتے ہیں:

مَنْ أرادَ اللهَ بَدَءَ بِكُمْ

"یعنی جو اللہ تک پہنچنے کا ارادہ کریگا، وہ آپ سے شروع کریگا"

وہ اللہ کا صراط مستقیم اور باب اللہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بوقت ضرورت ہم اپنی ہر چیز کو ان کی راہ میں ان تک پہنچنے کے لئے قربان کر دیتے ہیں یہاں تک کہ ہم ان سے خطاب کر کے کہتے ہیں بِأبِي أنتُم وَأمّي (میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں) یعنی زمینی و طبیعی لحاظ سے جو چیز ہم سے مربوط ہے ہم اسے آپ پر فدا کرنے کے لئے تیار ہیں تا کہ ہم حقیقت قدسی والٰہی تک رسائی حاصل کر سکیں۔ بالفاظ دیگر دنیا کی تمام موجودات چاہے وہ قوم ہو یا قبیلہ ہو اس کے ساتھ جو وابستگی اور جذبات وغیرہ ہے وہ ان اصلی وابدی اور حقیقی والدین کے ساتھ جو وطن حقیقی ہیں کی طرف محو پرواز ہونے میں مانع نہ ہوں۔

رسول اکرم جو رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اس بارے میں یوں فرماتے ہیں:

لَا يُؤمَنُ عَبْدٌ حَتّى أكُونَ أحَبّ إلَيْهِ مِنْ نَفْسِهِ وَيَكُونَ عِتْرَتِي أحبّ إليهِ مِنْ عِتْرَتِهِ وَيَكُونَ أهْلِي أحَبّ إليهِ مِنْ أهْلِهِ وَتَكُونَ ذاتي أحبّ إلَيْهِ مِنْ ذاتِهِ[1]

"کوئی بھی شخص اس وقت تک حقیقی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے نفس سے اور میری عترت اس کی عترت سے اور میرے اہل اس کے اہل سے اور میری ذات اس کی اپنی ذات سے زیادہ محبوب نہ ہو۔"

[1] بحار الانوار، ج ۲۷، ص ۸۶

اس بات پر توجہ کرتے ہوئے کہ محمد و آل محمد علیہم السلام سب نفخہء الٰہی ہیں، وہ ہماری ذاتِ حقیقی ہیں اور اس عبارت کہ "میری ذات کو اپنی ذات سے زیادہ دوست رکھتا ہو" کا مطلب یہ ہے؛ کہ وہ اپنی ذاتِ اصلی، قدسی الٰہی و آسمانی، کو ذات فرعی، زمینی طبیعی و حیوانی سے زیادہ دوست رکھتا ہو؛ جو اسے عارضی طور پر سونپی گئی ہے اور موت کے آنے سے وہ اس سے جدا ہو جائے گی۔

بالفاظ دیگر اس کے علاوہ خدا و آخرت اور حیات ابدی پر ایمان ممکن نہیں بلکہ سفید جھوٹ ہے تاوقتیکہ ہم خدا اور حیات ابدی کو اس زمینی عارضی اور طبیعی زندگی پر ترجیح نہ دیں۔

ہاں وہ ہماری اصل اور بنیاد ہیں کہ ہماری بازگشت انہی کی طرف ہے اور ہمارا حساب انہیں کے پاس ہوگا۔ ہمارا اتصال ہماری اصل کے ساتھ ہے اور ہمیں اپنے وطنِ اصلی تک پہنچنا ہے تاکہ آرام سے رہیں اور خوش بخت بنیں۔

اہل بیتؑ سے ہمارا انتہائی عظیم تعلق اور رشتہ ہے

ہمیں یہ بات معلوم ہے کہ اسلام میں صلہ رحمی اور رشتہ داروں سے حسن سلوک واجبات الٰہی میں سے ہے اور اس کا ترک گناہانِ کبیرہ میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ نے قطع رحمی کرنے والوں کے لیے عذاب کا وعدہ کیا ہے۔ قرآن مجید میں بھی چند آیات اس موضوع کے لیے مختص ہیں سورہ رعد میں صاحبانِ خرد کے لئے اس طرح ارشاد فرمایا:

وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ [1]

"اور وہ لوگ کہ اللہ نے جن رشتوں کے قائم رکھنے کا حکم دیا ہے انہیں قائم رکھتے ہیں۔"

امام صادقؑ اس آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں:

---

[1] سورہ رعد، آیت: ۲۱

مِنْ ذٰلِكَ صِلَةُ الرَّحِمِ وَ غَايَةُ تَأْوِيلِهَا صِلَتُكَ اِيَّانَا[1]

''اس کا ایک مصداق صلہ رحمی ہے اور اس آیت کی تاویل تمہارا ہم سے تعلق رکھنا ہے۔''

یعنی مطلب یہ ہے کہ تمہارے سب سے زیادہ رشتے دار ہم اہل بیتؑ ہیں، تم پر واجب ہے کہ ہم سے صلہ رحمی کرو۔ بالفاظ دیگر دنیا میں اہل بیتؑ سے زیادہ ہمارے نزدیک تر، بالاتر اور مہربان تر کوئی اور نہیں ہے۔

سنگین ظلم اور سنگین خیانت

انسان کے اللہ تعالٰی سے رابطے کے بارے میں نیز انسان کے خلیفہ و مظہر خدا ہونے کے لئے، خدا کی طرف حرکت کامل کے متعلق، اور بے نہایت کسبِ کمالِ مطلق اور سعادت ابدی تک رسائی حاصل کرنے، اسی طرح معصومین علیہم السلام کی اللہ تعالٰی سے نسبت و مقام کے حوالے سے اب تک جو کچھ کہا گیا ہے اس سے ہم چند نتائج حاصل کر سکتے ہیں:

۱۔ انسان کی خوش بختی کی سب سے بڑی ضرورت اور اس کی بنیادی وجہ، اپنی اصل اور حقیقی ریشہ سے یعنی خدائے بزرگ و برتر سے رشتہ جوڑنا ہے کہ جس کے دستِ قدرت میں انسان اور سارے جہاں کی خلقت ہے۔ اسی طرح انسان اور ساری دنیا کی ہدایت کا انحصار اسی کی ذات پر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالٰی کے سوا کوئی بھی رشتہ جوڑنے کا حق نہیں رکھتا۔ اس بناء پر اللہ تعالٰی کی ذات سے قطع تعلقی ہلاکت اور انحراف کے سوا کچھ نہیں۔ لہٰذا سب سے بڑا ظلم جو انسان اپنے یا دوسرے کے ساتھ کر سکتا ہے ؛وہ اپنے خالق و ہادی؛ جو مقصد و مقصود حقیقی ہے سے

---

[1] مستدرک الوسائل، ج ۱۵، ص ۲۳۶۔

رابطہ توڑ لینا یا کمزور کرنا ہے۔ اسی دلیل سے کلام خدا اور زبان قرآن و اہل بیت علیہم السلام میں ہر اس عمل اور رابطے کو لفظ "ظلم" سے تعبیر کیا گیا ہے جو انسان اور اس کی اصل و حقیقت (خداوند تعالی) کے درمیان رابطے کو قطع کرنے (یعنی راہ راست اور اس کی شان حقیقی سے خارج ہونے) یا اسے کمزور کرنے کا موجب ہو۔

۲۔ صرف معصومین علیہم السلام ہی وہ رہبر ہیں جنہیں اللہ تعالی کی تائید حاصل ہے۔ وہ نام خدا کے مظہر، لوگوں میں خدا کے برحق جانشین ہیں اور فقط وہی ہیں جو خدا تک پہنچانے والے راستے کے مخصوص رہنما ہیں۔ اللہ تعالی نے تمام انسانوں کو ایک دستور العمل دیا ہے تاکہ اس تک پہنچنے کے لئے رہبروں کو واسطہ اور وسیلہ بنا کر ان سے استفادہ کیا جائے جس طرح کہ متعدد آیات سے یہ مفہوم سمجھ میں آتا ہے۔ خاص طور پر یہ آیت:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ[1]

"اے صاحبان ایمان! اللہ سے ڈرو اور اس تک پہنچنے کا وسیلہ تلاش کرو۔"

ارشادات معصومین علیہم السلام سے منقول ہے کہ "وسیلہ" کے کامل مصداق صرف اور صرف معصومین علیہم السلام ہی

ں۔ اللہ تعالی نے ہمیں ان کی تخلیق کے بعد ان کے نور سے خلق کیا اور ان کے نور کی تجلی ہمارے باطن میں اتار دی۔ تاکہ اس سے معصومین علیہم السلام کی معرفت اور ان کی تابعیت کے طفیل تمام انسانوں کے لئے اللہ تعالی سے ارتباط کے برقرار رہنے کا وسیلہ موجود رہے۔

۳۔ "ظلم" کی تعریف پر غور کرنے سے یہ نتیجہ بآسانی نکالا جا سکتا ہے کہ معصومین علیہم السلام جو خدا تک پہنچنے کا مخصوص اور تنہا راستہ ہیں اور اللہ تعالی ان راستے کے سوا کسی اور راستے پر اور

[1] سورہ مائدہ، آیت: ۳۵۔

ہمارے لئے ان سے کمتر کسی اور رہبر و رہنما پر راضی نہیں ہے، ان سے رابطہ کو منقطع یا کمزور کرنا ویسا ہی ظلم ہے جیسے خدا اور بندے کے درمیان رابطہ کا پیدا نہ ہونا۔ بالفاظ دیگر جو شخص اپنا یا کسی دوسرے شخص کا معصومین علیہم السلام کے ساتھ رابطہ منقطع کر دے یا کمزور کر دے وہ بہت بڑے ظلم کا مرتکب ہوا ہے۔ کیونکہ اس نے خود بھی خدا کی رسی کو چھوڑا ہے اور دوسروں کو بھی محروم کر دیا۔

۴۔ ایک اور اہم نتیجہ جو سابقہ بیان سے لیا جا سکتا ہے وہ یہ ہے؛ کہ سب سے بڑی خیانت اور جرم جو تاریخ بشریت میں ہوا وہ لوگوں کو الٰہی رہبروں یعنی معصومین علیہم السلام سے دور کرنا ہے جو، اب تک جاری ہے۔

معصوم کو چھوڑنا؛ یعنی متخصص (اسپیشلسٹ) اور حقیقی عالم کو چھوڑنا اور ہر انسان کہ جو ہر حوالے سے پیچیدہ اور عظیم روح کا مالک ہے اسے کامیابی کے راستے پر لانے کی ذمہ داری جاہل اور غیر متخصص کے سپرد کرنا ہے۔ اور انسانوں کی زندگی میں انتہائی ظلم اور انحراف پیدا کرنا ہے۔

عقل و شرع کی رو سے انسانوں کی زندگی میں ہدایت اور راہ حق و سعادت کی رہبری سے زیادہ ضروری اور اساسی کوئی اور مسئلہ موجود نہیں۔

معصومین علیہم السلام سے تعلق کے بارے میں خاص طور پر ان کی شناخت کے بارے میں جو کچھ قرآن مجید اور کلام معصومین سے اخذ کیا جا سکتا ہے؛ اس سے ان سب کی ضرورت و اہمیت اتنی واضح ہے کہ اس کا انکار کرنا ناممکن ہے؛ نیز دنیا و آخرت میں امام زمان کے مقابل ہماری جو مسؤلیت ہے وہ مسئلہ ولایت ہے جس میں پہلا درجہ (ہدایت) کو حاصل ہے جو ولایت معصومین کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔

۵۔ سب سے بڑا جرم جس کا ارتکاب رحلتِ پیغمبرؐ کے بعد کیا گیا؛ اور انسانیت جس کا خمیازہ ابھی تک بھگت رہی ہے۔ وہ خاندانِ رسالت و اہل بیت علیہم السلام کو ان کے منصب ہدایت سے ہٹانا ہے؛ جس کی وجہ سے انسانیت بہت بڑے نقصان اور مصیبت سے دوچار ہوئی کیونکہ انسانوں

کو ہدایت دینے کا عمل بڑے پیمانے پر معصومین علیہم السلام کے ہاتھ سے نکل گیا اور وہ جاہل اور جاہ طلب افراد کے ہاتھ لگ گیا۔ جو افسوسناک انداز میں ابھی تک جاری ہے اور جاری رہے گا۔ حیاتِ بشری کے لئے ہدایت الٰہی سے محرومی ہونا ہے اور اس سے بڑھ کر کوئی اور خسارہ، بدبختی اور مصیبت وجود نہیں رکھتی۔ آئمہ برحق اور معصومین علیہم السلام کے ہاتھوں جاری ہونے والی ہدایت جو خزانہ علم الٰہی سے مربوط ہیں اور کوئی نکتہ ان کے لئے مجہول و مبہم نہیں ناپید ہو گئی۔ مذکورہ بیان سے مصیبت اعظم یعنی معصومین علیہم السلام کو انسانی معاشرے پر منصب رہبری و حاکمیت سے محروم کرنا بہتر طور پر سمجھا جاسکتا ہے۔

دونوں مصیبتوں کے مقابل ہمارا فرض

جب عزادار اسلام کے اصلی منابع سے استفادہ کرنے کے بعد گہری اور دقیق شناخت حاصل کرلیتا ہے؛ تو وہ مصیبت عظیم اور مصیبت اعظم کو ایک حد تک جان لیتا ہے، اس کے بعد ذمہ داری کی نوبت آجاتی ہے۔ ایک حقیقی عزادار کے لئے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اہل بیتؑ کے ساتھ یہ جو کچھ ہوا جو اس کی اصل و بنیاد ہیں اس صورتحال میں اس کا کیا فرض بنتا ہے؟

بقیہ دو ابواب میں ہم یہ بیان کریں گے کہ ان دو مصیبتوں کے مقابلے میں ہمارا انفرادی اور اجتماعی وظیفہ کیا ہے۔

تیسرا باب

مصیبت عظیم کے مقابل وظیفہ شناسی

والدین کے مقابل ہمارا فرض

مصیبت عظیم واعظم کے درمیان موجود رابطہ اور نسبت

مصیبت عظیم کا تلخ اور نقصان دہ اثر

مصیبت عظیم کا انفرادی اثر (سازندگی اور تکامل)

مصیبت عظیم کے اجتماعی آثار

۱۔ مستکبرون سے مبارزہ کے لیے عوام کو بیدار کرنا اور الہام لینا

۲۔ طاغوتیوں کی طاقت کو محدود کرنا

۳۔ رشد و کمال

مصیبت اعظم کا تلخ چہرہ

عزاداری کیا ہے؟

عزاداری کے لازم ہونے کے قرآنی دلائل

معصومین علیہم السلام اور عزاداری کی مختلف روشوں کی حوصلہ افزائی

قبل از شہادت عزاداری

بعد از شہادت عزاداری

عزاداری کے لئے بجٹ مختص کرنا

عزاداری کی حوصلہ افزائی کے لیے ثواب کا بیان

علامہ طباطبائیؒ کی نظر میں عزاداری کا ثواب

ایک شبہ کا ازالہ (گریہ کرنا گناہ کرنے کا جواز فراہم نہیں کرتا)

الف: گریہ وزاری کے آثار

ب: پیروی و تقویٰ، محبت کا لازمہ ہے

مصیبت عظیم کے مقابل امام زمانؑ کا موقف

والدین کے مقابل ہمارا فرض

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امیر المومنین ؑ سے یہ ارشاد فرمایا:

یَا عَلِیُّ اَنَا وَ اَنْتَ اَبَوَا هٰذِهِ الْاُمَّةِ وَمِنْ حُقُوقِ الْاٰبَاءِ وَ الْاُمَّهَاتِ اَنْ یَتَرَحَّمُوا عَلَیهِمْ فِی الْاَوْقَاتِ لِیَکُونَ فِیهِمْ اَدَاءُ حُقُوقِهِمْ[1]

"یا علیؑ! آپ اور میں اس امت کے باپ ہیں۔ باپ اور ماں کے حقوق میں سے یہ بات ہے کہ ضرورت کے اوقات میں ان کے ساتھ مہربانی سے پیش آیا جائے تاکہ ان کے حقوق ادا ہو سکیں۔"

قارئین کرام! پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان پر کافی غور و فکر سے کام لینے کی ضرورت ہے؛ کہ آپ ؐ نے اپنی اور اپنی اہل بیت کو اس امت کے افراد سے کیا نسبت دی ہے۔ اور کس طرح یہ خواہش کی ہے کہ حقیقی پدر اور ان کے حقوق پر توجہ دیں جو انہیں باپ کے عنوان سے امت پر حاصل ہیں۔ اس حدیث کے مطابق ایک ایسا وقت اور زمانہ آنے والا ہے کہ جب ساری امت پر واجب ہو گا کہ پورے طور پر اپنے معنوی باپ پر رحم کریں۔ اور وہ حقوق و فرائض ادا کریں جو بحیثیت فرزند کے ان کے ذمے ہیں؛ مگر افسوس کہ امت نے اس پر کوی دھیان نہیں دیا اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ان کے اہل بیت امت کی غفلت اور قساوت قلبی کی وجہ سے شہید کر دیئے گئے؛ اور چند ایک کے سوا کسی نے وظیفہ فرزندی ادا نہیں کیا۔ قابل غور سوال یہ ہے کہ عہد حاضر میں ہم اپنے حقیقی مظلوم باپ کے ساتھ کیا سلوک کر رہے ہیں؟۔ کیا ہم حق فرزندی ادا کر رہے ہیں جس کا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم سے مطالبہ کیا ہے۔

---

[1] بحار الانوار، ج ۳۶، ص ۱۱

امام حسن عسکریؑ فرماتے ہیں:

اَفْضَلُ وٰالِدَیْکُمْ و اَحَقُّهُما بِشُکْرِکُمْ مُحَمَّدٌ و عَلِّیٌ وقالَ عَلِیُّ بْنُ ابی طالب علیه السلام: سِمِعْتُ رَسُولَ الله صلى الله عليه وآله يَقُولُ: اَنَا و عَلِیُّ ابنُ ابیطالب اَبَوا هٰذِهِ الْاُمَّةِ و لَحَقُّنا عَلَیهِمْ اَعْظَمُ مِنْ حَقِّ وٰالِدَیهِمْ، فَاِنّا نُنْقِذُهُمْ اِنْ اَطاعُونا مِنَ النّارِ اِلی دٰارِ الْقَرارِ وَ نُلْحِقُهُمْ مِنَ الْعُبُودِیَّةِ بِخِیارِ الْاَحْرارِ [1]

''تمہارے والدین سے افضل اور تمہارے شکر کے زیادہ حقدار محمد و علی ہیں۔ علی بن ابی طالبؑ نے فرمایا کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ آپؐ نے فرمایا: میں اور علی ابن ابیطالب اس امت کے باپ ہیں اور ان پر ہمارا حق ان کے والدین سے زیادہ ہے اگر وہ ہماری اطاعت کریں تو ہم انہیں جہنم سے چھڑوا کر سکون کے گھر جنت میں لے جائیں گے اور انہیں غلامی سے نکال کر بہترین آزاد لوگوں میں شامل کر دیں گے۔''

حقیقی باپ وہ ہیں جو انسان کو طبیعت کی تاریکیوں سے نجات دیں۔ اور انہیں حقیقی وابدی وطن اور اصلی مقام تک پہنچائیں ایسے والدین کے بغیر انسان کامیابی کا زینہ طے نہیں کر سکتا۔ اس دلیل سے محمد وآل محمد علیہم السلام ہمارے سب سے بڑے والدین ہیں کہ جن کا حق ماں باپ اور کسی دوسرے سے کہیں بڑھ کر ہے۔

یہاں تک ہم نے سمجھ لیا ہے کہ اہل بیت علیہم السلام ہم سے وجودی رابطہ رکھتے ہیں وہ ہمارے والدین ہیں اور ہم سے عظیم تعلق رکھتے ہیں کہ اللہ تعالی کے بعد ان سے بڑھ کر زیادہ گہرا اور نزدیک تر رشتہ کوئی اور نہیں اور اللہ تعالی کے بعد کوئی بھی ہم پر ان سے زیادہ مہربان اور شفیق نہیں۔ بلکہ بنیادی طور پر وہ اللہ تعالی کے روئے زمین پر جانشین ہونے کے حوالے سے ہمارے لئے اور تمام

---

[1] بحار الانوار، ج۳۶، ص۹

انسانوں کے لئے خدا کی رحمت و رأفت کے مظہر ہیں۔ پیغمبر ﷺ کے فرمان کے مطابق ان کا فرزند ہونے کے ناطے ہماری بھی ذمہ داریاں بنتی ہیں جنہیں آنحضرت ﷺ نے ''ان یترحموا علیھم فی الاوقات'' کے کامل اور معنی خیز جملے کے ذریعے بیان فرمایا۔ اوقات وقت کی جمع ہے۔ یعنی جس وقت اور زمانے میں شرائط اور مواقع موجود ہوں ہمیں محبت بھرے دل اور نظر رحمت سے ان کے حوالے سے اپنے فرائض کو انجام دینا چاہئے اور وہ مواقع متعدد اور مختلف ہیں۔ اگر ہم ان شرائط و مواقع کو جمع کرنا چاہیں تو ہم انہیں دو مقامات پر جمع کر سکتے ہیں۔

۱۔ جب ہم ان کی مصیبت عظیم کا سامنا کرتے ہیں تو ان شرایط اور مواقع پر ہماری کیا ذمہ داری ہے۔

۲۔ جب ہم ان کی مصیبت اعظم کا سامنا کرتے ہیں تو ان شرایط اور مواقع پر ہماری کیا ذمہ داری ہے۔

ان ہر دو فرائض میں گہری نسبت ہے، جسے سمجھنے کے لئے بہتر ہے کہ مصیبت عظیم اور مصیبت اعظم کے درمیان رابطے کا جائزہ لیا جائے۔

مصیبت عظیم و اعظم کے درمیان موجود رابطہ اور نسبت

عظیم اور اعظم مصیبت کے درمیان جو ربط و تعلق موجود ہے جس کی شناخت سے ہمیں ہر ایک مصیبت میں اپنا فریضہ انجام دینے میں بہت زیادہ مدد مل سکتی ہے۔

۱۔ دونوں مصیبتیں بڑی بھی ہیں اور تلخ بھی؛ مگر روئے زمین پر دین خدا کو حکمرانی دلانے میں الٰہی رہنماؤں کی ناکامی اور دنیا کے انسانوں کی الٰہی اور معصوم رہنماؤں کی حکومت سے محرومی زیادہ بڑی مصیبت ہے؛ کیونکہ الٰہی رہنماؤں اور ان کے تابعین کی قربانی اور ہر قسم کی عظیم مصیبت کا تحمل مصیبت اعظم کے روکنے کے لئے تھا۔ جبکہ طاغوتوں اور ظالموں کی طرف سے الٰہی رہنماؤں اور ان کے پیروکاروں کو مصائب و آلام میں مبتلا کرنے کا مقصد مصیبت اعظم کو جنم دینا تھا۔

جسے فطرت پرستوں نے جان دے کر خریدا تاکہ مصیبت اعظم کے لئے رکاوٹ کھڑی کریں اور اس کا مقابلہ کریں؛ مگر طبیعت پرستوں نے مصیبت عظیم کو پیدا کیا تاکہ مصیبت اعظم کے لئے راستہ کھل جائے۔ مصیبت اعظم کا مطلب انسانوں کا دین سے دور ہونا اور کفر و شرک اور نفاق کی نجاست سے آلودہ ہونا ہے۔ بالفاظ دیگر مصیبت اعظم مصیبت عظیم کا نتیجہ اور اثر ہے۔ پس مصیبت اعظم، خدا اور فطرت پرستوں کے لئے قابل نفرت ہے مگر شیطان اور طبیعت پرستوں کے لئے محبوب ہے۔

۲۔ مصیبت عظیم کے دو پہلو ہیں اور دو حیثیتیں ہیں؛ جو تلخ و شیریں ہیں لیکن مصیبت اعظم کا فقط ایک پہلو ہے اور وہ بھی منفی۔

مصیبت عظیم کا تلخ اور نقصان دہ اثر

مصیبت عظیم کا تلخ اثر محبت بھرا اور غم انگیز ہے جو خاندان عصمت و طہارت اور ان کے اصحاب باوفا کی مظلومانہ شہادت اور مبتلائے مصائب ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔

طبیعتاً ہر انسان دلخراش صدائیں سن کر اور دیکھ کر یا کسی مصیبت زدہ اور کسی دوسرے انسان کو مظلومیت کے ساتھ قتل ہوتے دیکھ کر غم واندوہ سے دوچار ہو کر اثر قبول کرتا ہے۔ اب اگر مصیبت زدہ شخص دوسروں سے کسی انسان کے زیادہ قریب ہو اور وہ مقدس ترین اور محبوب ترین بھی ہو تو اثر اور غم زیادہ ہو جاتا ہے۔ یہ حالت غم واندوہ اور اثر انگیزی مختلف شکلوں میں ظہور پذیر ہوتی ہے۔ کبھی یہ غم صرف قلبی حد تک محدود ہوتا ہے کبھی یہ غم انسان کے چہرے پر نمایاں ہو جاتا ہے۔

کبھی اس کے اثرات زبان سے ظاہر ہوتے ہیں اور انسان زبان سے اس غم کا اظہار کرتا ہے۔ یہ مختلف مراتب صرف اظہار کا ذریعہ ہیں؛ جس سے شدت غم کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ آہ و بکا کرنا، نالہ و فریاد کرنا، نوحہ کرنا، سینہ زنی اور سر پٹخنا اس سے شدید اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔

محبت اور معرفت کے عوامل کے علاوہ مصیبت عظیم کے اجتماعی آثار کے بارے میں بحث کی جاچکی ہے۔ افراد کی رقتِ قلب ان کے دل کی پاکیزگی وصفائی بھی غم کے شدید یا ضعیف ہونے پر اثرانداز ہوتی ہے۔

مصیبت عظیم کے تلخ اثرات اپنی شدید ترین حالت میں عزاداری کی مختلف شکلوں کی طرف لے جاتے ہیں جو کہ مصیبت عظیم کے انفرادی اور اجتماعی آثار کے ظہور کا نقطہ آغاز ہے۔

مصیبت عظیم کا ایک پہلو مقصود اور مفید ہے اور دوسرا پہلو ضرر رساں اور غم انگیز ہے۔

مصیبت عظیم کا شیریں، مطلوب اور مفید پہلو اس بناء پر ہے کہ اس کے انفرادی اور اجتماعی آثار مثبت ہیں؛ جسے ہم مختصر طور پر بیان کریں گے۔

الف: مصیبت عظیم کا انفرادی اثر

مصیبت عظیم کا انفرادی اثر مصیبت زدہ اور مظلوم شخصیت سے متعلق ہے۔ راہ خدا میں جہاد وشہادت، قید وبند کی صعوبتیں اور شکنجے اور بھوک وپیاس برداشت کرنا، بے توقیر ہونا اور تہمتیں برداشت کرنا انسان کے لئے عزت وشرف کا موجب ہے۔ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ راہِ خدا میں ہر قسم کی سختی اور مصیبت کا برداشت انسان کے لئے روحانی عظمت کا ذریعہ کمال نیز دنیا وآخرت کے لئے سرمایۂ سعادت ہے۔ معشوق ومعبود حقیقی کے لئے قربانی دینا اور اس کی راہ میں سختیاں جھیلنا اہم ترین ثبات قدمی اور عشق وایمان حقیقی کا مظہر ہے۔

موضوع کی اہمیت اور اس کے پھیلاؤ کے پیش نظر خصوصا مصیبت عظیم کے انفرادی اثر کے بارے میں بحث کرنے کے لیے کافی وقت درکار ہے؛ نیز اس لئے کہ اس کتاب میں شجاعت حسینی کے سیاسی اور اجتماعی پہلو کو مرکزیت حاصل ہے ؛لہذا اس پر مزید بحث نہیں کی جاسکتی۔ اس لیے ہم اس بارے میں مزید بحث کسی اور موقع پر کریں گے۔[1]

---

[1] قارئین کرام سے گزارش ہے کہ انقلابِ حسینی کے اخلاقی، عقیدتی اور عرفانی پہلوؤں کی آشنائی کے لئے ''پیام ہائے عاشورا'' تالیف حجۃ الاسلام والمسلمین آقای جواد محدثی کا مطالعہ فرمائیں

ب: مصیبت عظیم کے اجتماعی آثار

۱۔ مستکبرون سے مبارزہ کے لیے عوام کو بیدار کرنا اور الہام لینا

اس میں شک نہیں کہ ''خون'' اور ''مظلومیت''. جب ''حقانیت'' کے ہمراہ ہو تو وہ کمزور روحوں کو طاقتور اور سوئے ہوئے افراد کو بیدار کر دیتی ہے اور ظالموں اور مستکبروں کا مقابلہ کرنے کی تحریک میں شدت اور حوصلہ پیدا کر دیتی ہے۔ روح آزادی اور آزادگی کی طلب اور مجرموں سے انتقام کی روح وجود میں آتی ہے۔ طاقت اور تحریک پیدا کرنے کی تاثیر درج ذیل عوامل سے تعلق رکھتی ہے:

- جس مظلوم شخص کا خون بہایا گیا اس شخص کی قدر و قیمت اور محبوبیت اور اس کے ذاتی آثار۔
- اس مظلوم شخص کا اور اس کے بہائے گئے خون کا تقدس۔
- مظلومیت کی شدت اور گھرائی۔
- لوگوں کا اس مظلوم شخص اور اس کے خون کے ساتھ رابطہ اور نسبت۔
- ظالموں سے نفرت، ان کی منفی شخصیت کی شناخت، مصیبت عظیم ڈھانے میں ان کے ناپاک اہداف و عزایم۔
- اس مظلوم شخصیت کے دوستوں اور وارثان خون کی مذکورہ بالا پانچ عوامل کی شناخت کا میزان۔
- مذکورہ عوامل کی طاقت اور شدت بعض اوقات اتنی زیادہ ھوتی ہے کہ جو ایک عظیم انقلاب اور ظالم حکومت کے زوال کی صورت میں ظاھر ھوتی ہے۔
- ان عوامل پر غور کرنے سے ھم اس نتیجے تک پہنچتے ھیں کہ یہ عوامل دو حصوں میں تقسیم ھیں:

۱۔جذباتی و عاطفی عوامل۔ ۲۔ معرفتی و عقلانی عوامل۔

ان دونوں عوامل کی مزید تشریح اور ان کے اثرات ہم بعد کی مباحث میں پیش کریں گے۔

۲۔طاغوتیوں کی طاقت کو محدود کرنا اور آزاد فطری ماحول فراہم کرنا

فطرت پسندوں کے لیے سیاسی، اجتماعی، علمی اور معنوی فعالیت کی خاطر آزاد اور مناسب ماحول فراہم کرنا؛ چاہے وہ بطور نسبی ہو نیز حقیقی اور باصلاحیت افراد کی تربیت کرنا۔

یہ اثر، ما قبل اثر کا نتیجہ یعنی طاغوتوں اور مستکبروں کے خلاف قیام اور انقلاب ہے۔ جذباتی اور عاطفی عوامل نیز معرفتی اور عقلانی عوامل جس قدر قوی اور عمیق عمل کریں گے، تو اثر دوم یعنی مستکبروں کی طاقت کو محدود کرنا یا حتیٰ ان کو نابود کرنا جلدی ممکن ہو جائے گا۔ ہو سکتا ہے یہ کامیابی زمان و مکان کے محدود ہونے کے حوالے سے بیشتر ہو۔

بالفاظ دیگر مصیبت عظیم کے اجتماعی اثرات جس قدر بہتر اور زیادہ طاقت کے ساتھ اثر کریں گے اثر دوم زیادہ ظاہر ہو گا۔

۳۔رشد و کمال

جذباتی اور عاطفی نیز معرفتی اور عقلانی عوامل کے اثر کی تاثیر اس وقت ظاہر ہوتی ہے جب تمام افراد یا معاشرہ سب مل کر طاغوت اور ظالموں کے خلاف انتقام جوئی اور مبارزہ کے لیے صف آراء ہوں ؛ تو وہ طاغوتوں اور ظالموں کی مقاومت اور عکس العمل کی وجہ سے خود بخود مصیبت عظیم کی کسی نوع سے دوچار ہو جائیں گے اور یہی مصائب، ان کے رشد و کمال اور مخلوق کے ہدف کے لئے متحرک ہونے کا سبب بن جائیں گے۔ اس سے انفرادی اور اجتماعی اثرات کے لیے ایک نیا دور زیادہ طاقت کے ساتھ معرضِ وجود میں آئے گا۔

مصیبت اعظم کا تلخ چہرہ

آج مصیبت اعظم کا تلخ چہرہ نمایاں ہو چکا ہے؛ جس کی وجہ انسانی معاشرے کا معصومین علیہم السلام کی حاکمیت ورہبری سے محروم ہونا ہے۔ تمام جنگیں، فسادات، تباہیاں اور مصائب جن کا انسانی معاشرہ شکار ہوا وہ سب مصیبت اعظم کا نتیجہ تھا اور اب بھی ہے۔

اب جب کہ ہم مصیبت عظیم اور مصیبت اعظم کے متقابل روابط اور ہر ایک کے آثار سے آگاہ ہو چکے ہیں؛ تو اب ہم واجباتِ الٰہی اور انسانی فریضے کو ہر ایک مصیبت کے بالمقابل بہتر طور پر انجام دینے کی پوزیشن میں ہیں۔

جب ہم مصیبت عظیم سے دوچار ہوں تو اس وقت اپنے فریضے کا ظاہر ہونا مشکل نہیں۔ یہ بات بدیہی اور طبیعی ہے کہ ہر انسان نہ فقط شیعہ جب اس کے کسی عزیز کے ساتھ زیادتی کی جائے؛ کوئی جسارت یا ظلم کیا جائے تو سب سے پہلا اثر جو اس کے وجود میں ظاہر ہوگا؛ وہ اس کے دل کا شدید متاثر ہونا اور گریہ اور ماتم کرنا ہے۔ (آج کے ہنگامہ خیز دور میں یہ مسئلہ بہت واضح ہے جب کسی شخص کو قتل کیا جاتا ہے تو اس کے عزیز و اقارب اس کی میت کو سڑک پر رکھ کر یا سڑکوں پر لیکر کر یا کسی سرکاری ادارے کے گیٹ کے سامنے رکھ کر آہ وبکا اور احتجاج کرتے ہیں)۔

اسی دلیل کی بنا پر سید الشہداءؑ پر گریہ صرف ان کے شیعوں سے مخصوص نہیں بلکہ عیسائیوں اور کلیمیوں اور دیگر ادیان و آسمانی مکاتب میں بھی ہے۔ بلکہ کلی طور پر ہر شخص جو سید الشہداءؑ کے مصائب سے آشنا ہے۔ امام کے عزاداروں کی تعداد بہت زیادہ ہے ۔ پہلی نظر میں یہ بات شاید حیرت کا باعث ہو کہ دنیا میں جس قدر گریہ اور عزاداری سید الشہداءؑ کے لیے ہوتی ہے کسی دوسرے کے لئے نہیں ہوتی۔ شاید ہی دنیا میں مختلف مکاتب فکر کے پیروکار کسی خاص مکتب فکر کے رہبر کے لیے ایسی عزاداری اور گریہ کرتے ہوں کہ جس کا ان کے مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہاں اگر ہم اس موجودہ نظام میں اہل بیت علیہم السلام اور خاص طور پر سید الشہداعلیہ السلام

کے مقام اور ان کا تمام انسانوں سے جو وجودی تعلق بیان ہوا ہے اس پر غور کریں؛ تو ہمیں اس بیمثال اور استثنائی امر کی سمجھ آجائے گی۔

تمام انسانوں کے دل میں امام حسین علیہ السلام کے نور کی شعاع موجود ہے ؛دوسری تعبیر کے مطابق جو شخص بھی امام حسین علیہ السلام اور ان کے حماسہ سے آشنا ہو جائے گا وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم؛ تو بے اختیار اس کے وجود پر امامؑ کی محبت و حزن و مصیبت کا غلبہ ہو جائے گا، اور یہ لوگ ناآگاہ طور پر اس حقیقت کی وجہ سے حزن و ملال میں مبتلا ہو جاتے ہیں جو حسین ابن علی علیہ السلام کی صورت میں ان کے وجود میں ہے۔ مگر وہ لوگ جو اچھے ماحول میں نہیں رہتے اور اہل بیت علیہم السلام کے دشمنوں کی زہریلی تبلیغات سے متاثر ہو جاتے ہیں۔

اس بنا پر گریہ و عزاداری مصیبت عظیم کے مقابل ایک طبیعی رد عمل ہے۔ اب یہ سوال کہ عزاداری کیوں ایک وظیفہ قرار پائی اور اس کی اس قدر تاکید کیوں کی گئی ہے، اس سوال کا اجمالی جواب مصیبت عظیم و اعظم کے متقابل تعلق کی بحث میں دیا جا چکا ہے۔

اس بناء پر کہ درجہ اول میں عزاداری جذباتی اور محبت کے عوامل کو تقویت دیتی ہے اور اس سے اگلے مرحلے میں معرفتی اور عقلانی عوامل کو تقویت دیتی ہے ؛ جس کے نتیجے میں مصیبت عظیم کے انفرادی اور اجتماعی آثار ظاہر ہوتے ہیں جس سے مصیبت اعظم کا مقابلہ کرنے کے لئے بنیادی مدد ملتی ہے۔ جو معصومین علیھم السلام کے نزدیک بہت زیادہ اہمیت کی حامل رہی ہے اور اب بھی ہے اور دین میں خاص اور بلند مقام رکھتی ہے۔ اس لیے ہم عزاداری کی ماہیت اور عاطفی و معرفتی عوامل پر اس کے اثرات کی مزید وضاحت پیش کرتے ہیں۔

عزاداری کیا ہے؟

عزاداری یاد اور ذکر سے عبارت ہے۔ اس کی یاد جو کسی مصیبت سے دوچار ہوا ہو اور طبیعی یا غیر طبیعی اسباب کی وجہ سے قتل یا حادثہ وغیرہ کے باعث دنیا سے رخصت ہوا ہو۔

اس میں شک نہیں کہ انسان ایسا موجود ہے کہ جو طبیعتاً فراموش کار ہے اور جو امور اس کے لیے مفید ہوتے ہیں وہ ان سے غفلت کر بیٹھتا ہے، ایسے مواقع پر ان امور کا تذکرہ کرنا اور یاد دلانا کہ جن سے غفلت برتنا اس کی لیے مضر ہو اسے ان نقصانات سے نجات دیتا ہے اور اس مفید امور کی طرف متوجہ کرنا اسے اچھے اثرات سے بہرہ مند کر دیتا ہے۔

قاعدہ کلیہ اور ایک اہم قانون خلقت یہ ہے کہ انسان کی دنیا و آخرت میں کامیابی کے لئے جو چیز بھی مفید، لازمی اور ضروری ہو اس سے غفلت انسان کو دنیا و آخرت کے نقصان سے دوچار کر دیتی ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ ہر ممکن طریقے سے اسے اس اہم چیز کی طرف متوجہ کیا جائے اور اس کی غفلت کو دور کیا جائے۔

عزاداری کے لازم ہونے کے قرآنی دلائل

۱۔ ایام اللہ کی حفاظت اور اس کا مفہوم

قرآن کریم نے ایسے متعدد امور کا ذکر کیا ہے جو انسان کی ترقی کے لیے ضروری اور مناسب ہیں۔ یہ امور مندرجہ ذیل ہیں: اللہ تعالیٰ اور اس کے اسماء وصفات اور اس کی نعمتیں، خلقت کا مقصد، آخرت وابدیت، مرگ، برزخ، قیامت، اعمال کا محاسبہ، جنت، دوزخ، واجبات و محرمات، الٰہی راہنما، ان کے مقابل جو ہمارے فرائض بنتے ہیں، شیطان اور اس کے دوست و مددگار، اس کے دھوکے و فریب اور اسی قسم کے دیگر امور۔ اس لیے قرآن کریم نے ان امور کی نسبت ضرورت اور یادآوری کے لیے اس کے لیے اصول کلی اور نہ بدلنے والی سنت الٰہی کے طور پر وضاحت کی ہے۔

کبھی اللہ تعالیٰ انسان کی زندگی میں مختلف حوادث کے ذریعے اس کی یاد آوری کا عمل انجام دیتا ہے؛ اور کبھی انبیاء کو ضروری اور اہم امور کی یاددہانی پر مامور کرتا ہے اور کبھی خود انسان کو یہ حکم دیتا ہے کہ وہ ان امور کو یاد رکھیں اور ان کا لحاظ کریں کہ کہیں ان امور کی نسبت وہ فراموشی اور غفلت کا شکار نہ ہوں۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ وہ ایک دوسرے کو مختلف صورتوں کے ذریعے

سے یہ ضروری امور یاد دلاتے رہیں۔ مثال کے طور پر ان امور میں سے جس کا اللہ تعالی نے انبیاء علیہم السلام کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو یاد دلاتے رہیں ان میں سے ایک "ایام اللہ" خدا کے دن ہیں:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ [1]

بے شک ہم نے موسیٰ کو اپنی آیات دے کر بھیجا کہ اپنی قوم کو ظلمتوں سے نور کی طرف نکال لے جاؤ اور انہیں "ایام اللہ" یاد دلاتے رہو۔ بے شک اس میں ہر صبر کرنے والے شکر گزار کے لیے نشانیاں ہیں۔

ظاہر ہے کہ بندوں کو ظلمت سے نور کی طرف نکال لے جانا بھی ایام الٰہی کی یاد آوری کا مصداق ہے۔

علامہ طباطبائی مرحوم "ایام اللہ" کے بارے میں یہ فرماتے ہیں:

یہ بات شک سے بالاتر ہے کہ 'ایام' سے مراد خاص ایام ہیں۔ حالانکہ تمام ایام اور موجودات خدا کی ہیں خاص ایام کو خدا کی طرف نسبت دینا یقیناً اس وجہ سے ہے کہ ان ایام میں خاص قسم کے حوادث وقوع پذیر ہوئے؛ جس سے حکم خدا ظاہر ہوا۔ جو دوسرے ایام میں ظاہر نہیں ہوا لہٰذا تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ایام خدا سے مراد وہ زمانہ ہے جس میں امر خدا اور اس کی وحدانیت و سلطنت کی نشانیاں ظاہر ہوئیں؛ جیسے موت کا دن جس میں خدا کی سلطنتِ آخرت ظاہر ہوتی ہے اور دنیوی اسباب بے اثر ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اسی طرح روز قیامت کہ کوئی شخص کسی چیز کا مالک نہ ہوگا اور کسی کے کام نہ آسکے گا۔ اور تمام تر معاملات خدا کے ہاتھ میں ہوں گے۔ اسی طرح وہ دن جب قوم نوح اور عاد و ثمود ہلاکت کو پہنچیں؛ کیونکہ اس قسم کے دنوں میں غلبہ و قہر خدا ظاہر ہوا۔ اور عزتِ خدا نمایاں ہوئی۔

[1] سورہ ابراہیم، آیت: ۵

ممکن ہے رحمتِ خدااور اس کی نعمت کے ایام بھی ان ایام کا حصہ ہوں۔اسی طرح وہ ایام جن میں اللہ کی نعمتیں اس طرح ظاہر ہوئیں؛جو دوسرے دنوں میں ظاہر نہ ہوئیں۔ جیسے وہ دن کہ جب حضرت نوحؑ اور ان کے دوست کشتی سے باہر آئے اور سلامتی خدااور اس کی برکتیں ان کے شامل حال ہوئیں اور جس دن حضرت ابراہیمؑ نے آتش نمرود سے نجات پائی اس طرح کے دیگر ایام جو غیر خدا سے نسبت نہیں رکھتے؛ بلکہ اسی سے نسبت اور خصوصیت رکھتے ہیں؛ جیسے کہ بعض ایام امتوں اور اقوام سے منسوب ہیں۔ ان میں سے ایام عرب، جیسے؛روز ذی قار، روز فجار، روز بغاث وغیرہ ۔[1] اس کے بعد جناب رسول خداﷺ کی ایک حدیث نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے ایام اللہ کے بارے میں فرمایا: "ایام اللہ نعمت ھا و بلاھای خدا است "ایام اللہ وہ دن ہیں جس دن خدا کی نعمتیں اور مصیبتیں ظاہر ہوئیں۔[2]

معصومین علیہم السلام کے ایام ولادت و شہادت یقیناایام اللہ ہیں جن کی یاد منانے سے انسان جہالت کی تاریکی سے نکل کر نور علم کی طرف آتا ہے۔

معصومین علیہم السلام کی عزاداری اس بنا پر کہ عزاداری کرنے سے معصومین علیہم السلام کے ہمارے متعلق احکامات اور یہ کہ ان کے بارے میں ہمارا کیا فرض بنتا ہے اور ان پر ہونے والے مصائب کا علم حاصل ہوتا ہے لہٰذا عزاداری کے ایام ''ایام اللہ'' کے مصادیق ہیں۔

۲۔شعائر اللہ کی تعظیم

دوسرا نکتہ ایام ولادت و شہادت معصومین علیہم السلام کے بارے میں یہ ہے؛ کہ ان دنوں کی عظمت و بزرگی تعظیم شعائر اللہ کا مصداق ہے جس کا قرآن مجید نے ہمیں حکم دیا ہے اور اسے تقوائے قلب جانا ہے۔

---

1 تفسیر المیزان، جلد ۱۲، ص ۲۲و ۲۳

2 تفسیر المیزان، جلد ۱۲، ص ۲۴

وَمَنۡ یُّعَظِّمۡ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنۡ تَقۡوَی الۡقُلُوۡبِ [1]

"جس نے خدا کی نشانیوں کی تعظیم کی پس یہ تقوائے قلب کی نشانی ہے۔"

شعائر الٰہی سے ہر وہ علامت اور چیز مراد ہے جو انسان کو خدا کی یاد دلاتی ہے اور خدا کی طرف دعوت دیتی ہے۔ اہل بیت علیہم السلام، اللہ تعالی کی عظیم نشانیاں ہیں۔ ان کی تعظیم در حقیقت خدا کی تعظیم ہے۔

علامہ طباطبائی فرماتے ہیں:

دوستانِ خدا سے دوستی اور ان کی پیروی اس کی مانند ہے جیسے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی اہل بیتؑ، علماء کرام بزرگانِ دین، قرآن و حدیث۔ الغرض جو چیز یاد خدا دلاتی ہے وہ در حقیقت خدا سے دوستی اور اخلاص کا پتا دیتی ہے؛ جو کسی بھی صورت میں شرک نہیں۔ لہٰذا ان کا تقرب، تقربِ خدا اور ان کی تعظیم علامتِ تقویٰ ہے۔ کیونکہ شعائر اللہ وہ علامات ہیں جو خدا کی طرف دعوت دیتی ہیں۔ اس آیت میں کوئی شرط اور پابندی نہیں بلکہ بلا قید جو، شئ آیاتِ خدا اور اس کی نشانیاں ہیں اور انسان کو یاد میں محو کر لیتی ہیں وہ شعائر اللہ میں شامل ہیں اور ان کا احترام و تعظیم دلیل تقویٰ ہے۔[2]

لہٰذا قرآن مجید کی تمام آیات جو انسان کو تقویٰ کی دعوت دیتی ہیں وہ بھی شعائر اللہ میں شامل ہیں۔ البتہ کوئی عقلمند اس کا منکر نہیں کہ اللہ تعالی کے مقابلے میں ان کے استقلال کا عقیدہ رکھنے اور انہیں نفع و نقصان اور زندگی اور موت کا مالک سمجھنے کی وجہ سے یہ نشانیاں اور شعائر اللہ ہونے سے خارج ہو جایٔں گی ایسا نہیں۔ البتہ ایسا عقیدہ اللہ کے حریم مقدس سے تجاوز اور خدا کے ساتھ شرک ہے۔[3]

---

[1] سورہ حج، آیت: ۳۲

[2] اللہ تعالی کی نشانیوں کی تعظیم کرنا تقویٰ کی علامت ہے۔ اس کی مزید وضاحت بعد میں کریں گے۔

[3] تفسیر المیزان، ج ۱، ص ۱۔ ۵۸۰

اس بنا پر اہل بیت اور اولیائے خدا کی عزاداری اس حوالے سے کہ وہ انسان کو اللہ کی عظیم ترین نشانی کی یاد دلاتی ہے۔ [1] یہ شعائر اللہ کا بہترین مصداق اور خدا کی نشانیوں کی تعظیم اور تقویٰ قلب کے بہترین دلائل میں سے ہے۔

مجالس عزا اہل بیت علیہم السلام دلوں میں ان کی یاد کو زندہ رکھنے کا موجب ہے اور ان کے مکتب کو دلوں میں زندہ رکھتی ہے۔

۳۔ مودت اہل بیت علیہم السلام کا وجوب

یہاں تک ہم نے دو قرآنی دلائل سے عزاداری کی اہمیت اور اس کے لازم ہونے کا ذکر کیا ہے کہ جو ایام اللہ کی یاد اور شعائر اللہ کی تعظیم سے عبارت ہیں۔

تیسری دلیل، جو عزاداری کے واجب ہونے پر دلالت کرتی ہیں وہ اہل بیتؑ کی نسبت مودت کا لازمی ہونا ہے۔ قرآن کریم نے اہل بیت کی محبت کو اجر رسالت کا عنوان دیا ہے اور اسے تمام مسلمانوں پر واجب قرار دیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

قُلْ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى [2]

کہہ دو میں تم سے اجر رسالت کا تقاضہ نہیں کرتا سوائے اس کے کہ میری اہلبیت سے مودت اور محبت کرو۔

ظاہر ہے کہ اہل بیت علیہم السلام کی عزاداری اور ان سے محبت کرنا اور ان کے قاتلوں سے نفرت کا اظہار کرنا مودت کے کمترین مراتب میں سے ہے۔ لہذا یہ تصور نہ کیا جائے کہ اہل بیت علیہم السلام یہ احتیاج رکھتے تھے کہ ان کی عزاداری کی جائے اور ان سے محبت کی جائے؛ بلکہ یہ

---

[1] امیر المومنین۔ نے اپنی ذات وصفات کے بارے میں فرمایا: { انا الحجۃ العظمی والایۃ الکبریٰ والمثل الاعلیٰ } ترجمہ: ؟ میں عظیم ترین حجت و(خدا کی طرف سے) عظیم ترین علامت اور اعلیٰ ترین نمونہ ہوں (بحار الانوار، ج ۳۹، ص ۳۳۵)

[2] سورہ شوریٰ، آیت: ۲۳

عزاداری اور مودت ان کمترین مراتب میں سے ہے؛ جس کی اسلامی معاشرے کو ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مودت اہل بیت علیہم السلام کو واجب قرار دیا ہے، اور اسلامی معاشرے میں اسے ایک ضرورت زندگی کے طور پر متعارف کروایا ہے:

قُلْ ما سَئَلْتُكُم مِنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ[1]

اے رسول! اعلان کر دیں کہ میں نے تم سے اجر رسالت کا جو مطالبہ اپنی اہل بیت سے محبت کی صورت میں کیا ہے وہ تمہارے ہی نفع میں ہے۔

اہل بیت سے محبت دراصل اسلامی معاشرے کے لیے، تمام دنیا کے لیے اور دنیا و آخرت میں کامیابی و نیک بختی کی کلید ہے۔ ان کی مودت کا مطلب معصومین علیہم السلام جو مظہر خدا اور اس کے خلیفہ ہیں سے دوستی کرنا اور ان کی سرپرستی اور حاکمیت کو دل و جان سے قبول کرنا اور دنیا کے تمام انسانوں پر ان کی حاکمیت اور ان کے مکتب کے قیام کے لیے کوشش کرنا ہے۔ مگر افسوس صد افسوس کہ مسلمانوں کی اکثریت پہلے اور اب بھی اس آیہ شریفہ اور دستورِ خدا سے غافل ہے۔ شیعوں کی اقلیت بلکہ زیادہ تعداد نے مودت کو کمترین درجہ پر قبول کیا ہوا ہے[2]؛ یعنی اتنی کمزور محبت کہ اہل بیت سے عملی محبت میں کوتاہی کی کہ انہوں نے اہل بیت کو دشمنوں میں تنہا چھوڑ دیا؛ اور وہ عالم غربت و تنہائی میں انتہائی مظلومیت کے ساتھ شہید کر دیئے گئے اور ان کے آخری فرد (امام زمانؑ) ایک ہزار ایک سو ساٹھ برس سے بفرمان امیر المومنینؑ تنہائی کی زندگی گزار رہے ہیں اور اسلامی معاشرہ بلکہ جہانِ بشریت ان کی دوری کی وجہ سے طرح طرح کے مظالم و مفاسد مصیبتوں اور پریشانیوں کا شکار ہے۔

ظاہر سی بات ہے کہ مودت اہل بیتؑ کے بارے میں قرآن میں حکم پر عمل کرنے کے لئے عزاداری کم سے کم وظیفہ ہے جس کو انجام دیا جاتا ہے۔

---

[1] سورہ سبا، آیت ۴۷

[2] مودت کے بارے میں مزید وضاحت عزاداری کے رتبہ پنجم میں ملاحظہ فرمائیں

یہاں اس نکتہ کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ یہ تین قرآنی دلائل صرف عزاداری کے لازم ہونے پر دلالت نہیں کرتے؛ بلکہ اہل بیتؑ کی عظمت سے مربوط پروگرام جیسے جشن میلاد، جشن امامت وولایت وغیرہ پر بھی دلالت کرتے ہیں۔

معصومین علیہم السلام اور عزاداری کی مختلف روشوں کی حوصلہ افزائی

یہی وجہ ہے کہ معصومین علیہم السلام نے مجالس عزا میں خود گریہ کر کے اور دوسروں کو مجالس عزا کے برپا کرنے کا حکم دے کر عزاداری کی ضرورت واہمیت کو روشن کیا ہے؛ تاکہ اسلامی معاشرے میں عزاداری رائج ہو۔

معصومین علیہم السلام نے اس اہم عمل کو رواج دینے کے لئے مختلف طریقے اختیار کیے ہم اس جگہ چند ایک کی طرف اشارہ کریں گے۔

۱۔ قبل از شہادت عزاداری

ایسا بھی ہوا ہے کہ امامؑ کسی معصومؑ کے دنیا سے چلے جانے یا شہادت سے قبل اپنی یا کسی دوسرے معصوم کی شہادت کے مقام، زمانے اور کیفیت شہادت کو یاد کر کے روتے تھے؛ اور دوسروں کو بھی رلاتے تھے ؛ نیز دوسروں سے بیان کرنے کا کہتے اور خود روتے اور دوسروں کو بھی رلاتے تھے؛ تاکہ اپنے شیعوں کو اس حادثے کی اہمیت اور اس کے مقابل ان کی ذمہ داری سے آگاہ کر سکیں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مختلف مناسبتوں سے بطور مثال ولادت امام حسینؑ کو اور آپ کے مصائب کو یاد کرتے تھے اور دوسروں کے لیے نقل کرتے تھے خود بھی روتے اور دوسروں کو بھی رلاتے تھے۔

امیر المومنینؑ اور حضرت زہراؑ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دختر گرامی سے فرمایا:

يَا فَاطِمَةُ! كُلُّ عَيْنٍ بَاكِيَةٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِلَّا عَيْنٌ بَكَتْ عَلَى مُصَابِ الْحُسَيْنِ فَاِنَّهَا ضَاحِكَةٌ مُسْتَبْشِرَةٌ بِنَعِيمِ الْجَنَّةِ[1]

اے فاطمہ! ہر آنکھ روز قیامت گریہ کناں ہوگی سوائے اس آنکھ کے جو مصائب حسینؑ پر روئی ہو وہ آنکھ مسکراتی ہوگی اور اسے جنت نعیم کی خوشخبری دی جائے گی۔

۲۔ بعد از شہادت عزاداری

کبھی ہمارے امامؑ عملی طور پر مجالس عزا برپا کر کے شیعوں کو درس عزاداری دیا کرتے تھے۔ امام رضاؑ فرماتے ہیں:

كَانَ اَبِي اِذَا دَخَلَ شَهْرُ الْمُحَرَّمِ لَا يُرَى ضَاحِكاً وَ كَانَتِ الْكَآبَةُ تَغْلِبُ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمْضِيَ مِنْهُ عَشَرَةُ اَيَّامٍ، فَاِذَا كَانَ الْيَوْمُ الْعَاشِرُ كَانَ ذٰلِكَ الْيَوْمُ يَوْمَ مُصِيبَتِهِ وَ حُزْنِهِ وَ بُكَائِهِ[2]

جب ماہ محرم آتا تو میرے بابا کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ غم واندوہ ان پر غالب رہتا۔ یہاں تک کہ دس دن گزر جاتے۔ جب روز عاشور آتا تو وہ غم اور پریشانی میں روتے ہوئے گزر جاتا۔

امام صادقؑ فرماتے ہیں:

بَكَى عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ عليه السلام عِشْرِينَ سَنَةً وَمَا وُضِعَ بَيْنَ يَدَيْهِ طَعَامٌ اِلَّا بَكَى[3]

---

[1] بحار الانوار، جلد ۴۴ صفحہ ۲۹۳

[2] امالی صدوق، ص ۱۲۸

[3] بحار الانوار، ج ۴۶، ص ۱۰۸

امام زین العابدینؑ بیس سال تک روتے رہے جب بھی ان کے سامنے کھانا لایا جاتا تو گریہ وزاری کرنے لگتے۔

۳۔ عزاداری کے لئے بجٹ مختص کرنا

کبھی وہ عزاداری کے لئے بجٹ مختص کرکے اس کی اہمیت کی طرف متوجہ کراتے وہ اپنے شیعوں کو عزاداری کے لئے اخراجات کے مختص کرنے کی هدایت کرکے، نمونہ پیش کرتے۔

امام صادقؑ فرماتے ہیں:

قَالَ لِي أَبِي: يَا جَعْفَرُ! أَوْقِفْ لِي مِنْ مَالِي كَذَا وَ كَذَا النَّوَادِبَ تَنْدُبُنِي عَشَرَ سِنِينَ بِمِنًى أَيَّامَ مِنًى[1]

میرے بابا نے مجھ سے کہا: میرے مال سے اتنا حصہ نوحہ خوانوں کے لیے وقف کرو جو مجھ پر ایام حج میں منٰی کے مقام پر دس سال تک نوحہ خوانی اور عزاداری کریں۔

۴۔ عزاداری کی حوصلہ افزائی کے لیے ثواب کا بیان

کبھی وہ سیاسی حوصلہ افزائی کی روش اختیار کرتے تھے اور عوام کو اس طرف راغب کرنے کے لیے خدا کی طرف سے زیادہ اجر وثواب کی ضمانت دیتے۔

الف: رونا، رلانا اور حزن وملال

امام رضاؑ فرماتے ہیں:

مَنْ كَانَ يَوْمُ عَاشُورَا يَوْمَ مُصِيبَتِهِ وَ حُزْنِهِ وَ بُكَائِهِ جَعَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَوْمَ فَرَحِهِ وَ سُرُورِهِ[2]

---

[1] بحار الانوار، ج۴۶، ص ۲۲۰

[2] بحار الانوار، ج۴۴، ص ۲۸۵

جس نے عاشورا کا دن غم حسینؑ میں روتے ہوئے گزارا اللہ عزوجل قیامت کا دن اس کے لیے سرور وفرحت کا دن قرار دے گا۔

حضرت سجادؑ فرماتے ہیں:

أَيُّما مُؤْمِنٍ دَمَعَتْ عَيْنَاهُ لِقَتْلِ الْحُسَينِ بنِ علي دَمْعَةً حَتّى تَسِيلَ عَلىٰ خَدِّهِ بَوَّأَهُ اللهُ بِهَا فِي الْجَنَّةِ غُرَفًا[1]

جس شخص کی آنکھیں شہادت حسینؑ پر اس قدر اشک بار ہوئیں کہ اس کے آنسو اس کے رخساروں پر بہہ نکلیں؛ تو اللہ تعالیٰ اسے جنت کے محلات میں سکونت دے گا۔

امام صادقؑ فرماتے ہیں:

مَنْ ذُكِرْنَا عِنْدَهُ فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ حَرَّمَ اللهُ وَجْهَهُ عَلَى النَّارِ[2]

جس کے پاس ہمارا ذکر کیا جائے اور اس کی آنکھوں میں آنسو آجائیں خدا اس کا چہرہ آتش جہنم کے لئے حرام کردے گا۔

امام صادقؑ کا ارشاد گرامی ہے:

مَنْ دَمِعَتْ عَيْنُهُ فِينَا دَمْعَةً لِدَمٍ سُفِكَ لَنَا أَوْ حَقٍّ لَنَا نُقِصْنَاهُ أَوْ عِرْضٍ أُنْتُهِكَ لَنَا أَوْ لِأَحَدٍ مِنْ شِيعَتِنَا بَوَّأَهُ اللهُ تعالیٰ بِهَا فِي الْجَنَّةِ حُقُبًا[3]

جس کی آنکھیں ہماری راہ میں گریہ کریں گی ہمارے بہائے گئے خون کی خاطر یا اس حق کی خاطر جو ہم سے چھین لیا گیا، ہماری یا ہمارے شیعوں کی آبرو اور ہتک

---

[1] بحار الانوار، ج ۴۴، ص ۲۸۵

[2] بحار الانوار، ج ۴۴، ص ۲۸۵

[3] بحار الانوار، ج ۴۴، ص ۲۷۹

حرمت کی خاطر ہو؛ تو خدا اسی سبب سے انہیں بہشت جاوداں میں تا ابد جگہ عطا فرمائے گا۔

نیز فرمایا:

لِکُلِّ شَیْئٍ ثَوابٌ اِلاَّ الدَّمْعَةَ فِینا[1]

ہر عمل کا ثواب مقرر ہے سوائے اس آنسو کے جو ہمارے غم میں بہایا جائے ۔

نیز فرمایا:

مٰا مِنْ عَیْنٍ بَکَتْ لَنا اِلاّ نُعِّمَتْ بِالنَّظَرِ اِلَی الْکَوْثَرِ و سُقِیَتْ مِنْهُ[2]

جو آنکھ ہمارے غم میں اشکبار ہو گی اسے کوثر دیکھنے کی نعمت نصیب ہو گی اور اس سے اسے سیراب کیا جائے گا۔

نیز فرمایا:

کُلُّ الْجزَعِ والْبُکاءِ مَکْرُوهٌ سِوَی الْجَزَعِ والْبُکاءِ علی الْحُسَین علیه السلام[3]

ہر نالہ و گریہ مکروہ (ناپسندیدہ) ہے سوائے حسینؑ پر گریہ و فریاد کے۔

نیز فرمایا:

نَفَسُ الْمَهْمُومِ لِظُلْمِنا تَسْبِیحٌ[4]

جو ہماری مظلومیت پر غمگیں ہو اس کا سانس لینا تسبیح ہے۔

امام رضاؑ فرماتے ہیں:

---

[1] وسائل الشیعہ، ج ۱۴، ص ۵۹۷

[2] وسائل الشیعہ، ج ۱۴، ص ۵۰۷

[3] بحار الانوار، ج ۴۵، ص ۳۱۳۔

[4] امالی شیخ مفید، ص ۳۳۸

فَعَلٰی مِثْلِ الْحُسَینِ فَلْیَبْكِ الْبَاكُونَ فَاِنَّ الْبُكَاءَ عَلَیهِ یَحُطُّ الذُّنُوبَ الْعِظَامَ[1]

رونے والوں کو چاہئے کہ حسینؑ پر روئیں کیونکہ ان پر رونا بڑے بڑے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

نیز فرمایا:

یَابْنَ شَبِیبٍ! اِنْ بَكَیْتَ عَلَى الْحُسَیْنِ حَتّٰی تَصِیرَ دُمُوعُكَ عَلٰی خَدَّیكَ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ كُلَّ ذَنْبٍ اَذْنَبْتَهُ صَغِیرًا كَانَ اَوْ كَبِیرًا قَلِیلاً كَانَ اَوْ كَثِیرًا[2]

اے فرزند شبیب! اگر تو حسینؑ پر رویا یہاں تک کہ تیرے آنسو تیرے رخساروں پر جاری ہو جائیں تو اللہ تیرے سارے گناہوں کو بخش دے گا خواہ وہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ، کم ہوں یا زیادہ۔

ب: غم و مظلومیت میں یا فضائل میں شعر پڑھنا

امام صادقؑ فرماتے ہیں:

مَا مِنْ اَحَدٍ قَالَ فِی الْحُسَینِ شِعْرًا فَبَكٰی وَ اَبْكٰی بِهِ اِلَّا اَوْجَبَ اللّٰهُ لَهُ الْجَنَّةَ وَ غَفَرَ لَهُ[3]

جس نے غم حسینؑ میں ایک شعر پڑھا اور رویا اور دوسروں کو رلایا؛ اللہ اس پر جنت واجب کر دے گا اور اسے بخش دے گا۔

---

[1] بحار الانوار، ج ۴۴، ص ۲۸۴

[2] رجال شیخ طوسی، ص ۲۸۹

[3] بحار الانوار، ج ۲۶، ص ۲۳۱

اسی طرح فرماتے ہیں:

مَنْ قَالَ فِینَا بَیْتَ شَعْرٍ بَنَی اللهُ لَهُ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ[1]

جس نے ہماری مدح میں ایک بیت کہا اللہ اس کے لئے جنت میں گھر بنادے گا۔

اسی طرح فرمایا:

یَا دِعْبِلُ! اُحِبُّ اَنْ تُنْشِدَنِی شِعْرًا فَاِنَّ هٰذِهِ الْاَیَامَ اَیَّامُ حُزْنٍ کَانَتْ عَلَیْنَا اَهْلِ الْبَیْتِ علیهم السلام[2]

اے دعبل! میں چاہتا ہوں کہ مجھے شعر پڑھ کر سناؤ کیونکہ یہ ایام (ایامِ عاشورا) ہم اہل بیتؑ کے لئے غم و حزن کے ایام ہیں۔

ج: عظمت اہل بیتؑ کی مجالس برپا کرنے کا حکم

امام رضاؑ فرماتے ہیں:

مَنْ جَلَسَ مَجْلِسًا یُحْیٰی فِیهِ اَمْرُنَا لَمْ یَمُتْ قَلْبُهُ یَوْمَ تَمُوتُ الْقُلُوبُ[3]

جو شخص ایسی مجلس میں بیٹھے جہاں ہمارے احکام (مقصد و راستہ) زندہ کیے جائیں جس دن دل مردہ ہو جائیں گے اس کا دل مردہ نہ ہو گا۔

ابو ہارون مکفوف کہتا ہے:

---

[1] مستدرک الوسائل، ج۱۰، ص۳۸۶

[2] بحار الانوار، ج۴۴، ص۲۷۸

[3] بحار الانوار، ج۴۴، ص۲۸۷

دَخَلْتُ عَلی اَبِی عَبْدِ الله فَقال لی: اَنْشِدْنِی، فَاَنْشَدْتُهُ فَقالَ: لا، کَما تُنْشِدُونَ وَ کَما تُرَثِّیهِ عِنْدَ قَبْرِهِ[1]

میں حضرت صادق آل محمدؑ کے پاس گیا۔ امامؑ نے فرمایا: مجھے شعر سناؤ۔ میں نے شعر سنائے۔ فرمایا: ایسے نہیں بلکہ جیسے تم عموماً پڑھتے ہو۔ اور جیسے تم قبر امام حسینؑ پر مرثیہ پڑھتے ہو۔

آپ نے دیکھا کہ امامؑ نے اسی طریقے سے شعر پڑھنے کی خواہش کی جیسے وہ عموماً اپنی مجالس میں نوحہ خوانی کرتے ہیں اور یہ طریقہ کار لوگوں کے مزاج سے مناسبت رکھتا ہے۔

امام محمد باقرؑ ان لوگوں کو جو روز عاشورا سید الشہداءؑ کی زیارت کے لئے نہیں جا سکتے آپ نے انہیں اس طریقے پر عزاداری کرنے کا حکم دیا۔ آپؑ نے فرمایا:

ثُمَّ لِیَنْدُبِ الْحُسینَ وَ یَبْکِیهِ وَ یَاْمُرْ مَنْ فی دارِهِ بِالْبُکاءِ عَلَیْهِ وَ یُقِیمُ فی دارِهِ مُصیبَۃً باظهارِ الْجزَعِ علَیْهِ وَ یَتَلاقُونَ بِالْبُکاءِ بَعضُهُم بَعْضًا فی الْبُیُوتِ وَ لِیُعَزِّ بَعْضُهُمْ بَعْضًا بِمُصابِ الْحُسَیْنِ علیه السلام[2]

رونے والے کو حسینؑ پر رونا چاہئے اور اپنے سب گھر والوں کو سید الشہداءؑ پر گریہ کرنے کا حکم دے اور اپنے گھر میں مجلس عزا برپا کرے اور گھر والے روتے ہوئے ایک دوسرے سے ملاقات کریں اور ایک دوسرے کو مصیبت حسینؑ پر تعزیت پیش کریں۔

امام صادقؑ فرماتے ہیں:

تَزاوَرُوا وَ تَلاقَوا وَ تَذاکَرُوا وَ اَحْیُوا اَمْرَنا[3]

---

[1] بحار الانوار، ج ۴۴، ص ۲۸۷

[2] کامل الزیارات، ص ۱۷۵

[3] بحار الانوار، ج ۴۴، ص ۲۸۵

ایک دوسرے کی زیارت و دیدار کرو۔ اور مجلس مذاکرہ برپا کرو اور ہمارے امر (یہ کنایہ ہے جس سے حکومت و قیادت مراد ہے) کو زندہ کرو۔

امام صادقؑ نے فضیل سے پوچھا:

تَجْلِسُونَ و تُحَدِّثُونَ؟ قُلْتُ: نَعَمْ، قالَ: اِنَّ تِلْكَ الْمجٰالِسَ اُحِبُّها فَاُحْيُوا اَمْرَنا، فَرَحِمَ اللهُ مَنْ اَحْيىٰ اَمْرَنا[1]

کیا تم مل (باہم) بیٹھتے ہو اور حدیث و سخن بیان کرتے ہو؟ میں نے کہا: جی ہاں، آپؑ نے فرمایا: ایسی مجالس کو میں پسند کرتا ہوں پس میرا امر (حکومت) زندہ کرو۔ اللہ اس شخص پر رحم کرے جو ہمارے امر کو زندہ کرتا ہے۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ عزاداری اولیاء دین کی تعظیم کرنا شعائر اللہ کی تعظیم کا اہم ترین اور بہترین مصداق ہے جو کہ فرمان قرآن کے مطابق تقویٰ دل کی نشانی ہے۔

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ[2]

جو خدا کی نشانیوں کی تعظیم کرے اس کا یہ کام تقویٰ دل ہے۔

مرحوم علامہ طباطبائی اس آیۂ شریفہ کے ذیل میں کہ خدا کی نشانیوں کی تعظیم کیونکر تقوائے دل ہے؟ یوں رقمطراز ہیں:

تقویٰ کو دل کی طرف نسبت دینا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حقیقت تقویٰ، غضب خدا سے بچنا اور محرمات سے پرہیز اور ایسا امر معنوی ہے جو دلوں سے قائم ہے۔ قلب اور دل سے مراد نفوس ہیں؛

پس تقویٰ ان اعمال سے قائم نہیں جو جسمانی حرکات و سکنات سے عبارت ہیں۔ کیونکہ جسمانی حرکات و سکنات اطاعت و معصیت دونوں میں مشترک ہیں مثلاً جنس مخالف کے بدن کو ہاتھ

---

[1] وسائل الشیعہ ج ۱۲، ص ۲۰

[2] سورہ حج آیت: ۳۲

لگانا اور مس کرنا نکاح و زنا دونوں میں ہوتے ہیں؛ اسی طرح جرم اور قصاص میں قتل کرنا۔ اسی طرح ریاکار اور خدا کے لئے نماز پڑھنے والا۔ یہ سب ظاہراً ایک جیسے ہیں مگر ایک حلال دوسرا حرام ہے۔ ایک اچھا دوسرا برا ہے۔ اسی لئے تقویٰ، قلبی معنوی اور باطنی چیز ہے نہ کہ خود عمل۔ اور نہ وہ عنوان جو افعال سے الگ ہو جاتا ہے جیسے احسان واطاعت وغیرہ۔[1]

د: قبور اہل بیتؑ اور اولیاءِ خدا کی زیارت کی فضیلت و ثواب کا بیان

امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں:

لَوْ یَعْلَمُ النَّاسُ مافی زِیارَةِ قَبرِ الْحُسَیْنِ مِنَ الْفَضْلِ لَماتُوا شَوْقاً[2]

اگر لوگوں کو قبر حسینؑ کی زیارت کا ثواب معلوم ہو جائے تو شوقِ زیارت میں جان دے دیں۔

امام صادقؑ فرماتے ہیں:

اِنَّ اَیّامَ زائِرِی الْحُسَینِ بنِ عَلیٍّ لاٰ تُعَدُّ مِنْ آجالِهِمْ[3]

امام حسینؑ کی زیارت کرنے والے شخص کی زیارت کے دن اس کی عمر میں شمار نہیں ہوتے۔

امام صادقؑ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جو امام حسینؑ کی زیارت کی طاقت رکھنے کے باوجود زیارت نہ کرے۔ آپؑ نے جواباً فرمایا:

اِنَّهُ قَدْ عَقَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ وعقّنا واستَخَفَّ بِأَمْرٍ هُوَلَهُ[4]

---

1 تفسیر المیزان، ج ۱۴، ص ۵۲۸

2 کامل الزیارات، ج ۲، ص ۱۴۲

3 التہذیب، ج ۶، ص ۳۶

4 التہذیب، ج ۶، ص ۳۸، ح ۹۶

بے شک اس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بابت اور ہم اہل بیت کی نافرمانی کی اور جس کام کو انجام دے سکتا تھا اس نے اسے حقیر جانا۔

امام صادقؑ فرماتے ہیں:

اِنّ فاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمّدٍ تَحضُرُ زُوّارَ قبرِابْنِهَا الْحُسَيْنِ فَتَسْتَغْفِرُ لَهُمْ[1]

بتحقیق فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بیٹے حسینؑ کی زیارت کرنے والے شخص کی قبر پر آکر اس کے لئے طلب بخشش کرتی ہیں۔

نیز فرمایا:

مَنْ اَتَى الْحُسَيْنَ عارِفًا بِحَقّهِ كَتَبَهُ اللهُ عزّوجلّ فى اَعْلى عِلّيين[2]

جو شخص زیارت حسینؑ کے لئے ان کا حق پہچان کر آتا ہے اللہ اس کا نام اعلیٰ علیین میں لکھ لیتا ہے۔

امام رضاؑ فرماتے ہیں:

مَنْ زارَ قَبْرَاَبِي عَبْدِ اللهِ بِشَطّ الْفُراتِ كَمَنْ زارَ اللهَ فَوْقَ عَرْشِهِ[3]

جس نے شط فرات پر امام حسینؑ کی زیارت کی گویا اس نے عرش الٰہی پر اللہ کی زیارت کی۔

امام صادقؑ کا ارشاد گرامی ہے:

زُورُوا قَبْرَ الْحُسينِ وَلا تَجْفُوهُ فانّه سَيّدَ شَبابِ اَهْلِ الْجنّةِ عَنِ الْخَلْقِ و سَيّد شَبابِ الشُّهداءِ[4]

---

[1] بحار الانوار، ج ۹۸، ص ۵۵، ح ۱۴

[2] من لایحضرہ الفقیہ، ج ۲، ص ۳۴۲، ح ۱۶

[3] التہذیب، ج ۶، ص ۳۸، ح ۹۶

[4] التہذیب، ج ۶، ص ۳۸، ح ۹۶

قبر حسینؑ کی زیارت کرو اور ان پر جفا نہ کرو کہ وہ اہل جنت کے جوانوں اور جوانانِ شہدا کے سردار ہیں۔

نیز فرمایا:

اَلسُّجُودُ عَلیٰ تُرْبَةِ الْحُسَیْنِ یَخْرُقُ الْحُجُبَ السَّبْعِ[1]

خاکِ شفا پر سجدہ سات پردوں کو پارہ کر دیتا ہے۔

نیز فرمایا:

مَنْ بَاتَ عِنْدَ قَبْرِ الْحُسَیْنِ لَیْلَةَ عَاشُورَا لَقِیَ اللهَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ مُلَطَّخًا بِدَمِهِ كَاَنَّمَا قُتِلَ مَعَهُ فِی عَرْصَةِ كَرْبَلَاء[2]

جو شخص شب عاشور قبر حسینؑ پر گزارے تو اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ وہ اپنے خون میں آلودہ ہو گا گویا وہ امامؑ کے ساتھ میدانِ کربلا میں شہید ہوا ہو۔

ھ: ان شیعوں کے حق میں دعا جو عظمت اہل بیتؑ اور ان کی قبروں کی زیارت کو اہمیت دیتے ہیں۔

امام صادقؑ فرماتے ہیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی جَعَلَ فِی النَّاسِ مَنْ یَفِدُ اِلَیْنَا وَیَمْدَحُنَا وَیَرْثِی لَنَا[3]

---

[1] بحار الانوار، ج۹۸، ص۱، ح۲

[2] بحار الانوار، ج۸۲، ص۱۵۳، ح۱۴

[3] بحار الانوار، ج۹۵، ص۳۴۰، ح۲

تمام تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں جس نے لوگوں میں ایسے اشخاص مقرر کیے جو ہمارے طرف آتے ہیں ہماری مدح کرتے ہیں اور ہمارا مرثیہ کہتے ہیں۔

امام صادقؑ نے مسمع نامی شخص سے فرمایا جو عزائے حسینی میں گریہ اور سوگواری کرنے والا تھا:

رَحِمَ اللهُ دَمْعَتَكَ، اَما اِنَّكَ مِنَ الّذينَ يُعَدُّونَ مِنْ اَهْلِ الْجَزَعِ لَنا والّذينَ يَفْرَحُونَ لِفَرَحِنا و يَحْزَنُونَ لِحُزْنِنا، اَما اِنَّكَ سَتَرى عِنْدَ مَوْتِكَ حُضُورَ آبائى لَكَ[1]

اللہ تیری اشک شوئی پر رحم کرے۔ بے شک تیرا شمار ان لوگوں میں ہے جو ہمارے غم میں پریشان ہوتے ہیں اور ہماری خوشی میں خوش ہوتے ہیں۔ آگاہ رہو کہ تم اپنی موت کے وقت ہمارے بابا کو اپنے پاس موجود پاؤ گے۔

امام صادقؑ بعد از نماز اپنی مناجات میں یوں عرض کرتے ہیں:

اے وہ ذات جس نے ہمیں عزت بخشی اور ہم سے وعدۂ شفاعت کیا مجھے میرے بھائیوں اور میرے جد بزرگوار حسینؑ کے زائرین کو بخش دے۔ یا اللہ! دشمن، ہمارے ان زائرین پر اعتراض کرتے ہیں مگر یہ چیز انہیں ہمارے پاس آنے سے نہیں روکتی۔ یا اللہ ان چہروں پر رحم کر جن کی رنگت کو سورج بدل دیتا ہے اور ان رخساروں پر رحم کر جو قبر حسینؑ سے مس ہوتے ہیں۔ اور ان آنکھوں پر رحم کر جو ہماری ہمدردی میں روتی ہیں اور ان دلوں پر رحم کر جو ہماری وجہ سے تڑپتے ہیں اور اس نالہ و فریاد پر رحم کر جو ہمارے لئے بلند ہوتی

[1] وسائل الشیعہ، ج ۱۴، ص ۵۹۹

ہیں یا اللہ میں انہیں تیرے سپرد کرتا ہوں، تاکہ تو انہیں روز تشنگی (پیاس والے دن) حوضِ کوثر سے سیراب کرے۔[1]

اب تک جو کچھ عزاداری کے بارے میں کہا جا چکا ہے اس سے حاصل ہونے والے نتائج کو ہم یہاں اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں ۔

مجالس عزاداری کے علاوہ اور کوئی عامل ایسا نہیں ہے جو معصومین علیہم السلام کی عظمت کے لیے جذباتی اور معرفتی عوامل کو تقویت اور وسعت دیتا ہو۔

عزاداری دین حق کو زندہ رکھنے اور رہبرانِ الٰہی کے ساتھ لوگوں کے مربوط رہنے کا بہترین، اہم ترین اور قوی ترین ذریعہ ہے۔ اس کی قدرت اور وسعت کے اعتبار سے کوئی اور عمل اس کی جگہ نہیں لے سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ معصومین علیہم السلام نے اپنی شہادت سے قبل آئندہ ہونے والے

1

یا من خصنا بالکرامة، و وعدنا الشفاعة گ اغفرلی و لاخوانی و زوار قبر ابی الحسین بن علی صلوات الله علیهما--- اللّٰهم ان اعدائنا عابوا علیهم خروجهم فلم ینههم ذلك عن النهوض و الشخوص الینا خلافا علیهم، فارحم تلك الوجوه التی غیرتها الشمس، وارحم تلك الوجوه التی غیرتها الشمس، وارحم تلك الخدود التی تقلب علی قبر ابی عبد الله علیه السلام، وارحم تلك الاعین التی جرت دموعها رحمة لنا، وارحم تلك القلوب التی جزعت واحترقت لنا، وارحم تلك الصرخة التی كانت لنا، اللّٰهم انی استودعك تلك الانفس و تلك الابدان حتی ترویهم من الحوض یوم العطش (البحار الانوار: [illegible])

حوادث اور شہادت کے بعد وارد ہونے مصائب کا ذکر کر کے عزاداری کا جواز مہیا کیا ہے تا کہ حوادث کے واقع ہونے پر لوگ عزاداری میں کوتاہی نہ کریں اور اس کے نتیجے میں جذباتی و معرفتی عوامل وجود پا سکیں اور مزید پھیل سکیں۔ معصومین علیہم السلام کے ذریعے امام حسینؑ کے مصائب کا ذکر اور عزاداری کے لئے بجٹ مختص کرنا اور ان کی شہادت کے بعد گریہ اسی طرح امام رضاؑ کا مدینہ سے نکلتے وقت ایران جاتے ہوئے ان پر گریہ کی سفارش کرنے کا یہی مقصد تھا۔

۲۔ معصومین علیہم السلام کے آباء واجداد کی شہادت و مظلومیت کی عزاداری در حقیقت عزاداری کے زندہ رکھنے کی تعلیم اور عملی اقدام ہے جس کی وجہ سے اہم ترین نتائج سامنے آئیں گے۔

۳۔ بہترین اور باقی رہنے والے امور میں سے ایک امر مجالس عزا اور عظمت معصومین علیہم السلام کے لیے رقم مخصوص کرنا ہے۔

۴۔ عظمت عزاداری اور اس کی حیرت انگیز طاقت نے اسے دین کو احیا کرنے والے ایک بے نظیر وسیلے میں بدل دیا ہے، اس میں جذبات اور احساس کا عنصر موجود ہے معصومین علیہم السلام کے کلمات میں گریہ، مصیبت، حزن، مظلومیت اور عزا جیسے الفاظ سے اس بات کا پتا چلتا ہے کہ انسان کی تربیت میں جذ بات اور احساس کا کیا مقام اور اہمیت ہے۔

امام صادقؑ کا ابو ہارون سے یہ فرمانا کہ شعر کو رائج طریقے سے پڑھو۔ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ غمگین اور سریلی آواز اثر رکھتی ہے؛ کیونکہ معمولی طریقے سے شعر پڑھ لینا کافی نہیں۔ یعنی شعر پڑھنے کا لب ولہجہ ایسا ہو کہ جو جذبات واحساسات بیدار کر سکے؛ تا کہ قلبِ انسان متأثر ہو۔

۵۔ خاص سریلی آواز سے پڑھنا ایسا ذریعہ نہیں کہ عزاداری اسی پر منحصر ہے۔ بلکہ ہر جائز اور معقول وسیلہ جو مقصد کو بہتر طریقے سے دلوں تک پہنچائے؛ اہل بیتؑ کی مظلومیت اور مقام کو بہتر انداز میں ظاہر کرے؛ عزاداری میں اس سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ ہنر مندی کا عنصر تمام جائز اور معقول صورتوں میں ایک مکتب فکر کی بقاء میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے جیسے نقاشی، موسیقی، فلم وغیرہ۔

۶۔ عزاداری چونکہ بڑے اچھے اثرات رکھنے کی وجہ سے احیاء دین اور اس کی تعمیر و ترقی میں کلیدی اور اصلی وسیلہ کی حیثیت رکھتی ہے؛ جس کا کوئی نعم البدل نہیں۔ اور اس کی قدر و قیمت تصور و خیال سے بھی بالاتر ہے؛ اس لئے عزاداری کے لئے بہت ثواب بیان کیا گیا ہے۔ یہ سارے اجر و ثواب اس بے مثال وسیلے کے لئے ہیں؛ جس سے "حیات مکتب" وابستہ ہے یہ کوئی عجیب و غریب چیز نہیں؛ بلکہ انتہائی معقول اور منطقی ہے۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ کبھی کبھی ایک انسان کے اعمال اس وجہ سے قابل قدر اور باعث ثواب ہوتے ہیں کہ وہ اس کی روح اور نظام وجودی پر مثبت اثرات مرتب کرتے ہیں۔ ثواب اعمال کا میزان تاثیر کے میزان سے متعلق ہے جو کسی شخص پر اثرات چھوڑتا ہے یا کوئی تبدیلی پیدا کرتا ہے اور کبھی اس بناء پر اجر و ثواب رکھتا ہے کہ وہ تمام انسانی نظام اور معاشرے پر مثبت اثرات ڈالتا ہے۔

عزاداری ایک فرد کی اصلاح کے حوالے سے بھی ثواب رکھتی ہے اور اس جہت سے بھی قابل قدر اور خصوصیت رکھتی ہے کہ وہ اجتماعی نظام کے لئے مؤثر ہے۔ لہٰذا اگر ایک غیر شیعہ یا غیر مسلم عزاداری سید الشہداءؑ میں شریک ہوتا ہے یا مظلومیتِ امامؑ پر گریہ کرتا ہے ؛تو یہ شرکت اور اشک ریزی اس لحاظ سے باعثِ ثواب اور لائقِ قدر ہے کہ اس نے اس طرح "دین حق کے عامل حیات" کو بارونق بنانے میں مدد فراہم کی اور اس کا اجر و ثواب اس کی دنیاوی حاجات کے پورا ہونے کی شکل میں اور اکثر اوقات توبہ کرنے، ہدایت پانے اور ایمان لانے کی صورت میں مل جاتا ہے۔ کیونکہ اس قسم کا گریہ اور کشش در حقیقت ایک قسم کی اصلیت کی مظہر ہے ؛جبکہ اسے امام حسینؑ کی ذات کی علمی یا قلبی شناخت نہیں ہوتی مگر بعض اوقات یہ صورت حال اس کی توبہ اور کفر سے نجات اور ہدایت پانے کا سبب بن جاتی ہے۔ اس کے کئی ایک نمونے عیسایوں اور کلیمیوں کی عزاداری میں ملتے ہیں؛ کہ ان کے لاعلاج مریضوں کو شفامل جاتی ہے۔ زندگی کی بڑی مشکلات حل

ہو جاتی ہیں یا کوئی نہ کوئی ہدایت پا جاتا ہے۔ ہم نے ایران میں عیسائی خاندانوں میں ایسے سینکڑوں واقعات دیکھے ہیں ۔

امام حسینؑ پر گریہ کرنا حقیقتِ انسانیت پر گریہ کرنا ہے و خلیفہ خدا پر گریہ کرنا ہے جو حق تعالٰی کے اسماء و صفات کے مظہر ہیں اور در حقیقت یہ اپنی اصل کی طرف پلٹنا اور ایک طرح سے خدا کی طرف بازگشت ہے اور توبہ کے لحاظ سے یہ ایک امرِ عظیم ہے؛ کہ توبہ کا ایک آنسو آتشِ جہنم کو بجھا دیتا ہے؛ جو انسان کی نجات اور خدا کی طرف واپسی کا موجب بن جاتا ہے۔

علامہ طباطبائیؒ کی نظر میں عزاداری کا ثواب

مرحوم علامہ طباطبائی خود اہل گریہ اور عزادار تھے۔ اس سوال کا جواب کہ امام صادقؑ کے فرمان کے مطابق عزادار کے آنسو کا ایک قطرہ کس طرح جہنم کی آگ بجھا سکتا ہے [1] اس کے جواب میں آپ نے فرمایا:

اس میں کوئی مانع نہیں ہے کہ اللہ کے اِذن اور ارادے سے آنسو کا ایک قطرہ آتش جہنم کو خاموش کر سکتا ہے۔ در حقیقت آنسو کا قطرہ توبہ کی مانند ہے؛ جو گناہوں کی بخشش اور اس کے آثار کے محو ہونے اور عذابِ کے خاتمے کا سبب بنتا ہے، اس کے مقابل نقطہ کفر ہے، جو نیکیوں کے حبط ہونے اور نیکیوں اور بہشتی نعمتوں کی نابودی اور آتش جہنم کے بھڑکانے کا سبب بنتا ہے۔[2]

ایک شبہ کا ازالہ (گریہ کرنا گناہ کرنے کا جواز فراہم نہیں کرتا)

مذکورہ وضاحت سے اس شبہ کا بھی ازالہ ہو جاتا ہے؛ کہ امام حسین ۔ پر گریہ و زاری گناہوں کے لیے توجیہ اور سہارا ہے۔ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ امام حسین ۔ پر صرف گریہ

---

[1] فلوان قطرۃ من دموعہ سقطت فی جھنم، لاطفأت حرھا حتی لایوجد لھا حر وسایل الشیعہ، جلد ۱۴ صفحہ ۵۰۷

[2] در محضر علامہ طباطبائی، ص ۱۸۲

زاری کرنا ایسا عمل ہے جو انہیں عمل صالح اور تقویٰ سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ وہ کوئی بھی برا کام انجام دیں یا اخلاقی پستی کا شکار ہوں کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ اور بس امام حسینؑ پر گریہ و زاری کرنے کی وجہ سے وہ سب اہل نجات میں سے ہیں۔

اس موضوع کی حد سے زیادہ اہمیت کے پیش نظر ہم ان دو نکات کا ذکر ضروری جانتے ہیں:

الف: گریہ وزاری کے آثار: سید الشہداءؑ پر گریہ وزاری کے کچھ آثار ہیں اور ثواب کے اس راز کو ان آثار میں تلاش کرنا چاہیے۔ وہ آثار یہ ہیں:

ا۔ سید الشہداءؑ پر گریہ وزاری ان سے محبت اور ان پر کئے گئے مظالم کے خلاف نفرت کا اظہار ہے۔ ان کے دشمنوں سے نفرت اس امر کا موجب بنتی ہے کہ عزادار کے وجود میں سید الشہداء ۔کے وجود اقدس کے ساتھ قلبی تعلق پیدا ہو۔ یہ تعلق خود بخود ان کے ساتھ محبت میں اضافے کا باعث بنتا ہے۔

۲۔ آنحضرتؑ پر گریہ وزاری کے بعد اور اس سے بالاتر مرحلے میں حضرت کے دشمنوں اور طاغوتوں سے، ظلم کا مقابلہ کرنے اور اس سے نفرت کرنے کا جذبہ بڑھ جاتا ہے اور عزادار اور ان کے پیروکاروں کے برے اعمال و اخلاق اور جن انحرافات سے وہ دوچار ہوتے ہیں؛ دوری اختیار کرتا ہے، وہ فطری طور پر اپنے باطن میں اس حقیقت کو سمجھ لیتا ہے کہ مخالفین کا اخلاق و کردار رضائے معصومین علیہم السلام سے کافی فاصلہ پر ہے اور چونکہ وہ جانتا ہے کہ وہ ظلم، فاسد اخلاق و اعمال اور غلط عقائد کا مقابلہ کرتے ہوئے شہادت کی منزل تک پہنچے تھے؛ لہٰذا وہ مخالفین سے دور رہنے اور اخلاق و کردار اہل بیت علیہم السلام سے قریب ہونے کی کوشش میں لگ جاتا ہے۔

۳۔ سید الشہداءؑ پر گریہ وزاری اہل بیت علیہم السلام سے سنخیت اور شباہت کا موجب بنتی ہے۔ یہ کہ عزادار، خدا اور اہل بیتؑ کی پسند اور رضا کے لیے ایسا کرتا ہے؛ پھر وہ انہیں اپنی زندگی کے

لیے نمونہ عمل بنالیتا ہے اور اس نمونہ کے زیر سایہ وہ خود سازی اور اپنی تربیت میں کافی پیشرفت کر لیتا ہے۔

اس بناء پر معصومین علیہم السلام پر گریہ صرف ایک جذباتی اور احساسات کا معاملہ نہیں؛ بلکہ یہ عاطفی اور معرفت کا راستہ ہے کہ جو عزادار کو مرحلہ بہ مرحلہ اور قدم بہ قدم اسے بالا تر مراتب تک رہنمائی کرتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں عزاداری سیر و سلوک اور انسان سازی کا ایک مکتب ہے۔

ب: پیروی و تقویٰ، محبت کالازمہ ہے:

اہل بیت علیہم السلام پر گریہ وزاری اس وقت پر اثر اور موثر ہوگی؛ کہ جب انسان باطنی طور اچھا بننے اور پاکیزہ رہنے کا ارادہ رکھتا ہو اور دوسری طرف گناہوں پر اصرار نہ کرتا ہو اور حکم خدا کی مخالفت نہ کرتا ہو۔ اگر وہ باطنی طور پر اچھا بننے اور پرہیز گار رہنے کا کوئی ارادہ یا لگاؤ نہ رکھتا ہو اور گناہوں پر ڈٹ جاے اور حکم خدا کی مسلسل مخالفت کرتا رہے تو پھر نتیجہ یہ ہوگا کہ نہ فقط گریہ وزاری بلکہ دیگر عبادات بھی اسے نجات نہیں دے پائیں گی، وہ زیادہ قسی القلب اور خدا و اہل بیتؑ سے زیادہ دور ہوتا چلا جائے گا۔

چنانچہ رسول خدا ﷺ نے نماز کے بارے قرآن مجید کی تعبیر کے مطابق کہ جو فحشا اور منکرات سے بچاتی ہے [1] یہ فرمایا:

مَنْ لَمْ تَنْهَهُ صَلاتُهُ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَ الْمُنْكَرِ لَمْ يَزْدَدْ مِنَ اللهِ إِلَّا بُعْدًا [2]

جسے نماز برائی و بے حیائی سے نہیں بچاتی، تو اس کے لیے خدا سے دوری کے سوا کسی اور چیز میں اضافہ نہیں ہوگا۔

---

[1] سورہ عنکبوت، آیت: ۴۵

[2] مستدرک الوسائل، ج ۴، ص ۱۱۴۔ بحار الانوار، ج ۷۹، ص ۱۹۸

قرآن مجید کے مطابق: اللہ تعالی کی طرف توبہ ان لوگوں کے شامل حال ہے جو جہالت کی وجہ سے گناہ کا ارتکاب کر بیٹھے ہوں؛ نہ کہ جانتے ہوئے یا اصرار کے ساتھ ایسا کیا ہو بلکہ جب وہ آگاہ ہو جائیں تو فوراً منصرف ہو جائیں اور توبہ کر لیں۔

ولیست التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السیات حتیٰ اذا حضر احدهم الموت قال انی تبت الئن ولا الذین یموتون وهم کفار اولئك اعتدنا لهم عذابا الیماً[1]

اور ایسے لوگوں کی توبہ (حقیقت میں توبہ ہی) نہیں جو برے کاموں کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ ان میں سے کسی کی موت کا وقت آپہنچتا ہے تو وہ یہ کہ اٹھتا ہے: اب میں نے توبہ کی؛ اور نہ ہی ان لوگوں کی (توبہ قبول ہے) جو مرتے دم تک کافر رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

اسی طرح قرآن کریم بخشش الٰہی کو ان لوگوں کے شامل حال جانتا ہے جو برے کام کا ارتکاب کریں یا خود پر ظلم کریں، اور اس کے ضمن میں خدا کو یاد کریں اور اس سے بخشش طلب کریں اور انجام گناہ پر اصرار نہ کریں۔

ارشاد الٰہی ہے:

وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَنْ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللهُ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ[2]

"نیک لوگ تو وہ ہیں کی جب ان سے کبھی نازیبا حرکت سرزد ہو جائے یا وہ اپنے آپ پر ظلم کر بیٹھیں تو اس وقت خدا کو یاد کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کی

[1] سورہ نساء، آیت: ۱۷

[2] سورہ آل عمران، آیت: ۱۳۵۔

معافی چاہتے ہیں؛ خود پر ظلم کرتے ہیں خدا کو یاد کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں اور اللہ کے سوا گناہوں کا بخشنے والا اور کون ہے؟! اور وہ جان بوجھ کر اپنے کیے پر اصرار نہیں کرتے ہیں۔"

امام محمد باقرؑ نے قرآن کریم کی اس آیت کی بابت اور گناہ پر اصرار کا معنی بیان کرتے ہوے فرمایا:

اَلْاِصْرارُ اَنْ یَذْنِبَ الْعَبْدُ ولا یَسْتَغْفِرَ ولا یُحَدِّثَ نَفْسَهُ بِالتَّوبَةِ[1]

گناہ پر اصرار کرنا ایسا ہے کہ کوئی شخص گناہ کرے اور طلب مغفرت نہ کرے۔ اور توبہ کی فکر نہ کرے۔

امام صادقؑ اس بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

اَلْاِصرارُ اَمْنٌ ولا یأمَنُ مَكْرَ اللهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخاسِرُونَ[2]

اصرار کا مطلب اپنے آپ کو عذابِ خدا سے امان میں رکھنا اور نقصان اٹھانے والے لوگوں کے سوا کوئی شخص اپنے آپ کو عذابِ خدا سے امان میں نہیں سمجھتا۔

امام علیؑ نے یہ فرمایا:

اَعْظَمُ الذُّنُوبِ عِنْدَ اللهِ ذَنْبٌ اَصَرَّ عَلَيْهِ عامِلُهُ[3]

"اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ وہ ہے جس کا ارتکاب کرنے والا اس پر اصرار کرے۔"

---

[1] مستدرک الوسائل، ج۱۱، ص۳۶۷

[2] بحار الانوار، ج۷۵، ص۲۰۹

[3] مستدرک الوسائل، ج۱۱، ص۳۶۸

اس بنا پر اہل بیتؑ پر گریہ وزاری ہر گز گناہوں اور اس پر اصرار کی توجیہ کا موجب نہیں بن سکتی۔ یہ کیسے ممکن ہے جبکہ سید الشہداءؑ نے گناہوں اور منکرات کے خلاف جہاد کیا ہے۔

سید الشہداءؑ پر گریہ اور اس کا ثواب اسی طرح دیگر عبادات و اعمال کا ثواب اگر انسان کو مغرور بنادے اور یہ گناہوں کے لیے تکیہ گاہ بن جائے، تو یہ اپنے فایدہ اور اثر کو ضائع کردیں گے؛ کیونکہ گریہ وزاری اور دیگر عبادات و عمل صالح کا مقصد پاک ہونا اور تقرب خدا کا حصول ہے؛ نہ کہ گناہوں کے جواز اور حکم خدا کی مخالفت کا ذریعہ۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

يَابْنَ مَسْعُودٍ، لا تَغْتَرَّنَّ بِاللهِ، ولا تَغْتَرَّنَّ بِصَلاحِكَ وعِلْمِكَ و عَمَلِكَ و بِرِّكَ و عِبادَتِكَ[1]

"اے ابن مسعود! اللہ کی وجہ سے مغرور نہ ہو جانا۔ نیز اپنی پرہیزگاری و علم و عمل اور نیکی اور عبادت پر فریفتہ نہ ہونا۔"

امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

انّ مِنَ الْعِزَّةِ بِاللهِ اَنْ يُصِرَّ الْعَبْدُ عَلَى الْمَعْصِيَةِ ويَتَمنّىٰ عَلَى اللهِ الْمَغْفِرَةَ[2]

"انسان کا گناہ پر ڈٹ جانا اور خدا سے طلب مغفرت کی آرزو رکھنا، خدا پر مغرور ہونا ہے۔"

جو شخص صرف عزاداری میں شرکت کرکے شفاعتِ امام حسینؑ پر مغرور ہو جاتا ہے اور آنحضرتؑ کی محبت و شفاعت پر تکیہ اور بھروسہ کرکے واجباتِ الٰہی میں سستی اور بے توجہی کرنے

---

[1] مکارم الاخلاق، ج ۲، ص ۳۵۱۔

[2] وسائل الشیعہ، ج ۷، ص ۱۳۷۔

لگتا ہے ۔اس خیالی محبت و شفاعت کے بل بوتے پر محرمات کا مرتکب ہوتا ہے اس نے نہ توامام حسینؑ کو پہچانا ہے اور نہ ہی وہ محبت و شفاعت کی حقیقت سے آشنا ہوا ہے؛ کیونکہ آخرت کی شفاعت دنیا کی شفاعت سے جدا اور لاتعلق نہیں ہے۔ اس لیے کہ جس کی محبت دنیا میں اس کی شفیع نہ بن سکی وہ جہنم کی آلودگی اور گناہ سے کیسے نجات دے گی۔ حقیقت میں یہ محبت واقعی نہ تھی۔ایسی محبت جو دنیا میں انسان کو گناہوں سے نہ روک سکی، تووہ آخرت میں انسان کو جہنم سے بچانے کی قدرت نہیں رکھتی۔ایسی محبت جو انسان کو اس کے محبوب کے سامنے لے آئے اور اسے محبوب کی مخالفت و معصیت کی ترغیب دے، تو یہ ایک خیال باطل اور جھوٹ ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

امام حسینؑ عبودیت خدا اور فرامین الٰہی کے جاری کرنے کی وجہ سے قابل قدر اور باعظمت ہیں اور حضرت امام حسینؑ نے اپنے قیام کا ہدف امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور باطل سے جہاد کو قرار دیا ہے۔

عزاداری سے اس قسم کی غلط اور افراط پر مبنی تعبیرات اور اس کے لیے اذکار و اعمال کے ثواب کی وجہ ایک تو سطحی مطالعہ ہے دوسرا ہمارے وہ مبلغین جو کم تعلیم یافتہ اور سطحی سوچ رکھتے تھے اور ان کی غلط تربیت کی وجہ سے وہ عوامی مقبولیت حاصل کر گئے اور عوام کے ذہنوں میں غلط مطالب داخل کر دیئے۔

ایسے مبلغین کی اہل بیت علیہم السلام نے مذمت کی ہے۔اہل بیت علیہم السلام نے ہمیشہ چند امور سے منع کیا ہے۔ منجملہ اعمال کے ثواب کا زیادہ بتانا، شفاعت، اہل بیتؑ کی غلط کیفیت بیان کرنا، اور اہل بیت کے وجہ سے لوگوں کو مغرور کرنا نیز شفاعت و محبت اہل بیت علیہم السلام کے سہارے گناہوں کے لیے جرأت پیدا کرنا۔امام سجادؑ اس بارے میں فرماتے ہیں:

حَدِّثُوا النَّاسَ بِمَا يَعْرِفُونَ وَلَا تُحَمِّلُوهُمْ مَا لَا يُطِيقُونَ فَتَغُرُّونَهُمْ بِنَا[1]

---

[1] بحار الانوار، ج۲، ص۷۸

"لوگوں سے ان کے فہم و شعور کے مطابق بات کرو۔ جسے سمجھنے کا ان میں فہم و حوصلہ نہیں ہے وہ بات مت کہو تاکہ وہ ہماری وجہ سے مغرور نہ ہوں۔"

امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں:

وَاللهِ ما مَعَنا مِن اللهِ بَراءةٌ، ولا بَیْننا و بَین اللهِ قَرابةٌ، ولا لَنا علَی اللهِ حُجّة، و لا نَتَقرّبُ اِلی اللهِ اِلّا بالطّاعَة، فَمَن کانَ مِنکُم مُطیعًا للهِ تَنْفَعُهُ وِلایَتُنا، ومَنْ کانَ مِنْکُم عاصیًا للهِ لَمْ تَنفعْهُ ولایَتُنا۔ و یحکُم لا تَغْتَرّوا! ویحکُم لا تغتَرّوا[1]

واللہ ہمیں اللہ کی جانب سے کوئی برائت حاصل نہیں ہے۔ ہمارے اور اللہ کے درمیان کوئی رشتہ داری نھیں؛ ہماری اللہ پر کوئی حجت نہیں۔ ہم اللہ کی اطاعت کے ذریعے اس کا تقرب حاصل کرتے ہیں، ہماری ولایت اسی کے لیے نفع بخش ہے جو اللہ تعالٰی کا اطاعت گزار ہے۔ خدا کے نافرمان کو ہماری ولایت کوئی فائدہ نہ دے گی۔ تم پر وائے ہو دھوکہ نہ کھاؤ، دھوکہ نہ کھاؤ۔

امام زمانہؑ اس طرح اپنے شیعوں کو گناہوں سے بچنے کی تلقین فرماتے ہیں:

فیْما وَرَدَ عَنْهُ الی الشَّیْخ الْمُفید: فَلْیَعْمَلْ کُلُّ امْرِءٍ مِنْکُمْ بِما یُقَرِّبُ بِهِ مِنْ مَحَبَّتنا وَلْیَتَجَنَّبْ ما یُدْنیهِ مِن کِراهَتِنا وَ سَخَطِنا، فَاِنّ اَمْرَنا بَغْتَةً فَجاءَةً حینَ لا تَنْفَعُهُ تَوبَةٌ ولا یُنْجیهِ مِنْ عِقابِنا نَدَمٌ علی حَوْبَةٍ[2]

---

[1] وسائل الشیعہ، ج ۱۱، ص ۱۸۵، ح ۴

[2] احتجاج، ج ۲، ص ۵۹۹

تم میں سے ہر شخص ایسا کام کرے جو اسے ہماری محبت کے قریب کر دے اور برے اعمال سے اجتناب کرنا چاہئے جو انہیں ہماری ناراضگی اور کراہت کے قریب کر دے کیونکہ ہمارا امر (ظہور) ناگہانی اور اچانک ہو گا جبکہ اس وقت توبہ اسے کوئی نفع نہ دے گی اور گناہوں پر ندامت اسے نجات نہ دے سکے گی۔

وجود مقدس سید الشہداءؑ اطاعت کے بغیر محبت کو قبول نہیں کرتا۔ آپ کا ایک نورانی فرمان ہے جو شخص مجھے دوست رکھتا ہے اس کا شمار ہم اہل بیت میں ہوتا ہے سننے والوں نے تعجب سے پوچھا: کیا اس کا شمار آپ میں سے ہو گا؟ تو آپؑ نے فرمایا: ہاں وہ ہم اہل بیتؑ میں شمار ہوتا ہے۔ آپ نے اس جملے کا تین بار تکرار کیا اور فرمایا:

کیا تم نے قرآن میں ابراہیم خلیل کا یہ فرمان نہیں سنا۔ جو میری پیروی کرے گا وہ مجھ سے ہے [1]۔ [2] اس بنا پر سید الشہداءؑ سے محبت ان کی نظر میں اطاعت سے عبارت ہے۔

حقیقی محب، دنیا میں اہل بیت کا تابع اور ان کا، فرمانبردار ہوتا ہے اور آخرت میں اہل بیت کی ہمراہی میں داخل بہشت ہو گا۔ جیسا کہ امام المتقینؑ کا ارشاد گرامی ہے:

أَخْبَرَنِي رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِنَّ أَوَّلَ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ أَنَا وَ فَاطِمَةُ وَالْحَسَنُ وَ الْحُسَيْنُ۔ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ فَمُحِبُّونَا؟ قَالَ: مِنْ وَرَائِكُمْ [3]

مجھے رسول اللہ ﷺ نے خبر دی ہے کہ سب سے پہلے میں، فاطمہ اور حسن و حسین علیہم السلام داخل جنت ہوں گے۔ میں نے کہا: یا رسول اللہؐ! ہمارے دوستوں کا کیا ہو گا؟ فرمایا: وہ تمہارے بعد بہشت میں داخل گے۔

---

[1] { من اتبعنی فانہ منی } سورہ ابراہیم، آیت: ۳۶

[2] نزھۃ الناظر و تنبیہ الخاطر، ص ۸۵، حدیث ۱۹

[3] بحار الانوار، ج ۶۵، ص ۱۲۷، ح ۵۶۔

نیز فرمایا:

اَنَا مَعَ رَسُولِ اللہ ﷺ وَ مَعی عِتْرَتی و سِبْطَیَ عَلَی الْحوضِ، فَمَنْ اَرادَنا فَلْیأخُذْ بِقولنا، وَلْیَعْمَلْ عَمَلَنا

میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہوں گا اور میرے ساتھ میری عترت اور دونوں بیٹے ہمارے ساتھ حوض کوثر پر ہوں گے۔ پس جو ہمیں چاہتا ہے اسے چاہیئے کہ ہمارے فرامین کو اپنائے اور ہمارے عمل کے مطابق عمل کرے۔

اس بنا پر جملہ گناہانِ صغیرہ و کبیرہ کی بخشش اور ایک قطرۂ اشک سے آتش جہنم کے بجھ جانے کی خوشخبری اس شخص کے شامل حال نہیں جو اہل گناہ ہے اور اسے انجام دینے پر اصرار کرتا ہے اور پرہیز گار بننے اور توبہ کرنے کا ارادہ بھی نہیں رکھتا۔ اس لیے جن روایات میں ان آثار و ثواب کا ذکر ہوا ہے وہ مومن کے لئے ہوا ہے۔ چنانچہ امام سجادؑ کے گزشتہ فرمان میں گزرا۔ آپؑ فرماتے ہیں:

اَیُّما مُؤمِنٍ دَمعتْ عَیْناہُ لِقَتْلِ الْحُسَیْنُ بْنُ عَلی دَمْعَۃً حَتّی تَسِیلَ عَلی خَدِّہِ بَوّاہُ اللہُ بِھا فِی الْجَنَّۃِ غُرَفًا[1]

جس مومن کی آنکھ سے ایک آنسو نکل کر اس کے رخسار پر بہہ نکلے اللہ تعالی اسے جنت کے محلات میں جگہ دے گا۔

ج۔ ممکن ہے کہ بعض اوقات ذکر کے آثار و ثواب کا دارومدار کسی شخص کی آیندہ کیفیت کے پیش نظر ہو۔ جیسا کہ مرحوم علامہ طباطبائی نے فرمایا ہے:

حقیقت میں یہ قطرہ اشک توبہ کی مانند ہے جو گناہوں کی بخشش، گناہوں کے اثرات کے محو ہونے اور رفع عذاب کا باعث بن جاتا ہے۔

---

[1] بحار الانوار، ج ۴۴، ص ۲۸۵

بالفاظ دیگر اس گریہ کی ماہیت و حقیقت سچی توبہ کی مانند ہے۔ جس کا نتیجہ ترک گناہ، گزشتہ خامیوں کو دور کرنے اور انسان کے باطن سے گناہوں کے اثرات کے مٹ جانے کی صورت میں نکلتا ہے۔ اس کی مزید وضاحت یہ ہے کہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض اعمال خیر اس قدر موثر ہوتے ہیں کہ اگر کوئی گنہگار اسے انجام دے؛ تو اس کے دل میں نورِ ہدایت کی شمع روشن ہو جاتی ہے اور وہ شخص آہستہ آہستہ ہدایت پا جاتا ہے اور وہ حقیقی توبہ کے مقام پر پہنچ کر گناہوں کو ترک کر دیتا اور گزشتہ کمزوریوں کا مداوا کر لیتا ہے۔ ان صالح اعمال میں سے ایک عمل نماز ہے ؛ کہ اگر ایک گنہگار انسان نماز پابندی سے پڑھتا رہے تو عین ممکن ہے یہی نماز اس کے دل پر اس طرح اثر انداز ہو کہ وہ خواب غفلت سے بیدار ہو کر آستانہ قدس الٰہی پر مکمل طور پر جھک جائے۔ ہم نے اپنی زندگی میں کئی ایک ایسے افراد کو دیکھا ہے۔

پیغمبر اکرم ﷺ نے ایک ایسے ہی نمازی کے بارے میں فرمایا جو نماز پڑھنے کے ساتھ ساتھ اعمال بد بھی انجام دیتا تھا۔

اِنَّ صَلاتَہُ تَنْهاهُ یَوْمًا مّا[1]

اس کی نماز ایک نہ ایک دن اسے برے کاموں سے روک لے گی۔

حضور ﷺ کا یہ فرمان سچ ثابت ہوا کہ کچھ عرصے کے بعد اس شخص نے توبہ کر لی۔

ایک شخص کے بارے میں ہے کہ وہ دن کو نماز پڑھتا اور رات کو چوری کرتا تھا۔ آپؐ نے فرمایا:

اِنَّ صَلاتَہُ لَتَرْدَعُہُ[2]

اس کی نماز اسے چوری کے عمل سے روک لے گی۔

1 بحار الانوار، ج۷۹، ص۱۹۸

2 بحار الانوار، ج۷۹، ص۱۹۸

امام حسینؑ پر گریہ ان اچھے اعمال میں سے ہے کہ اگر کوئی گنہگار گناہوں میں آلودہ ہونے کے باوجود ان کے مصائب پر روتا ہے تو گریہ اسے نجات دے دے گا۔ عزاداری امام حسینؑ کی تاریخ ایسے افراد سے بھری پڑی ہے اس کا ایک واضح نمونہ رسول ترک ہے ہم قارئین کرام کو اس کا مطالعہ کرنے کی تاکید کرتے ہیں ۔[1]

یہ بہت دیکھا اور سنا گیا ہے کہ بعض محبانِ اہل بیت علیہم السلام جو گناہوں اور برائیوں کے ارتکاب میں مشہور تھے۔ وہ مجالس امامؑ میں بڑے اہتمام سے شمولیت کرتے تھے۔ مجالس عزا برپا کرنے میں بہت زحمتیں اور مشقتیں اٹھاتے تھے۔ ایک وقت ایسا آیا کہ ان میں مجلس و گریہ کی برکت سے انقلاب آگیا اور انہوں نے حقیقی توبہ کرلی۔

یہ بھی بہت دیکھنے اور سننے میں آیا ہے ؛ کہ ملک کے اندر اور باہر ؛ بعض غیر مسلم سید الشہداءؑ پر گریہ کرنے یا ان سے توسل کرنے یا اہل بیت علیہم السلام کے باعظمت اور پر شکوہ مکتب کی کسی خدمت کے صلہ میں ہدایت پاگئے اور اہل بیت علیہم السلام کے نورانی مکتب سے وابستگی کا شرف حاصل کرلیا۔ البتہ توفیق گریہ اور معصومین علیہم السلام خصوصاً امام حسینؑ کے حلقۂ ارادت میں شمولیت ہر غیر مسلم کے نصیب میں نہیں ہوتی ؛ یہ توفیق صرف ان لوگوں کے شامل حال ہوتی ہے جو حالت کفر ہی میں سید الشہداءؑ کے پاکیزہ ہدف اور مقصد سے قلبی ربط رکھتے ہوں۔ اس بناء پر غیر مسلم اکثریت اس توفیق سے محروم رہتی ہے[2]۔ جس طرح کہ بعض مسلمان بھی یہ توفیق حاصل نہیں کرپاتے۔ یہ سید الشہداءؑ کی عظمت ہے کہ ان کی بارگاہ میں چھوٹی سی خدمت بھی بڑا اجر و ثواب رکھتی ہے۔ اگر خداوند تعالیٰ کسی گریہ کرنے والے کو جس کا خون بقائے دین کا باعث بنا ہو بہت بڑا

---

[1] اس مقصد کے لئے محمد حسن سیف الٰہی کی کتاب "رسول ترک" کی طرف رجوع کریں جو مسجد جمکران کی مطبوعات میں سے ہے۔

[2] جو لوگ ہدایت نہیں پاتے انہیں اکثر دنیاوی صلہ مل جاتا ھے مثلاً وہ خود یا ان کے رشتہ دار کسی مرض سے شفا پاگئے۔ یا ان کی مالی اور دوسری مشکلات حل ہوگئیں لیکن وہ حقیقی ہدایت سے محروم رہے۔

اجر عطا کر دے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ۔ عامن سامانی مرحوم نے عظمت کے اس راز کو کس خوبصورتی سے بیان کیا ہے :

جبرائیل آمد کہ ای سلطان عشق
یکہ تاز عرصہ ی میدان عشق
دارم از حق بر تو ای فرخ امام
هم سلام و هم تحیت هم پیام
گوید ای جان حضرت جان آفرین
مر ترا بر جسم و بر جان، آفرین
محکی هاازدر تو میثاق مراست
روسپیدی از تو و عشاق مراست
این دوئی باشد ز تسویلات ظن
من توام، ای من تو، در وحدت تو من
چون خودی را در رهم کردی رها
تو مرا خون، من ترا یم خونبها
هرچه بودت، داده ی اندر رهم
در رهت من هرچه دارم می دهم[1]

مصیبت عظیم کے مقابل امام زمان کا موقف

اب ہم بقیۃ اللہ حضرت حجت ابن الحسن العسکری عجل اللہ تعالی فرجہٗ الشریف کو دیکھتے ہیں جو اپنے پاک جد کے خون کا حقیقی انتقام لینے والے بھی ہیں کہ ان کا وجود نازنین و نورانی اپنے جد پاک، ان کی آل و اصحاب کی شہادت اور مخدرات عصمت و طہارت کی اسیری کے بارے میں کیا

---

[1] گنجینہ الاسرار، صص ۱۶۸۔۱۶۷

جذبات و احساسات رکھتا ہے۔ امام حسینؑ کی شجاعت کے بارے میں امام زمانؑ کے موقف کی تحقیق کے لئے تو ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے۔ ہم یہاں اس حوالے سے صرف اہم ترین موقف کو زیر بحث لائیں گے۔ اس سلسلے میں ہم یہ کہتے ہیں کہ زیارت ناحیہ مقدسہ کو ایک طرح سے زیارت عاشورا کے ایک حصے کی شرح یا تفسیر کہا جا سکتا ہے۔ جس کی امام امانہ علیہ السلام نے خصوصی تاکید کی ہے[1]۔ اس زیارت کو پڑھنے اور غور کرنے سے یہ نتیجہ حاصل کیا جا سکتا ہے کہ کوئی بھی شخص امام زمانؑ سے بڑا عزادار نہیں اور کسی نے بھی ان سے زیادہ یا شدت سے عزاداری نہیں کی اور کر بھی نہیں سکتا۔ وہ جو خود مظہر خدا اور فرزندِ حسینؑ ہیں اور حسینؑ اور کربلا کو سب سے بہتر جانتے ہیں۔

کسی نے ان کی طرح سے اپنے جد کی مرثیہ خوانی نہیں کی۔ وہ علم خدا کا سرچشمہ ہیں۔ زمان و مکان ان کے لئے حجاب نہیں ان کے لئے گزشتہ اور آئندہ اور حال کا علم ایک جیسا ہے۔ وہ سانحہ کربلا کی تمام جزئیات پر علمی اور وجودی احاطہ رکھتے ہیں۔ انہوں نے میدان کربلا کو دیکھ کر اور اس کے کناروں پر گریہ وزاری کی، مرثیہ پڑھا اور عزاداری کی ہے۔ انہوں نے تمام مصیبتوں، اپنی ماں پر وارد ہونے والی مصیبتوں، معصومین علیہم السلام، ان کے آل و اصحاب خصوصاً اپنے جد بزرگوار امام حسینؑ پر آنے والے مصائب کو اپنے گوشت پوست، اپنے خون، جسم و جان کے ذرہ ذرہ پر محسوس کیا ہے۔ کیا ایسا نہیں کہ انہوں نے اس لحاظ سے کہ وہ نور واحد اور روح واحد ہیں۔ ایک بار بدن رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جان دی۔ ایک بار پھر اپنی مادر گرامی کے ساتھ در و دیوار کے درمیان تھے اور ایک بار، بنی ہاشم کے تنگ کوچے میں تھپڑ کھائے۔

ایک بار پھر انہیں ہاتھ باندھ کر گلے میں رسی ڈال کر بیعت کے لئے مسجد کی طرف لایا گیا اس کے بعد اپنی ماں کے ساتھ نہایت مظلومی کی حالت میں شہادت پائی۔ اپنے جد علیؑ کے ساتھ ۲۵

---

[1] مفاتیح الجنان میں سید رشتی کی حکایت جو کہ زیارت جامعہ کبیرہ کے بعد آئی ہے اس سے رجوع کریں اور دیگر منابع بھی

سال طویل عرصہ تنہائی اور مظلومیت میں اس مشکل سے گزارا گویا آنکھ میں کانٹا اور گلے میں ہڈی ہو۔ یہاں تک کہ امام حسن مجتبیٰؑ کے ساتھ زہر پینا پڑا اور ان کے جنازۂ مطہر پر تیروں کی بارش ہوئی۔ امام حسین، حضرت عباس اور جناب زینب عالیہ علیہم السلام کے ہمراہ اسلام اور مسلمانوں کی مصلحتوں کے پیش نظر غم و غصہ کو سینے میں روکے رکھا۔ ان تین بزرگواروں کے ساتھ کربلا تشریف لائے۔ کربلا میں دوسرے مجاہدین کے ساتھ تیروں، نیزوں اور تلواروں کے زخم کھائے۔ پیاس برداشت کی پھر اسیرانِ کربلا کے ہمراہ اسیر غربت ہو کر تازیانے اور کوڑے کھائے۔ کوفیوں اور شامیوں کی زبان اور پتھروں کے زخم کھائے اور ابن زیاد اور یزید کو برداشت کیا۔ امام زمانؑ کے مرثیے ہی اس قسم کے ہیں کہ ایسے مرثیے صرف وہی شخص پڑھ سکتا ہے جو وہاں موجود ہو اور تمام واقعات کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہو۔

آپ کا مرثیہ

ہاں اے جد بزرگوار! وہ آپ سے دشمنی کی وجہ سے آپ کے مقابلے میں نکلے۔ آپ نے بھی انہیں اللہ کے عذاب سے ڈرانے اور حجت الٰہی کی تاکید کے بعد ان سے مبارزہ کیا۔ انہوں نے آپ سے کیے گئے عہد و پیمان توڑ دیئے اور آپ کے پروردگار اور آپ کی جد کو ناراض کیا اور آپ سے جنگ کا آغاز کر دیا؛ پھر آپ انہیں نیزہ و شمشیر کے زخم لگانے کے لئے تیار ہو گئے اور آپ نے لشکر بدکار کو ہلاک کیا اور آپ ذوالفقار لے کر میدانِ جنگ کے گرد و غبار میں اس طرح داخل ہوئے کہ حقیقتاً علیؑ بزرگوار لڑ رہے تھے؛ جب انہوں نے آپ کو قوی دل دیکھا کہ آپ کو کوئی خوف و ہراس نہیں؛ تو انہوں نے آپ کے راستے میں مکر و فریب کے جال بچھا دیئے تو وہ شریر برسرپیکار ہو گئے عمر سعد لعین نے اپنے لشکر کو حکم دیا کہ وہ آپ کو پانی نہ پہنچنے دیں۔ اور آپ سے جنگ کرنے میں

تیزی دکھائی۔ وہ اونٹوں سے اتر کر گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ باہم مل کر تیزی سے جنگ شروع کر دی۔ آپ پر تیروں اور پتھروں کی بارش ہونے لگی آپ کی طرف ظلم کے ہاتھ بڑھا دیئے۔

آپ کے دوستوں کے قتل کرنے اور لوٹ مار کرنے میں کسی حق و حرمت کا خیال نہ کیا ،نہ اس کام کے بارے ارتکابِ گناہ کا سوچا۔ آپ جنگ کی اذیتوں کو بڑے صبر و تحمل سے برداشت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ آسمان کے ملائکہ آپ کے صبر و تحمل پر انگشت بدندان تھے۔ پس ظالموں نے آپ کو ہر طرف سے گھیر لیا اور آپ کو زخم پر زخم لگانے لگے اور آپ پر راستے بند کر دیئے آپ کا کوئی مددگار نہ رہا۔ آپ معاملہ خدا کے حوالے کر کے صبر سے کام لے کر اپنی خواتین اور اولاد کا دفاع کر رہے تھے۔ حتیٰ کہ انہوں نے آپ کو گھوڑے سے گرا دیا۔ اور آپ زخموں سے چور چور ہو کر زمین پر گر پڑے۔ لشکر کے گھوڑے آپ کو سموں سے کچل رہے تھے اور سرکش ستمکار اپنی تلواروں سے آپ پر ٹوٹ پڑے۔ اور موت کا پسینہ آپ کی جبین مبارک پر آچکا تھا اور آپ کے دست و پا، دائیں بائیں سمٹتے اور پھیلتے تھے اور آپ چشمائے نیم وا سے اپنے خیموں اور بیٹیوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ حالانکہ ان تکلیف دہ حالات میں آپ کو اہل و عیال کا خیال نہ آسکتا تھا اور اس وقت آپ کا گھوڑا بڑی تیزی سے ہنہنایا اور روتے ہوئے آپ کے خیام کے طرف دوڑا۔ جب آپ کے اہل حرم نے آپ کے راہوار کو بے سوار آتے دیکھا کہ آپ کے گھوڑے کی زین ایک طرف ڈھلکی ہوئی ہے؛ تو وہ خیموں سے کھلے بال چہروں پر طمانچے مارتے ہوئے؛ بغیر چادروں کے آہ و بکا کرتے ہوئے نکل پڑے کہ عزت کے بعد ذلیل کیا گیا۔ وہ سب تیزی سے آپ کی قتل گاہ کی طرف جانے لگے۔

ہائے افسوس اس وقت شمر لعین آپ کے سینے پر سوار تھا اور اپنا خنجر آپ کی گردن پر پھیر رہا تھا وہ ظالم آپ کی ریش اقدس کو پکڑ کر اپنی تلوار سے آپ کو ذبح کر رہا تھا؛ آپ کے حواس ساکن ہو گئے آپ کی سانس رکنے لگی تھی۔ یہاں تک کہ آپ کے سر اقدس کو قطع کر کے نیزے پر اٹھالیا

اور آپ کے اہل حرم کو غلاموں کی طرح قید کر لیا اور آہنی زنجیروں میں بری طرح جکڑ کر اونٹوں پر بٹھا دیا گیا دن کو دوپہر کی گرمی سے ان کے چہرے جھلسنے لگے اور وہ غریب الدیار کشاں کشاں بیابانوں اور جنگلوں میں پھیرائے جاتے رہے۔ جبکہ ان کے ہاتھ پس گردن بندھے ہوئے تھے۔ اس حال میں انہیں بازاروں میں پھرایا جاتا رہا۔

ہاں وہ اپنے جد شہید، ان کی آل واصحاب کی غربت و مظلومیت کے گواہ ہیں وہ اس طرح ان کی بارگاہ میں سلام پیش کرتے ہیں۔

السلام۔ سلام اس ہستی پر جس کے خیموں کی حرمت پامال کی گئی۔ سلام غریب الغرباء پر سلام شہیدوں کے شہید پر۔ سلام اس پر جو حرام زادوں کے ہاتھوں شہید ہوا۔ سلام اس پر جس پر آسمان کے فرشتوں نے گریہ کیا۔ چاک شدہ گریبانوں پر سلام۔ خشک لبوں پر سلام۔ مصیبت زدہ جانوں پر سلام۔ برہنہ جسموں پر سلام۔ سلام ان جسموں پر جن کا رنگ بدل چکا تھا۔ جاری ہونے والے خون پر سلام۔ ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے اعضاء پر سلام۔ نوک نیزہ پر بلند کئے گئے سروں پر سلام۔ شیر خوار اصغر پر سلام۔ لوٹے گئے بدنوں پر سلام۔ جنگلوں میں پڑی ہستیوں کو سلام۔ وطن سے دور شخصیات پر سلام۔ بے کفن دفن ہونے والوں کو سلام۔ بدن سے جدا کئے گئے سروں پر سلام۔ بے یار و مددگار مظلوموں پر سلام۔ سلام اس پر جس پر جبرئیل فخر کرتے تھے۔ سلام اس پر جس سے میکائیل نے گہوارے میں گفتگو کی۔ سلام اس پر جس کا عہد و پیمان توڑا گیا۔ سلام اس پر جس کی ہتک حرمت کی گئی۔ سلام اس پر جس کا خون ظلماً بہایا گیا۔ سلام اس پر جسے اپنے خون سے غسل دیا گیا۔ سلام اس پر جو جام نیزہ سے سیراب ہوا۔ اس پر سلام جس کا خون مباح کیا گیا۔ سلام اس پر جس کا سر پس گردن سے کاٹا گیا۔ سلام اس پر جس کے بدن کو دیہاتیوں نے دفن کیا۔ سلام اس پر جس کی شاہرگ حیات کاٹی گئی۔ سلام اس پر جو حمایت دین میں بے یار و مددگار رہا۔ سلام اس پر جس کی ریش مقدس خون سے خضاب ہوئی۔ سلام اس پر جو ٹھوڑی کے بل خون آلود ہوا۔ سلام اس پر جس کے بدن کا لباس لوٹا گیا۔ اس پر سلام جس کے دندانِ مبارک پر چھڑی ماری گئی۔ ان مقدس برہنہ

جسموں پر سلام جن کو انسانی بھیڑیوں نے پارہ پارہ کیا اور خونخوار درندے ان کے پاس آتے جاتے تھے سلام اس پر جس کا دل آپ کی مصیبت پر زخمی ہے۔ اور آپ کو یاد کر کے گریہ وزاری کرتا ہے سلام مصیبت زدہ، غمگیں، حیران و پریشان بے چارے پر۔[1]

یہ سارے دلخراش مناظر جو امام زمانؑ نے دیکھے اور ان کی نقشہ کشی فرما رہے ہیں۔ جن سے ان کا قلب مبارک پارہ پارہ ہے یہاں تک کہ اپنے آپ کو مصیبت زدہ، غمگیں، حیرت زدہ اور

---

[1] { و واجهوك بالظلم والعدوان، فجاهدتهم بعد الايعاز لهم (الا يعاذ اليهم) و تاكيد الحجة عليهم، فنكثوا ذمامك و بيعتك و اسخطوا ربك و جدك، و بدؤك بالحرب، فثبت للطعن والضرب، و طحنت جنود الفجار، و اقتحمت قسطل الغبار، مجالدا بذى الفقار، كانك على المختار، فلما راوك ثابت الجاش، غير خائف ولا خاش، نصبوا لك غوائل مكرهم و قاتلوك بكيدهم و شرهم و امر اللعين جنوده، فمنعوك الماء و وروده، و ناجزوك القتال و عاجلوك النزال، و رشقوك بالسهام والنبال، و بسطوا اليك اكف الاصطلام، ولم يرعوا لك ذماما، ولا راقبوا (راعوا) فيك اثاما، فى قتلهم اوليائك و نهبهم رحالك، و انت مقدم فى الهبوات، و محتمل للاذيات، قد عجبت من صبرك ملائكة السماوات، فاحدقوا بك من كل الجهات، و اثخنوك بالجراح، وحالوا بينك و بين الرواح، ولم يبق لك ناصر، وانت محتسب صابر، تذب عن نسوتك و اولادك حتى نكسوك عن جوادك (جوارك)، فهويت الى الارض جريحا، تطؤك الخيول بحوافرها او (و) تعلوك الطغاة ببواترها۔ قد رشح للموت جبينك، و اختلفت بالانقباض والانبساط شمالك و يمينك تدير طرفا خفيا الى رحلك و بيتك، وقد شغلت بنفسك عن ولدك و اهاليك و اسرع فرسك شاردا، الى خيامك قاصدا، محمحما باكيا۔ فلما راين النساء جوادك مخزيا، و نظرن (نظرت) سرجك عليه ملويا، برزن من الخدور، ناشرات الشعور، على الخدود لاطمات للوجوه سافرات، (و) بالعويل داعيات و بعد العز مذللات، و الى مصرعك مبادرات۔ والشمر جالس على صدرك، و مولغ (مولع) سيفه على نحرك، قابض على شيبتك بيده، ذابح لك بمهنده، قد سكنت حواسك، و خفيت انفاسك، و رفع على القناة (القنا) رأسك، و سبى اهلك كالعبيد، و صفدوا فى الحديد، فوق اقتاب المطيات، تلفح وجوههم حر الهاجرات، يساقون فى البرارى والفلوات، ايديهم مغلولة الى الاعناق يطاف بهم فى الاسواق } (بحار الانوار ج ۹۸، ص ۳۲۱ و ۳۲۲)

بے چارہ فرمارہے ہیں یہ سب مصیبت امامؑ کی شدت اور سختی کی نشاندہی کرتی ہے۔ اگر ان میں کسی بھی مصیبت کے لئے عمر بھر گریہ کریں اور ہم اپنے امام کی طرح مصیبت زدہ، غمگین اور حیران و پریشان ہو جائیں اور ہم ان مصائب کی وجہ سے موت سے ہمکنار ہو جائیں تو یہ عمل درست ہو گا۔ ان تمام مصائب کے غم میں جان دینا کیونکر حق اور شائستہ نہ ہو گا؛ جبکہ امام زمانؑ اپنے مظلوم اور غریب جدّ کو یوں خطاب فرماتے ہیں:

فَلَأَنْدُبَنَّكَ صَباحًا وَ مَساءً، وَلَأَبْكِيَنَّ لَكَ بَدَلَ الدُّموعِ دَمًا، حَسْرَةً عَلَيْكَ، وَ تَأَسُّفًا عَلىٰ ما دَهاكَ، وَتَلَهُّفًا حَتّىٰ أَمُوتَ بِلَوْعَةِ الْمُصابِ، وَغُصَّةِ الْاِكْتِيابِ[1]

میں آپؑ پر صبح و شام نالہ و فریاد کروں گا اور میں آپ کے مصائب پر رنج و غم اور آہ پُردرد کی وجہ سے آنسوؤں کے بدلے خون کے آنسو روؤں گا؛ یہاں تک کہ اسی سوزش غم اور غم و غصہ میں موت کی آغوش میں چلا جاؤں گا۔

پس اس مصیبت عظیم کے بالمقابل اور محمد و آل محمد علیہم السلام پر کئے گئے مظالم کے یاد آنے پر ہمارا اہم وظیفہ وہی بنتا ہے جو امام زمانؑ نے فرمایا یعنی آہ و بکا۔ مصیبت زدہ رہنا، حزن و ملال، حیرانگی، بے چارگی اور ان سب کو ساتھ لے کر قبر میں چلا جانا۔ مگر کیا وجہ ہے کہ جب امام حسینؑ کے دلخراش مصائب میں مرنا برحق ہے تو ام المصائب جناب زینب، حضرت امام زین العابدین اور امام محمد باقر علیہم السلام اور خاندان کے دوسرے افراد جو کربلا میں موجود تھے ان مصائب کو دیکھ کر غم و اندوہ کے باعث انہوں نے جان سے ہاتھ کیوں نہ دھوے؛ اور امام زمانہؑ جو امامؑ پر گریہ بلکہ خون کے آنسو بہانا برحق سمجھتے ہیں وہ کیوں زندہ ہیں؟۔ اس سوال کا جواب ہم مصیبت اعظم کی بحث میں تلاش کریں گے تاکہ ہم اس بڑے راز اور عزاداری کے اس بھید تک رسائی حاصل کریں تاکہ ہم حقیقی عزادار کے زمرے میں شمار کر لیے جائیں۔

---

[1] بحار الانوار، ج۹۸، ص ۳۲۰

چوتھا باب

مصیبت اعظم کے مقابلے میں ہمارا فرض

ثاراللہ کے معنی

وِترو موتور کا معنٰی

انتقامی روح کی پیدائش

مرتبہ چہارم میں مجالس عزاداری

امام حسینؑ کی نظر میں مجالس کی کیفیت

دین وآخرت سے نادانی کا خطرہ

جاہل شیعوں کی گوشہ نشینی کا اثر اور اہل بیتؑ کی تنہائی

امیر المومنینؑ نے جاہل اور سست عقیدہ شیعوں کی شکایت کی ہے

درجہ پنجم (انتقام کے امور)

انتقامی کارروائی کے تین مراحل

انتقامی عملیات پر روح رحمت کی حاکیت

نہضت امام حسینؑ کا فلسفہ اور کلام و نگاہ امام میں جہاد کے محرکات

روح جہاد کے لیے خوف کا نہ ہونا

خون حسینؑ کے منتقم کے ساتھ حقیقی عزادار کا تعلق

ظہور امام زمانؑ مصیبت اعظم کا یقینی اور ابدی خاتمہ اور معصوم منصصین کی حاکمیت کا آغاز

مصیبت اعظم پر راضی رہنا گناہ ہے

امام زمانؑ کے مقابل حقیقی عزادار کا اپنے فریضے پر عمل

ایک منتظر اور حقیقی عزادار کی عظیم ترین آرزو

کس طرح امام زمانؑ کا محبوب اور مقرب بنا جاسکتا ہے؛ اور دنیا آخرت میں کس طرح ان کے ہمراہ رہا جاسکتا ہے؟

عزادار کی میدانِ عمل میں ثابت قدمی

درجہ پنجم میں عزاداری

چوتھا باب

مصیبت اعظم کے مقابل فرض شناسی

مصیبت اعظم کے مقابلے میں ہمارے فرایض

اگرچہ اب تک نظام خلقت میں معصومین علیہم السلام کے مقام کے بارے میں، ہمارا ان سے رابطہ وجودی، اور مصیبت عظیم و مصیبت اعظم کے باہمی روابط، کے بارے میں جو کچھ کہا ہے اس سے مصیبت اعظم کے بارے میں ہمارے وظیفے کی نوعیت کافی حد تک روشن ہو چکی ہے؛ لیکن موضوع کے غیر معمولی اہمیت ہونے کے پیش نظر ہم چند ایک نکات مختصر طور پر بیان کرتے ہیں۔

ثار اللہ کے معنی!

انسان کے اس نظام خلقت میں معصومین علیہم السلام اور رہبرانِ الٰہی کے مقام کے بارے میں اور ہمارا ان سے وجودی رابطہ اسی طرح مصیبت اعظم کے متعلق جو کچھ بیان ہوا ہے اس سے ہمیں "ثار اللہ" کے معنی بہتر طور پر درک کرنے میں مدد مل سکے گی۔ یہ جملہ زیارت عاشورا اور سید الشہداءؑ کی دوسری زیارات نیز امیر المومنینؑ کی زیارت میں آیا ہے: السلام علیک یا ثار اللہ وابن ثارہ (سلام ہو آپ پر اے خون خدا اور خون خدا کے فرزند)۔ خون خدا کہاں جاری ہوا؟ خون عامل حیات ہے؛ کس چیز کا عاملِ حیات؟۔ کہاں اور کس رگ میں جاری ہے؟ یہ خون ہم سب کی رگوں میں ہے۔

جس طرح کہ انسان طبیعی و حیوانی بقا کے لئے خون کا ضرورتمند ہوتا ہے ؛اسی طرح حیات انسانی والٰہی کے لئے عامل حیات کا محتاج ہے۔

خونِ خدا ایک انتہائی ظریف، دقیق اور لطیف تشبیہ ہے۔ جس کے معنی کو سمجھنے کے لیے دینی اور قرآنی، انسان شناسی ضروری ہے۔ حیات انسانی جو حیات حیوانی سے مافوق ہے ،اس کا معنی سمجھے بغیر "ثار اللہ" کا معنی سمجھ میں نہیں آسکتا؛ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ حقیقتِ انسان میں دینِ خدا

عاملِ حیات ہے اور وہ اس کی حیوانی حیات سے بالاتر درجہ ہے ؛لیکن خود اس دین کو بھی باقی رہنے کے لیے ایک عامل حیات کی ضرورت ہے؛اور وہ امام معصوم سے عبارت ہے کہ جو مظہر خدا ہوتا ہے جو ہماری انسانی حیات کے عامل ہیں اور دین کی حیات کے بھی عامل ہیں اجتماعی حقیقی حیات کے بھی عامل ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ سید الشہداءؑ نے معاشرے میں امام کو سیاسی و معنوی مقام قیادت کے محروم کرنے اور یزید جیسے کی حاکمیت کو نہ فقط شخص یزید بلکہ اسے دین کے خاتمے کے برابر بتایا ہے۔

عَلَى الْإِسْلَامِ السَّلَامُ إِذْ قَدْ بُلِيَتْ الْأُمَّةُ بِرَاعٍ مِثْلِ يَزِيدَ[1]

"ایسے اسلام کو خدا حافظ کہہ دینا چاہئے جب امت اسلامی یزید جیسے حکمران کی فرمانروائی میں گرفتار ہو جائے۔

امام حسینؑ اور تمام معصومین علیہم السلام کا انسانی معاشرے سے وہی تعلق ہے جو خون کا انسانی جسم سے ہے۔ وہ دنیا کے تمام افراد کی انسانی حیات کے عامل ہیں اور دین خدا کے عامل ہیں اور صرف وہی انسانی معاشرے میں حیات طیبہ الٰہی کے ضامن ہیں۔ محمدؐ و آل محمدؐ کے بغیر نہ خدا کی پہچان ہو سکتی تھی اور نہ ہی دین موجود ہوتا۔ محمدؐ آل محمدؐ کے بغیر اللہ کی حقیقی عبادت بھی ممکن نہ تھی۔ وہی اللہ کے خلیفہ اور خداوند تعالٰی کے کامل مظہر اور آئینہ الٰہی ہیں۔ وہ حجت خدا ہیں کہ ان کے بغیر زمین و آسمان اور انسانوں کی تخلیق عبث اور بیکار ہے[2]۔ ان کی بغیر زمین اپنے باسیوں کو نگل لے گی[3]۔

---

[1] بحار الانوار، ج ۴۴، ص ۳۲۶

[2] {لولاك لما خلقت الافلاك} بحار الانوار، ج ۱۶، ص ۴۰۵

[3] {لو بقيت الارض يوما بلا امام منا لساخت بأهلها و لعذبهم الله باشد عذابه} (امام باقرؑ)۔ بحار الانوار، ج ۲۳، ص ۳۷۔ {انی لامان لاهل الارض كما ان النجوم امان لاهل السماء}۔ (امام مہدیؑ) بحار الانوار، ج ۵۲، ص ۹۲

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی شخص مکمل طور پر نہ ان کی تعریف و توصیف کر سکتا ہے نہ انہیں جان سکتا ہے۔

امام نقیؑ زیارت جامعہ کبیرہ میں جو امام شناسی کا عظیم اور کامل ترین متن ہے۔ معصومین علیہم السلام کے انوارِ طیبہ کا اس طرح تعارف کرواتے ہیں۔

وہ معدن رحمت، علم کے خزانے، ایمان کے دروازے، لوگوں کی پناہ گاہ، وارثانِ پیغمبر ﷺ اہل دنیا و آخرت پر حجت خدا، خدا کی معرفت کا ذریعہ، برکت خدا کا مسکن، حکمت خدا کی معدن، اسرارِ الٰہی کے محافظ، کتاب خدا کے حامل، خدا کی طرف راہنمائی کرنے والے، رضائے الٰہی کے رہنما، حجت خدا، نور خدا اور برہان خدا ہیں۔

معصومین علیہم السلام سے تعلق قائم کئے بغیر دینداری کا دعویٰ خام خیالی کے سوا کچھ نہیں۔ امام زمانؑ اپنے جد بزرگوار و مظلوم سید الشہداءؑ کو اپنے جانگداز مرثیہ میں اس طرح سلام عرض کرتے ہیں:

لَقَدْ قَتَلُوا بِقَتْلِكَ الْاِسلامَ و عَطَّلُوا الصَّلوةَ وَالصِّيامَ وَ نَقَضُوا السُّنَنَ و الْاَحْكامَ وهَدَمُوا قَواعِدَ الْاِيمانِ و حَرَّفُوا آياتِ الْقُرآنِ[1]

اے حسین! جب آپ کو قتل کر دیا گیا، تو در حقیقت آپ کے قتل کے ساتھ اسلام کو قتل کر دیا گیا اور حقیقی نماز و روزے کو معطل اور نیست و نابود کر دیا۔ سنت الٰہی اور احکام خدا کا خاتمہ کر دیا گیا؛ اور ایمان کی بنیادوں کو منہدم کر دیا گیا، اور آیات قرآن کی تحریف کر دی۔

امام حسینؑ کے وجود مقدس کے بارے میں یہ تعبیرات اور زیارت جامعہ کبیرہ یہ سب عظمت معصومین علیہم السلام کے مقام کی حکایت بیان کرتی ہیں کہ ہر ایک بذات خود اسلام، نماز،

---

[1] بحار الانوار، ج۹۸، ص۲۴۱

روزہ، سنت الٰہی اور احکام دین کے ہم پلہ اور ایمان و قرآن کے ستون ہیں۔ ظاہر ہے کہ معصومؑ سے تعلق توڑنا حقیقت میں ان تمام چیزوں سے تعلق ختم کرنے کے مترادف ہے۔

یہ تعبیر کس قدر عظیم اور لطیف ہے؛ کہ قرآن کریم نے حضرت ابراہیمؑ کو امت کا نام دیا ہے۔ امام زمانہؑ سید الشہداءؑ کو امت سے بالاتر ارکان دین سمجھتے ہیں یعنی انہیں (امام حسینؑ کو) ا۔ اسلام، ۲۔ قرآن، ۳۔ نماز، ۔۴۔ روزہ، ۵۔ سنت الٰہی اور احکام دین، ۶۔ ستون ایمان۔ ۷۔ آیات قرآن سمجھتے ہیں۔ جب لوگوں کو معلوم ہو جائے اور وہ قیام امام حسینؑ کا روشن فکری کے ساتھ جائزہ لیں؛ تو کیا وہ بعض ظواہر کو سند بناتے ہوئے یہ نہیں کہیں گے کہ امام حسینؑ نے احیائے دین کے لئے قیام کیا تھا۔ لیکن زیارت ناحیہ میں ہم اس سے بالاتر ہو کر یہ کہہ سکتے ہیں: "اے حسینؑ! آپ کو قتل کر کے انہوں نے اسلام کو قتل کیا۔ نماز روزے کو ضائع کیا، یہاں بھی دیگر مقامات کی طرح اس کا ایک ظاہر اور ایک باطن ہے۔ عالم ظاہر میں اسلام ایک معاملہ ہے اور امام حسینؑ ایک اور معاملہ۔ اور یہاں امام حسینؑ دین کے سردار ہیں۔ السلام علی یعسوب الدین (دین کے حامی ہیں)۔ السلام علی المحامی بلا معین (اور قرآن کا سہارا ہیں) وللقرآن سنداً۔

عالم باطن میں یہ دوئیت اور فرق ختم ہو کر وحدت قائم ہو جاتی ہے۔ اسی بناء پر عالم باطن میں امام حسینؑ خود اسلام، احکام دین، نماز، روزہ وہیں۔ اسی لئے ہم زیارت ناحیہ میں یوں پڑھتے ہیں: آپ کو قتل کر کے انہوں نے اسلام کو قتل کیا یہ نہیں کہتے کہ انہوں نے رہبر دین کو قتل کیا ہے (غور کیجئے) اور یوں کہتے ہیں: نماز اور روزے کو ضائع کیا ہے یہ نہیں کہتے کہ انہوں نے نمازی کو قتل کیا ہے۔ بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ "حرفوا" سے مراد آیات کی تحریف ہے جو شان امام حسینؑ میں نازل ہوئیں۔ اوپر بیان کی گئی وضاحت کی بنیاد پر یہ حقیقت روشن ہو جاتی ہے کہ امام حسینؑ خود آیات قرآنی ہیں۔ آیات قرآنی کی تحریف کا مطلب امام حسینؑ کا قتل کرنا ہے۔ یعنی چونکہ امام حسینؑ آیات قرآنی ہیں لہٰذا ان کا قتل آیات قرآن کا قتل اور اس کی تحریف ہے[1]۔

---

[1] سید ہدایت اللہ طالقانی، ھمرہ نور، ص ۱۶۵

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی شخص مکمل طور پر نہ ان کی تعریف و توصیف کر سکتا ہے نہ انہیں جان سکتا ہے۔

امام نقیؑ زیارت جامعہ کبیرہ میں جو امام شناسی کا عظیم اور کامل ترین متن ہے۔ معصومین علیہم السلام کے انوارِ طیبہ کا اس طرح تعارف کرواتے ہیں۔

وہ معدن رحمت، علم کے خزانے، ایمان کے دروازے، لوگوں کی پناہ گاہ، وارثانِ پیغمبر ﷺ اہل دنیا و آخرت پر حجت خدا، خدا کی معرفت کا ذریعہ، برکت خدا کا مسکن، حکمت خدا کی معدن، اسرارِ الٰہی کے محافظ، کتاب خدا کے حامل، خدا کی طرف راہنمائی کرنے والے، رضائے الٰہی کے رہنما، حجت خدا، نور خدا اور برہان خدا ہیں۔

معصومین علیہم السلام سے تعلق قائم کئے بغیر دینداری کا دعویٰ خام خیالی کے سوا کچھ نہیں۔ امام زمانؑ اپنے جد بزرگوار و مظلوم سید الشہداء کو اپنے جانگداز مرثیہ میں اس طرح سلام عرض کرتے ہیں:

لَقَدْ قَتَلُوا بِقَتْلِكَ الْاسلامَ و عَطَّلُوا الصَّلوٰةَ وَالصِّيامَ وَ نَقَضُوا السُّنَنَ و الْأَحْكامَ وهَدَمُوا قَواعِدَ الْإِيمانِ وحَرَّفُوا آياتِ الْقُرآنِ[1]

اے حسین! جب آپ کو قتل کر دیا گیا، تو در حقیقت آپ کے قتل کے ساتھ اسلام کو قتل کر دیا گیا اور حقیقی نماز و روزے کو معطل اور نیست و نابود کر دیا۔ سنت الٰہی اور احکام خدا کا خاتمہ کر دیا گیا؛ اور ایمان کی بنیادوں کو منہدم کر دیا گیا، اور آیات قرآن کی تحریف کر دی۔

امام حسینؑ کے وجود مقدس کے بارے میں یہ تعبیرات اور زیارت جامعہ کبیرہ یہ سب عظمت معصومین علیہم السلام کے مقام کی حکایت بیان کرتی ہیں کہ ہر ایک بذات خود اسلام، نماز،

[1] بحار الانوار، ج۹۸، ص۲۴۱

روزہ، سنت الٰہی اور احکام دین کے ہم پلہ اور ایمان و قرآن کے ستون ہیں۔ ظاہر ہے کہ معصومؑ سے تعلق توڑنا حقیقت میں ان تمام چیزوں سے تعلق ختم کرنے کے مترادف ہے۔

یہ تعبیر کس قدر عظیم اور لطیف ہے؛ کہ قرآن کریم نے حضرت ابراہیمؑ کو امت کا نام دیا ہے۔ امام زمانہؑ سید الشہداءؑ کو امت سے بالاتر ارکان دین سمجھتے ہیں یعنی انہیں (امام حسینؑ کو) ا۔اسلام، ۲۔قرآن، ۳۔ نماز، ۔ ۴۔ روزہ، ۵۔ سنت الٰہی اور احکام دین، ۶۔ ستون ایمان ۔ ۷۔ آیات قرآن سمجھتے ہیں۔ جب لوگوں کو معلوم ہو جائے اور وہ قیام امام حسینؑ کا روشن فکری کے ساتھ جائزہ لیں؛ تو کیا وہ بعض ظواہر کو سند بناتے ہوئے یہ نہیں کہیں گے کہ امام حسینؑ نے احیائے دین کے لئے قیام کیا تھا۔ لیکن زیارت ناحیہ میں ہم اس سے بالاتر ہو کر یہ کہ سکتے ہیں: ''اے حسینؑ! آپ کو قتل کر کے انہوں نے اسلام کو قتل کیا۔ نماز روزے کو ضائع کیا، یہاں بھی دیگر مقامات کی طرح اس کا ایک ظاہر اور ایک باطن ہے۔ عالم ظاہر میں اسلام ایک معاملہ ہے اور امام حسینؑ ایک اور معاملہ۔ اور یہاں امام حسینؑ دین کے سردار ہیں۔ السلام علی یعسوب الدین (دین کے حامی ہیں)۔ السلام علی المحامی بلا معین (اور قرآن کا سہارا ہیں) وللقرآن سنداً۔

عالم باطن میں یہ دوئیت اور فرق ختم ہو کر وحدت قائم ہو جاتی ہے۔ اسی بناء پر عالم باطن میں امام حسینؑ خود اسلام، احکام دین، نماز، روزہ وہیں۔ اسی لئے ہم زیارت ناحیہ میں یوں پڑھتے ہیں: آپ کو قتل کر کے انہوں نے اسلام کو قتل کیا یہ نہیں کہتے کہ انہوں نے رہبر دین کو قتل کیا ہے (غور کیجئے) اور یوں کہتے ہیں: نماز اور روزے کو ضائع کیا ہے یہ نہیں کہتے کہ انہوں نے نمازی کو قتل کیا ہے۔ بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ''حرفوا'' سے مراد آیات کی تحریف ہے جو شان امام حسینؑ میں نازل ہوئیں۔ اوپر بیان کی گئی وضاحت کی بنیاد پر یہ حقیقت روشن ہو جاتی ہے کہ امام حسینؑ خود آیات قرآنی ہیں۔ آیات قرآنی کی تحریف کا مطلب امام حسینؑ کا قتل کرنا ہے۔ یعنی چونکہ امام حسینؑ آیات قرآنی ہیں لہٰذا ان کا قتل آیات قرآن کا قتل اور اس کی تحریف ہے[1]۔

---

[1] سید ہدایت اللہ طالقانی، ھمرہ نور، ص ۱۶۵

وِترو موتور کا معنیٰ

زیارت عاشورا میں ثار اللہ ابن ثارہ کی عبارت کے بعد ایک اور تعبیر والوتر الموتور کی عبارت ہے جس کا معنی ایسا مصیبت زدہ مظلوم شخص کہ جس کا انتقام نہ لیا گیا ہو؛ ممکن ہے یہ سوال کیا جائے کہ کیا مختار ثقفی نے قاتلانِ امام حسینؑ سے ان کے خون کا بدلہ نہیں لیا؟ کیا وہ جہنم میں عذابِ الٰہی میں اس طرح گرفتار نہیں ہیں کہ جو ہمارے تصور سے بھی ماوراء ہے؟

اگر ان تک ہمارا ہاتھ پہنچ جاتا تو کیا ہم انہیں اس سے شدید عذاب میں ڈالتے جس میں وہ آج گرفتار ہیں؟ تو کیا پھر بھی یہ تعبیر (کہ ان کا بدلہ نہیں لیا گیا) ان پر صادق آتی ہے؟۔

جو کچھ ہم نے اب تک بیان کیا ہے یعنی نظام تخلیق میں امام معصوم کا مقام نیز تمام انسانوں کے ساتھ ان کا وجودی رابطہ معصومین علیہم السلام کے ثار اللہ ہونے کے معانی سے اس سوال کا جواب بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔

اس کی مزید وضاحت یہ ہے کہ جو کچھ کربلا میں اور تمام معصومین علیہم السلام کی شہادت کے وقت وقوع پذیر ہوا اس میں دو معاملے ہیں:

۱۔ مصیبت عظیم یا معصومینؑ کی مظلومانہ شہادت جس میں ان کا طیب و طاہر خون بہایا گیا یا دشمنوں نے زہر پلایا۔ اس مصیبت کے مقابلے میں ابن ملجم، ابن سعد اور شمر کا قصاص کے عنوان سے عذابِ الٰہی میں گرفتار ہونا کافی ہے۔

۲۔ مصیبت اعظم یعنی انسانی معاشرے کی خلیفہ خدا کی حاکمیت و رہبری سے محرومی معصوم اور الٰہی متخصص کو اس اصل مقام سے علیٰحدہ کرنا جو خدا نے ان کے لئے مقرر کیا ہے اور ظلم کے حوالے سے بلا شک و شبہ کوئی انتقام نہیں لیا گیا۔ جو ایک عظیم جرم ہے اور تاریخ میں انسانی معاشرے کو عظیم نقصان اٹھانا پڑا۔ اس نقصان اور کمی کا ہرگز ازالہ نہیں کیا جا سکتا۔

جو کچھ مختار نے انجام دیا، ہے وہ بدن امام حسینؑ سے بہنے والے خون کا انتقام تھا۔ وہ یہ انتقام امام اور خلیفہ خدا کے عنوان سے نہیں تھا۔

اسی لیے جب عمر سعد اور اس کے بیٹے کا بریدہ سر مختارؒ کے پاس لائے تو اس نے کہا: عمر سعد! حسین کا بدلہ ہے اور اس کا بیٹا جناب علی اکبرؑ کے بدلے میں۔ بعد میں اس نے کہا: قسم بخدا! یہ ہر گز مساوی نہیں۔ اگر میں قریش کی تین چوتھائی تعداد کو بھی قتل کر دوں تو یہ ان کی انگلی کے ایک حصے کا بھی بدلہ نہیں ہو سکتا[1]۔

بہر حال مصیبت اعظم کا انتقام نہیں لیا گیا۔ جبکہ اس مصیبت کے اثرات و عواقب ابھی تک انسانی معاشرۂ میں موجود ہیں۔ کئی برسوں سے انسانی معاشرہ ایک امام معصوم و متخصص کی رہنمائی اور سیاسی و معنوی حکومت سے محروم رہا ہے؛ بلکہ ابھی تک ہے؛ کہ اتنے طویل عرصے سے انسان اپنے مقصد تخلیق کی ہدایت ور ہنمائی سے مسلسل محرومیت کا شکار ہے۔

انتقامی روح کی پیدائش

''والوترالموتور'' کا جملہ اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ عاشورا ایک انفرادی اور تاریخی مسئلہ نہیں تھا کہ جو ختم ہو چکا ہو؛ بلکہ یہ امر تو تمام انسانی معاشرے اور ہر دور سے متعلق ہے؛ کیونکہ یہاں پر سید الشہداءؑ کا انتقام ان کے دشمنوں کو قتل کر کے نہیں لیا جا سکتا۔ بات امام کے بدن سے بہنے والے خون کی نہیں بلکہ اصل بات ''خونِ خدا'' کی ہے جو تمام انسانوں کے وجود میں جاری ہے۔ بات امام حسینؑ کی بحیثیت ایک حقیقی انسان کے نہیں بلکہ حسین علیہ السلام کی بات روئے زمین پر مظہر خدا، خلیفہ خدا اور نمائندہ خدا کے عنوان سے ہے۔ بلکہ یہ ایک ایسی قانونی شخصیت کی بات ہے جس کا روئے زمین پر رہنے والے ہر شخص سے تعلق ہے۔ امام حسینؑ اور تمام اہل بیت وہ روح اور نفخہ الٰہی ہیں جو تمام انسانوں کے وجود میں پھونکی گئی[2]۔ جس طرح کہ پہلے کہا گیا ہے؛ کہ تمام انسان

---

[1] {ولا سواء واللہ لو قتلت بہ ثلاثۃ ارباع قریش ما وفوا انملۃ من انامله} تاریخ طبری، ج ۴، ص ۵۳۲

[2] و نفخت فیہ من روحی اس میں اپنی روح پھونک دی سورہ حجر، آیت ۲۹۔ سورہ سجدہ آیت ۹۔ سورہ ص، آیت ۷۲

اپنے باطن میں امام حسینؑ اور اہل بیتؑ کے نور کی شعاع رکھتے ہیں۔ مرحوم مرزا اسماعیل دولابی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول کہ ساری زمین کربلا ہے اور ہر روز، روز عاشورا ہے۔ یہ نہیں کہا کہ تم سب امام حسین ہو۔ یہ تم پر چھوڑ دیا۔ پس ہمت کرو اور اپنے اندر امام حسینؑ کو تلاش کرو[1]۔

اسی وجہ سے ہم زیارت عاشورا میں خداوند عالم سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں حضرت مہدی عجل اللہ تعالیٰ فرجہُ الشریف کے ہمراہ ہمارے خون کے انتقام کی توفیق عطا کرے۔ ہم بارگاہِ الٰہی میں یوں عرض کرتے ہیں:

فَاَسْئَلُ اللهَ الَّذی اَکْرَمَ مَقامَكَ وَ اَکْرَمَنی بِكَ اَنْ یَرْزُقَنی طَلَبَ ثارِی مَعَ اِمامٍ هُدیً ظاهِرٍ ناطِقٍ بِالْحَقِّ مِنْکُمْ۔

شمر اور اس کے ساتھیوں کو قتل کرنا حسینؑ کا انتقام نہیں؛ بلکہ اصلی انتقام ساری دنیا سے ظلم کو ختم کرنا اور زمانے کے سرکشوں اور یزیدیوں کو نابود کرنا ہے۔

یہ کل یوم عاشورا و کل ارض کربلا کا جملہ بتاتا ہے کہ حسین علیہ السلام ہمیشہ ہمارے پاس ہیں۔ اگر ہم نے مثل حسینؑ اور روح حسینیؑ کے مطابق عمل کر کے خود سازی کی ہو تو پھر ہم حسینؑ سے ملحق ہیں؛ اگر حسینؑ کی عزاداری کی تاکید کی گئی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حسینؑ جیسا کام کرنے والے حسینیوں کے ظہور کا امکان ہر دور میں موجود ہے؛ یعنی ایسے افراد جو حسین علیہ السلام کی طرح عمل کریں اور یہ کام روح حسینی سے گہرا تعلق رکھے بغیر امکان پذیر نہیں۔

انتقام حسینؑ، یعنی خون خدا کو معاشرے کی رگوں میں واپس لانا، یعنی ساری دنیا پر خلیفہ خدا کی حاکمیت قائم کرنا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ انتقام امام زمانہ کے ہمراہ ان کے ہاتھوں انجام پائے گا۔ ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ ہم آپؑ کی ہمراہی میں انتقام کی اس منصوبہ بندی کے لیے ظہور کے مقدمات فراہم کریں اور ان کے ظہور میں جو مانع ہے اسے دور کر دیں اس ذمہ داری کو انتقامی روح رکھے بغیر انجام دینا ممکن نہیں ہے۔

---

[1] مصباح الھدیٰ، صفحہ ۳۰۰

تیسرے باب میں ہم نے پیغمبر اکرم ﷺ کی ایک اہم اور جھنجوڑنے والی حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرتؐ نے امیر المومنینؑ سے اس طرح خطاب فرمایا:

"اے علیؑ! میں اور آپ اس امت کے باپ ہیں۔ والدین کے حقوق میں سے ایک حق بیٹوں پر یہ ہے کہ حالات کے تقاضے کے وقت ماں باپ پر رحم کریں تاکہ ان کے حقوق ادا ہو جائیں۔

اس حدیث کے مطابق ہمارا معصومینؑ سے حقیقی تعلق وہی ہے جو بیٹے کا اپنے باپ کے ساتھ ہے۔ یعنی یہ رابطہ دو طرفہ ہے۔

طرفین کے کچھ فرائض ہیں۔ ان فرائض میں سے ایک دوسرے کے ساتھ رحمت و محبت سے پیش آنا ہے یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ وہ ہم سے مہر و محبت سے پیش آئے اور آرہے ہیں۔

پیغمبر اکرم ﷺ کے فرمان کی رو سے ہم فرزندان اہل بیتؑ پر ایسے حالات و واقعات پیش آئیں گے کہ ہم اہل بیتؑ کے ساتھ جو ہمارے حقیقی باپ اور بزرگترین رشتہ دار ہیں ان سے رحمت و محبت اور مہربانی کا سلوک کریں؛ یعنی ہم دیکھیں کہ اس وقت ہم سے کس قسم کی مدد اور کس کام کے منتظر ہیں۔

بالفاظ دیگر ہم ان سے وظیفہ محبت و مودت کو کس طرح عملی جامہ پہناتے ہیں۔

تیسرے باب میں ہم اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ مصیبت عظیم میں ہمارا الٰہی اور انسانی فرض ان پر روا رکھے گئے ظلم کے خلاف عزاداری قائم کرنا ہے اس موقع پر ہماری دعا اور ہمارا طریقہ کار یہ ہے کہ یوں کہیں:

اَعْظَمَ اللهُ اجُورنا و اُجور کُمْ بِمُصابنا بِالْحُسَین[1]

"پروردگار! حسینؑ کی مصیبت میں ہمیں اور آپ کو اجر عظیم عطا فرمائے۔"

---

[1] بلد الامین، ص ۲۶۹

اس باب میں ہم نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ مصیبت اعظم کے مقابل ہمارا فرض انتقام لیناہے ان سے انتقام لینا جنہوں نے اس دنیا کوان کے پدر حقیقی اور امام معصوم ورہبر متخصص سے محروم کیاہے[1]۔

اس مرحلہ پر ہماری دعااور طریقہ یہ ہے کہ یوں کہیں:

جَعَلنا وَاِیّاکُم مِنَ الطّالِبینَ بِثارِہِ مع وَلیّہ المھدیّ مِنْ آلِ مُحمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم[2]

اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں ان لوگوں میں سے قرار دے جو مہدی آل محمدؑ کے ہمراہ ان کے خون کا بدلہ لینے والے ہیں۔

پس مصیبت اعظم میں شیعوں کا اصلی وظیفہ اور اصلی شعار منتقم حقیقی (امام آخر الزمانؑ) کے ساتھ مل کر انتقام کے لیے عملی میدان میں آنا ہے۔

اب ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ فرض ،مصیبتِ اعظم کے مقابلے میں بہت اہمیت کا حامل ہے اگر ہم نے اس پر عمل نہ کیا، تو پھر ان کے حق میں، حد سے زیادہ بے وفائی اور سنگ دلی کا مظاہرہ ہوگا اور اپنے باپ کے حق میں وہ فرض ومحبت ومہربانی جسے پیغمبر اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہم پر واجب کیا ہے اور مودت کا فرض جو قرآن نے ہم پر واجب کیا ہے ہم نے ادا نہیں کیا[3]۔

پس ایسا ممکن نہیں کہ ہم امام زمانؑ سے یہ کہیں: کہ ہم مصیبت عظیم میں تو آپ کے ساتھ ہیں اور آپ کے جد کی تنہائی پر گریہ وزاری تو کریں گے؛ لیکن مصیبت اعظم میں آپ کے

---

[1] ممکن ہے یہاں یہ سوال کیا جائے کہ اگر خدا نے انسانی معاشرے کے لئے منصب امامت وہدایت ائمہ کے لئے مخصوص کیا ہے تو پھر وہ خود اس کی حفاظت کیوں نہ کرسکے۔ یا یہ کہ دشمنوں نے کیوں ان سے یہ منصب چھین لیا کہ جس کے نتیجے میں مسلمانوں اور عالمی معاشرے کی یہ حالت ہوگئی۔ اس کا مفصل جواب کتاب آشتی باامام زمان کے دوسرے حصے میں آیا ہے۔

[2] بلد الامین، ص۲۶۹

[3] {قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى} ۔ سورہ شوریٰ، آیت: ۲۳

ہمراہ انتقام لینے اور خونِ خدا کو معاشرے کے پیکر میں واپس کرنے سے معذور ہیں (لہٰذا ہمیں اس سے معاف رکھیں)۔ اس مرحلے میں آنحضرتؑ ہم سے میدانِ انتقام میں شرکت کے خواستگار ہیں صرف گریہ و عزاداری کے نہیں ۔

مرحلہ چہارم میں عزادار جدید و بالاتر معرفت کے ہمراہ روح انتقام کا حامل ہو جاتا ہے۔ ان لوگوں سے بھی جنہوں نے معصومین علیہم السلام کو خدا کے عطا کردہ مقام سے الگ کر دیا اور اسی طرح مقام امامت و ہدایت کے ان غاصبین سے انتقام لینا جنہوں نے معاشرے پر یہ عظیم ترین جرائم مسلط کیے اور جنہوں نے ان کی اس سلسلے میں مدد کی۔

عزادار اس مرحلے میں رونے اور رلانے پر اکتفا نہیں کرتا؛ اگرچہ یہ اپنی جگہ ایک اہم فرض ہے، وہ مودت کے سائے میں حزب امام حسینؑ کا نمائندہ بن جاتا ہے جو کہ "حزب اللہ" ہے وہ اس میں شامل ہو جاتا ہے۔

اس مرحلے میں جہاں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تمام مومنین کو رسول کی اہل بیتؑ سے مودت کی جو دعوت دی ہے؛ مومن اس پر لبیک کہتا ہے۔ بالفاظ دیگر وہ مقام محبت سے گزر کر مقام مودت تک پہنچ جاتا ہے۔ مودت کا معنی ایسی محبت ہے جس کا اثر مقام عمل میں ظاہر ہو[1]۔ اور وہ اپنے آپ کو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے فرمان کے مطابق محمد و آل محمد کا فرزند سمجھتا ہے[2]۔ اور خود کو خاندان رسالت کا ایک رکن اور ان کے خون کا وارث جانتا ہے کہ آل محمد علیہم السلام کے تمام شہداء کے خون کا انتقام لینا اس پر واجب ہے۔

عزادار، اس مقام پر ایمانِ حقیقی کا رتبہ حاصل کر لیتا ہے اس مقام پر اس کی محمدؐ و آل محمد علیہم السلام سے احساس و محبت کی نوعیت اسی قسم کی ہو جاتی ہے جو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم چاہتے ہیں۔ آپ کا فرمان ہے:

---

1 تفسیر المیزان، ج ۱۶، ص ۲۶۳

2 اے علیؑ! میں اور آپ اس امت کے باپ ہیں۔ بحار الانوار، ج ۳۶، ص ۱۱

لَا یُؤمِنُ عبدٌ حتّی اُکُون اَحبّ اِلیْهِ مِنْ نَفْسه و یَکُون عتْرَتی اَحبّ اِلیْهِ مِنْ عِتْرتِهِ و یکونَ اَهْلی اَحبّ الیْهِ مِنْ اَهْله و تَکُون ذٰاتی اَحبّ الیهِ مِنْ ذاتِهِ [1]

"کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ مجھے اپنے آپ سے زیادہ محبوب نہ سمجھے۔ اور میری عترت کو اپنی عترت سے اور میرے خاندان کو اپنے خاندان سے اور میری ذات کو اپنی ذات سے زیادہ محبوب نہ سمجھے۔"

اس بناء پر اگر کوئی شخص کسی عزادار کے طبیعی اور جسمانی والدین یا اس کے خاندان کے کسی فرد کے ساتھ ظلم و زیادتی کرے تو وہ صرف آہ و بکا پر اکتفاء نہیں کرے گا۔ انتقام لئے بغیر اسے چین نہیں آئے گا۔ اسی طرح محمد و آل محمد علیہم السلام خصوصاً امام حسینؑ اور ان کی آل و اصحاب پر ظلم عظیم کی وجہ سے وہ مسلسل غم آتش حسینؑ میں جلتا رہتا ہے اور اس کا سینہ داغدار و گریہ کناں رہتا ہے تاوقتیکہ وہ خون امامؑ کا انتقام نہ لے لے۔ یہ روح انتقام محمد وآل محمد علیہم السلام سے ربط کی بنا پر جوش کھاتی ہے۔ وظیفہ الٰہی بھی ہے، جس کا حکم زیارت عاشورا اور دیگر زیارات میں دیا گیا ہے۔ روح انتقام وہی مقام ہے جسے (طلب ثار) یا (طلب ثار حسین علیہ السلام) خون حسینؑ کے بدلے سے تعبیر کیا گیا ہے [2]۔

انتقام اور روح انتقام کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے اس سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ روح انتقام تک پہنچنا اور ایسی روح کا ہونا ایک انتہائی بلند مرتبہ اور قابل قدر ہے؛ کیونکہ ایسی روح کے حامل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اہلبیت علیہم السلام کا حقیقی فرزند ہے اور وہ ان کے خون کا وارث

[1] بحار الانوار، ج ۲۷، ص ۸۶

[2] {این یرزقنی طلب ثارک مع امام منصور من اهل بیت محمد صلی الله علیه و آله} ۔ مجھے یہ توفیق ملے کہ میں امام منصور کے ہمراہ جو محمد وآل محمد میں سے ہے، تیرا انتقام لوں

ہے اور اس نے ان کے خون کا بدلہ لینے کا وجوب پیدا کر لیا ہے اور وہ امام حسینؑ اور خاندانِ آل محمدؐ کے گروہ کارکن حقیقی بن چکا ہے۔ بشر طیکہ وہ روح انتقام کے حصول پر اکتفاء نہ کرے بلکہ اس کے تقاضے کے مطابق عمل بھی کرے؛ بالفاظ دیگر وہ انتقام کو خود عملی جامہ پہنائے اور انتقام کے عملی مرحلے میں شامل ہو یا عزاداری کے مرتبہ پنجم میں شامل ہو جائے۔

مرتبہ چہارم میں مجالس عزاداری

اس درجہ میں عزاداری، مقدس اقدار کی حفاظت واحیاء کا ایک وسیلہ ہے جن کی خاطر اہل بیت علیہم السلام نے شہادت قبول کی۔ اس درجہ میں عزاداری کے مراسم جھوٹ، حرام، تحریف واختلافات سے دور ہوتے ہیں اور ایسی مجالس میں شریک ہو کر لوگ پہلے سے زیادہ دین اور اپنے فرائض سے آشنا ہوتے ہیں۔

مرتبہ چہارم میں مجالس عزاداری اور معصومینؑ کی یاد، ان کی شناخت اور روح انتقام کی تلاش کا ذریعہ بن جاتی ہیں یہ مجالس سید الشہداءؑ کی الٰہی شخصیت اور نظام خلقت میں ان کے مقام پر توجہ وشناخت کی وجہ بن جاتی ہیں۔ اسلام کے لیے آپؑ کا ثاراللہ ہونا اور عامل حیات ہونا مجالس عزا کی کیفیت میں انتہائی موثر ہو جاتا ہے جیسا کہ ہم زیارت سید الشہداءؑ میں پڑھتے ہیں:

بَذَلَ مُهْجَتَهُ فيكَ لِيَستَنْقِذَ عِبادَكَ مِنَ الْجَهالَةِ وحَيْرَةِ الضَّلالَةِ[1]

اپنے خون جگر کو اے خدا! تیری راہ میں نثار کر دیا، تاکہ تیرے بندوں کو جہالت و گمراہی اور حیرت سے نجات مل جاۓ۔

درجہ چہارم میں عزاداری کے مراسم سید الشہداءؑ کا رنگ واثر لیے ہوتے ہیں۔ ان پر سید الشہداءؑ کی روح وحقیقت حاکم ہوتی ہے اس قسم کی مجالس ایک طرف تو سید الشہداءؑ کی حقیقت اور ان

---

[1] زیارت اربعین

کی منزلت سے آگاہ کرتی ہیں؛ جو انہیں جہان وانسان کے نظام خلقت میں حاصل ہے اور دوسری طرف وہی کام کرتی ہیں جو سید الشہداءؑ نے کربلا میں کیا۔ یعنی آنحضرتؑ کے آثار وجودی کو لوگوں میں منتقل کرتی ہیں نیز لوگوں کے اور امامؑ کے درمیان مشابہت قائم کرتی ہیں۔

بالفاظ دیگر جس طرح کہ سید الشہداءؑ کے وجود مقدس نے لوگوں کو جہالت اور گمراہی سے نکالنے کے لئے شہادت کو قبول کیا۔ اسی طرح مجالس عزا لوگوں کو جہالت سے نجات دینے اور گمراہی سے نکالنے کا اثر رکھتی ہیں، مجالس عزاداری کے برپا کرنے کی بزرگان دین کی وصیت کی سب سے بڑی علت اور وجہ یہی ہے۔

درجہ چہارم میں بہترین مجلس کا معیار گریہ وزاری کی مقدار، اہل مجلس کی کثیر تعداد اور ماتمی دستوں کا زیادہ ہونا اسی طرح مقام عزاداری اور امام بارگاہوں کی عمارتیں اور وسائل کی کثیر فراہمی اور ذاکرین وغیرہ کا حاملِ شہرت ہونا نہیں؛ بلکہ اس میں بہترین مجلس کا معیار یہ ہے کہ مجلس میں امام کی معرفت کے بارے میں عزادار کو کیا نصیب ہوا۔ درجہ چہارم میں ایک حقیقی عزاداری کی نظر سے بہترین مجلس وہ ہے جو روحِ حسینی اور ان کی شباہت کو عزادار میں منتقل کر دے۔

اس مرتبہ میں عزادار سید الشہداءؑ کے قیام کی روح اور اس فلسفہ نہضت سے آشنا ہو جاتا ہے ؛جو خود ان کی زبان مبارک سے جاری ہوا[1] اور وہ خود کو قیام امام کے اہداف کے لیے تیار کرتا ہے۔ اس مرحلے پر عزادار کے لیے گریہ وزاری صرف ایک جذباتی فعل نہیں ہوتا، وہ بخوبی یہ جان لیتا ہے کہ اہل بیت علیہم السلام سے گریہ وزاری کا جو دستور ملا ہے اس کا مقصد جذبات اور احساسات کے اظہار سے زیادہ اہم ہے۔

اس مرتبہ میں گریہ اور عزاداری صرف ہدف نہیں؛ بلکہ آج کی نسل کے لئے پیام عاشورا کو زندہ رکھنے کا ایک وسیلہ ہے۔ اس مرحلے میں ذاکر اور مقرر دونوں جذبات واحساسات نیز

---

[1] حضرت کے قیام مقدس کی علت کے بارے میں عزاداری کے رتبہ پنجم میں ملاحظہ کیجیے جو خود انہوں نے بیان فرمائی

رونے اور رلانے کو ہی اہمیت دیتے ہیں؛ لیکن ایک ہدف کے عنوان سے نہیں اور نہ ہی اس عنوان سے کہ ہم اس بہترین وسیلے سے لوگوں کے فہم وادراک کو بلند کر سکتے ہیں۔

گریہ وزاری لوگوں کی سطح معرفت کو بلند کرنے اور اہل بیتؑ سے مربوط کرنے کا اچھا وسیلہ ہے اس طریقے سے عزادار میں معصومین علیہم السلام اور ان کی راہ کے حوالے سے مسئولیت اور ذمہ داری کا احساس پیدا ہو جاتا ہے۔

اس درجے میں رونا رُلانا اس امر کا موجب بنتا ہے کہ روح حسینیؑ یعنی روح حماسہ اور دین خدا کی خاطر عزادار میں عاشقانہ فداکاری کا جذبہ بیدار ہو جاتا ہے۔ اس طرح وہ ہر لحہ یہ آرزو کرتا ہے: اے کاش میں کربلا میں اہل بیتؑ کے ہمراہ موجود ہوتا اور وہی کام کرتا جو انہوں نے انجام دیا۔ اس درجہ پر اس کی دعا و آرزو یہ ہوتی ہے۔

یَا لَیْتَنی کُنْتُ مَعَکُمْ فَاَفُوْزَ فوزًا عظیمًا[1]

!اے کاش! میں آپ کے ساتھ ہوتا تو عظیم کامیابی پر فائز ہو جاتا۔

شہید مطہری کے فرمان کے مطابق جو خود بہت گریہ اور عزاداری کرنے والے تھے، کہ شہید پر گریہ اس کے حماسہ میں شرکت کرنا ہے۔

اس مرحلہ پر عزادار کا گریہ حضرت زہرا(س) کے گریہ وزاری کے تابع ہوتا ہے؛ جو با مقصد اور جہت دار تھا۔

ان کا گریہ، غاصبین خلافت اور امیر المومنینؑ کے دشمنوں کے لئے تکلیف دہ تھا؛ انہوں نے بی بی کے گریہ وزاری سے خطرہ محسوس کرتے ہوئے دھمکی دی اور امیر المومنینؑ کے پاس آئے اور ان سے یہ چاہا کہ اس مجاہدہ بی بی کی گریہ وزاری کو محدود کریں۔ جب امیر المومنینؑ نے ان کی خواہش کو بی بی تک پہنچایا تو بی بی نے جواباً یہ ارشاد فرمایا:

---

[1] مفاتیح الجنان، زیارت مخصوص امام حسینؑ

يَا ابا الْحَسَن! مَا اَقَلّ مَکْثِی بَیْنهُم وما اَقْرب مَغیبی مِنْ بَیْن اَظْهرهم فَوَ اللهِ لا اَسْکُتُ لَیْلاً ولا نَهارًا اَوْ اَلْحقُ بِاَبی رَسُوْلِ اللهِ صلی الله علیه و آله وسلم[1]

"اے ابوالحسن! ان کے درمیان میری زندگی بہت کم رہ گئی ہے اور میرا ان کے درمیان سے اٹھ جانا بہت قریب ہے۔ قسم بخدا! میں رونے سے نہ دن کو باز آؤں گی نہ رات کو (شب و روز گریہ کناں رہوں گی) یہاں تک کہ اپنے بابا رسول اللہ ﷺ کے پاس چلی جاؤں۔"

امام امت امام خمینی رضوان اللہ علیہ نے ایرانی عوام کو عزاداری میں گریہ وزاری کے بارے میں فرمایا:

یہ مسئلہ گریہ و زاری کا مسئلہ نہیں، رونے رلانے کا مسئلہ نہیں بلکہ یہ ایک سیاسی مسئلہ ہے کہ ائمہؑ اپنے فریضے کے پیش نظر ملت اسلامیہ کو متحد کرنا چاہتے تھے کہ ملت کو مختلف راہوں سے بچا کر ان میں وحدت قائم کریں تاکہ ملت کا شیرازہ بکھرنے نہ پائے اور کسی مشکل کا سامنا نہ کرنا پڑے[2]۔ شہید پر رونا اس کی نہضت کی حفاظت اور اسے زندہ رکھنا ہے[3]۔

ہر مکتب کو متحرک رکھنے کے لیے ایک نظام کی ضرورت ہوتی ہے، جیسے ماتم ہے، جس مکتب میں ماتم نہیں ہے تو وہ مکتب بھی محفوظ نہیں ہے؛ یہ عمل کا ایسا کردار ہے کہ جس نے ہمیشہ اسلام کی حفاظت کی ہے، یہ ایسی خاک ہے کہ جسے مسلسل پانی کی ضرورت رہتی ہے اس گریہ وزاری کو زندہ رکھنا مکتب سید الشہدا کو زندہ رکھنا ہے[4]۔

---

[1] بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۱۷۷

[2] صحیفہ نور، ج ۱۳، ص ۱۵۳

[3] صحیفہ نور، ج ۱۰، ص ۳۱

[4] صحیفہ نور، ج ۸، ص ۶۹

مرتبہ چہارم میں گریہ و عزاداری میں شدت اوراس میں عمق و دوام اور صرف احساسات اور جذبات پر بیشتر تکیہ کرنے کے بجائے، معصومین علیہم السلام کی معرفت اور ان کے مقام نیز ان کے اصحاب کے مقام پر تکیہ کرنا ہے ۔ بالفاظ دیگر معصومین علیہم السلام اور دیگر اولیاءِ خدا کی معرفت کی سطح جس قدر بلند ہو گی، ان پر طاری ہونے والے مصائب پر گریہ و آہ و بکا اتنا ہی زیادہ عمیق اور جان سوز ہو گا۔ چنانچہ امیر المومنینؑ سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی معرفت رکھتے تھے ان کی قدر و قیمت اور آثار وجودی سے آگاہ تھے آنجناب ﷺ کی رحلت کے بعد انہیں اس طرح خطاب کیا:

إِنَّ الصَّبْرَ لَجَمِيلٌ إِلَّا عَنْكَ وَ إِنَّ الْجَزَعَ لَقَبِيحٌ إِلَّا عَلَيْكَ وَ إِنَّ الْمُصَابَ بِكَ لَجَلِيلٌ، وَإِنَّهُ قَبْلَكَ وَبَعْدَكَ لَجَلَلٌ[1]

ہر ایک کی موت پر صبر کرنا اچھا ہے سوائے آپ کے، آہ و بکا آپ کے سوا ہر ایک پر، ناپسندیدہ ہے اور آپ کے دنیا سے اٹھ جانے کی مصیبت یقیناً بہت بڑی ہے۔ آپ سے پہلے اور آپ کے بعد کے مصائب کی کوئی حیثیت نہیں۔

مقاومت اور مشکلات کو کم کرنے، ظرافتوں اور باریکیوں کو ظاہر کرنے میں گریہ وزاری کا بہت بڑا کردار ہے۔

گریہ وزاری میں یہ طاقت ہے کہ وہ عزادار کے جذبات و محبت اور قدرت کو اس کے مقصدِ تخلیق نیز اس کے لایق، جو کمالات ہیں ان تک حیرت انگیز اور تیز ترین پرواز عطا کر سکتی ہے۔ عزادار جس قدر اہل بیت علیہم السلام کے مقام الٰہی و مقام علم، نورانیت، معنویت، روحانیت، کرامت و بزرگواری اور مخلوقِ خدا سے ان کی محبت و مہربانی اور ان کے تمام وجودی کمالات

---

[1] نہج البلاغہ، حکمت ص ۲۹۲

سے جتنا زیادہ آشنا ہوتا جائے گا اسی قدر اس میں ان کی محبت و مودت زیادہ گہری اور ان کے مصائب کی یاد آوری پر گریہ زیادہ پُر سوز اور دردناک ہوتا جائے گا اور یہی وہ مقام ہے جہاں اس میں دشمنانِ اہل بیتؑ سے جہاد کرنے اور انتقام لینے کے جذبات جنم لیتے ہیں۔

اس درجے پر اس کے گریہ کے آنسوؤں کا پانی اس کے گناہوں کے زنگ کو دور کر کے اس کی روح میں چمک پیدا کر دیتا ہے؛ کہ ہر لحہ اس کی روح زیادہ پاکیزہ اور لطیف تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ اس طرح وہ نرم ہو کر خدا و اہل بیت علیہم السلام کے دستور و قانون کو قبول کرنے کے لئے آمادہ ہو جاتی ہے۔

اس لطافت اور آمادگی کے نتیجے میں عزادار، دینی دستور پر عمل کرنے اور قوانین خدا کے اجراء کے لئے زیادہ پایدار اور مضبوط ہو جاتا ہے۔ لہٰذا وہ اخلاقِ الٰہی کی قبولیت کے حوالے سے بلند تر اور مقصدِ حیات کی طرف اس کی حرکت میں مزید سرعت آجاتی ہے ؛ کیونکہ دستورِ خدا کے اجراء میں مخالفت جس قدر کم ہوتی ہے راہِ انسانیت کے طے کرنے میں اسی قدر تیزی آجاتی ہے۔

گریہ وزاری کا تعلق، چونکہ دل سے ہے اور اس کا حریمِ دل سے سروکار ہے؛ لہٰذا یہ تمام قلبی امور پر اثر انداز ہوتا ہے؛ وہ قلبی امور چاہے مثبت ہوں یا منفی۔ ایک دل میں گریہ وزاری کے عمل کے دو رخ ہوتے ہیں۔ یہ اچھی قدروں کو متاثر کرتا ہے اور بری قدروں کو بھی جو دل میں راسخ ہوتی ہیں۔ یہ تقویٰ پر جس کا محل، دل ہے اثر کرتا ہے اور فسق و فجور پر بھی۔ رونا فطرت پر بھی اثر انداز ہوتا ہے اور طبیعت پر بھی؛ حقیقی عزادار کا رونا اس کی فطرت و طبیعت کو قوت دیتا ہے اور اس کے حیوانی پہلو کو کمزور کرتا ہے۔ اس کی شجاعت میں اضافہ اور اس کے ڈر و خوف کو کم کرتا ہے۔ اس کی جود و سخا کو قوی کرتا ہے اور کنجوسی کو ضعیف کرتا ہے۔ گریہ وزاری اہل بیت کی محبت و مودت میں مزید اضافہ کرتی ہے اور ان کے بارے میں احساس ذمہ داری کو پیدا کرتی ہے اور قوت دیتی ہے۔ دوسری طرف ان کے دشمنوں سے برأت و نفرت کو بڑھاتی ہے اور انسان کو دشمن کی تہذیب و

تمدن اور عادات و خصائل سے دور رکھتی ہے۔ نیز، گریہ وزاری معرفت کے ساتھ ساتھ ان کے غیر سے لاتعلق اور غیرت مند بنا دیتی ہے۔

امام حسینؑ کی نظر میں مجالس کی کیفیت

امام حسینؑ کا وجود مقدس خود مجالس کی کیفیت معیّن کرنے کے لئے بہترین ہے۔ وہ اپنے ایک نورانی فرمان میں اس طرح ارشاد فرماتے ہیں:

مَنْ اَتَانَا لَمْ یَعْدِمْ خَصْلَةٌ مِنْ اَرْبَعٍ: آیَةً مُحْکَمَةً و قَضِیَّةً عادِلَةً وَ اَخا مُسْتَفادًا و مُجالَسَةَ الْعُلَماءِ[1]

"جو شخص ہماری طرف آتا ہے (ہماری مجالس میں شرکت کرتا ہے) وہ ان چار امور میں سے ایک کو ضرور پا لیتا ہے: (۱) اصول عقائد، (۲) اسلامی آئیڈیالوجی، (۳) سود مند برادری، (۴) اور علماء کے ساتھ ہمنشینی۔"

اس لیے اہل بیتؑ کی مجالس لوگوں کے لئے اصول دین، اعتقادات و اخلاقیات، احکام و فروع دین کے سیکھنے کی جگہ ہیں؛ یعنی وہی تین علوم جن کا سیکھنا رسول اللہ ﷺ نے واجب قرار دیا ہے۔ انہوں نے اپنے ایک فرمان کے ذریعے علم حاصل کرنے کو ہر مسلمان پر واجب قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیضَةٌ علی کُلِّ مُسْلِم[2]

"علم کا سیکھنا ہر مسلمان پر واجب ہے۔"

ظاہر ہے کہ جس علم کا حصول سب پر واجب ہو دوسری تعبیر کے مطابق اس کا سیکھنا واجب عینی ہوگا، لہذا اس علم کا شمار روزمرہ علوم میں سے نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس سے وہ علم مراد ہے

---

[1] بحار الانوار، ج ۴۴، صفحہ ۱۹۵

[2] اصول کافی، ج ۱، ص ۳۰

جس علم کا انسان کی کردار سازی میں، اس کے مقصد حیات میں اس کی دنیا و آخرت میں کامیابی کے ساتھ براہ راست تعلق ہو۔ اس کے بعد آنحضرتﷺ جس علم کا حصول واجب قرار دیتے ہیں اس کی یوں تشریح فرماتے ہیں:

اِنَّما الْعِلْمُ ثَلاثَۃٌ آیَۃٌ مُحْکَمَۃٌ اَوْ فَرِیضَۃٌ عادِلَۃٌ او سُنَّۃ قائِمَۃٌ وما خَلاهُنَّ فَهُوَ فَضْلٌ[1]

"علم حقیقی تین چیزوں کا نام ہے: اصول عقائد، فرائض، اور احکام۔ اس کے علاوہ باقی فضل واحسان ہے۔"

اس بنا پر ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں؛ کہ وہ مجلس جس میں امام حسینؑ کی رضا بھی شامل ہو ایسی مجلس ہے جس میں عزادار، دین کی حقیقت، الٰہی و انسانی معارف، ایک مومن و حقیقی عزادار، ایک انسان اور سچا شیعہ ہونے کی حیثیت سے اپنے فرائض سے شناسائی حاصل کرے۔

جب مجلس برپا کرنے والا خود چوتھے درجے تک نہ پہنچا ہو! تو وہ مجلس کا پروگرام مرتب کرتے ہوئے مجلس کا اصل اور مناسب وقت ذاکری اور سینہ زنی کے لئے مخصوص کر دیتا ہے۔ تقریر اور مقررین پر توجہ ہی نہیں دیتا، یا کم توجہ دیتا ہے۔ بلکہ اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جس مقرر کو دعوت دی جاتی ہے اس سے سید الشہداءؑ کے پسندیدہ مطالب و موضوعات کا مطالبہ کرنے کی بجائے اس سے رونے رلانے کی توقع رکھتے ہیں۔ دراصل ایسے بانیانِ مجالس، عالم اور تجربہ کار مقررین سے کوئی خاص دلچسپی نہیں رکھتے؛ بلکہ ایسے افراد کو مجلس میں مدعو کرتے ہیں جو مجلس میں خوب واہ واہ کر کے مجلس کی رونق بڑھانے والے ہوں۔

دوسری طرف جو عزادار، تیسرے درجہ میں رہ جاتے ہیں اور مرحلہ چہارم میں داخل ہی نہیں ہوتے؛ انہیں تقریر سننے یا معارفِ الٰہیہ، دینی زندگی کے آئین اور اپنے فرائض کی آشنائی سے

---

[1] اصول کافی، جلد ۱، صفحہ ۳۲

کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ تقریر کے وقت ہوٹل میں بیٹھنے یا مجلس کے باہر چائے پینے اور گپ شپ کرنے میں وقت گزارتے ہیں؛ اگر مجلس میں مجبوراً بیٹھنا پڑے تو بے قراری کے ساتھ تقریر سنتے ہیں اور ان کی ترجیح یہ ہوتی ہے کہ عزاداری اور نوحہ خوانی کا آغاز ہو بعض دفعہ تو وہ مختلف طریقوں سے اپنی اس بے صبری کی خبر مقرر تک پہنچاتے ہیں۔

دین و آخرت سے نادانی کا خطرہ

ہم یہ بتا چکے ہیں کہ سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دین کا سیکھنا ہر مسلمان پر واجب قرار دیا ہے اور اس کی تاکید کی ہے۔ مزید برآں جو اس واجب امر کی ادائیگی میں کوتاہی کرے اس کی مذمت کی ہے۔ ارشاد ہوا:

اِنَّ اللہَ تَبارَكَ وَ تَعالیٰ یُبْغِضُ کُلَّ عالِمٍ بِالدُّنیا جاھِلٍ بِالآخِرَۃِ[1]

"اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کو دشمن رکھتا ہے جو دنیا کے معاملات سے تو آشنا ہے مگر آخرت سے ناواقف ہے۔"

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر میں جو شخص آخرت کی معرفت نہیں رکھتا؛ جہاں انسان کو ہمیشہ کے لئے زندہ رہنا ہے وہ دشمن خدا ہے، اگرچہ دنیوی علوم کا عالم ہو۔ کیونکہ آخرت اور خانہ ابدیت سے ناآشنا شخص اپنے آپ کو آخرت کے لئے تیار نہیں کر سکتا۔ ظاہر سی بات ہے کہ آخرت کے لئے آمادگی دنیوی علوم سے حاصل نہیں ہوتی۔ صرف دین اور معارف دین کی شناخت سے انسان آخرت شناس بنتا ہے اور آخرت کی تیاری کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ معصومین علیہم السلام نے ان شیعوں کی شدید مذمت اور توبیخ کی ہے جو دین اور معارفِ دین کی پرواہ نہیں کرتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بارے میں فرماتے ہیں:

---

[1] کنز العمال، حدیث ۲۸۹۸۲

لَیۡسَ مِنِّی اِلَّا عَالِمٌ اَوۡ مُتَعَلِّم[1]

"وہ مجھ سے نہیں ہے مگر وہ جو عالم ہے یا طالب علم ہے۔"

امام صادقؑ فرماتے ہیں:

لَسۡتُ اُحِبُّ اَنۡ اَرَیٰ الشَّابَّ مِنۡکُم اِلَّا غَادِیًا فِی حَالَیۡنِ: اِمَّا عَالِمًا اَوۡ مُتَعَلِّمًا فَاِنۡ لَمۡ یَفۡعَلۡ فَرَّطَ، فَاِنۡ فَرَّطَ ضَیَّعَ فَاِنۡ ضَیَّعَ اَثِمَ، وَاِنۡ اَثِمَ سَکَنَ النَّارَ وَ الَّذِی بَعَثَ مُحَمَّدًا بِالۡحَقّ[2]

میں پسند نہیں کرتا کہ ایسے جوان کو دیکھوں مگر یہ کہ ان دو حالتوں میں سے ایک حالت میں ہو، یا عالم (سکھانے والا) یا طالب علم (سیکھنے والا)۔ اگر ایسا نہ کرے تو اس نے کوتاہی کی ہے؛ اور اگر کوتاہی کی ہے؛ تو اس نے ضائع کر دیا؛ جس نے ضائع کیا اس نے گناہ کیا ہے اور اگر گناہ کرے گا۔ اس ذات کی قسم جس نے محمد ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا، ایسا شخص ساکن آتش ہو گا۔

ہاں کیوں نہیں! دین اور احکام دین سے ناواقفیت اس کا موجب بنتی ہے کہ یہ غافل انسان جہنم میں جا پہنچتا ہے۔ آپؑ ایک اور مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

لَوۡ اُوتِیتُ بِشَابٍّ مِنۡ شَبَابِ الشِّیعَةِ لَا یَتَفَقَّهُ، لَاَدَّبۡتُهُ[3]

"اگر شیعوں کا کوئی ایسا جوان لایا جائے جو دین میں تفقہ[4] نہیں کرتا تو میں اسے تادیب کروں گا (سزا دوں گا)۔"

---

1 العلم والحکمہ فی الکتاب والسنۃ، ص ۲۰۹

2 امالی شیخ طوسی، ص ۳۰۳] ۱۱ [المجلس الحادی عشر

3 بحار الانوار، ج ۱، ص ۲۱۴

4 یعنی ایسی عمیق اور دقیق فہم کہ جو ہر پہلو کا احاطہ کرتی ہو

اسی وجہ سے حضرتؑ کی آرزو یہ ہے کہ ان کے احباب اور شیعہ دین کے حلال وحرام کو بخوبی سمجھیں تاکہ کوتاہی، غفلت اور گناہ وعذاب سے بچ جائیں۔ ارشاد فرماتے ہیں:

لَيْتَ السِّيَاطَ عَلَى رُؤُوسِ أَصْحَابِي حَتَّى يَتَفَقَّهُوا فِي الْحَلَالِ وَ الْحَرَامِ[1]

"کاش میرے اصحاب کے سروں پر اس لیے تازیانے مارے جاتے تاکہ وہ حلال وحرام کو اچھی طرح سمجھ لیں۔"

حلال وحرام کو سمجھے بغیر دین اور دینداری، ممکن نہیں اور دینداری کے بغیر دنیا وآخرت میں کامیاب ہونا محال ہے؛ اسی لیے حلال وحرام کے جاننے کے لئے زحمت ومشقت اٹھانے کا حکم دیا گیا ہے۔ تاکہ ہم دنیا وآخرت کی رسوائی اور عذاب سے دوچار نہ ہوں۔ چاہے اس زحمت کے لئے تازیانے کھانے پڑیں۔ دیکھیں تو سہی کہ امام سجادؑ کس طرح اپنے شیعوں کو دینی باریکیوں کو جاننے کے لئے سختی برداشت کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔

لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي طَلَبِ الْعِلْمِ لَطَلَبُوهُ وَلَوْ بِسَفْكِ الْمُهَجِ وَ خَوْضِ اللُّجَجِ[2]

اگر لوگ یہ جان لیں کہ حصول علم میں کس قدر فائدہ ہے تو وہ ضرور اس کی تلاش کریں اگرچہ اس کے لئے خونِ دل بہانا پڑے اور گردابوں میں اترنا پڑے۔

آیئے مزید تاکید کے لئے دیکھتے ہیں کہ حضرت امام موسیٰ کاظمؑ سطحی وضعیف دین فہمی میں دقیق نہ ہونے کے بارے میں کس خطرے سے آگاہ کرتے ہیں:

مَنْ لَمْ يَتَفَقَّهْ فِي دِينِهِ لَمْ يَرْضَ اللّٰهُ لَهُ عَمَلاً[3]

---

1. محاسن برقی، ج۱، ص ۲۲۹
2. اصول کافی، ج۱، ص ۳۵
3. تحف العقول، ص ۴۱۰

"جو بھی دین کی عمیق آگاہی نہیں رکھتا اللہ اس کے کسی عمل سے راضی نہ ہو گا۔"

امام علیؑ اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

اَیُّھا النّاسُ! لا خَیْرَ فی دینٍ لا تَفَقُّہَ فیہِ[1]

"اے لوگو! جس دین میں گہری فکر نہیں اس میں کوئی خیر نہیں۔"

جس دین کے نسبت دقیق اور صحیح شناخت نہیں ہو گی ایسا دین دنیا و آخرت میں انسان کی خوشبختی کی ضمانت نہیں بن سکتا۔ مسلمانوں کی زندگی کی بہت سی مشکلات اور مصائب کا سبب دین کی صحیح شناخت کا نہ ہونا اور اس کے حیات بخش اصولوں پر عمل نہ کرنا ہے۔ دین کی نسبت سطحی اور ناآگاہی انسان میں کسی قسم کا رشد و کمال وجود میں نہیں لا سکتی، چاہے بہت زیادہ عمل اور عبادت ہمراہ ہو۔

امیر المومنینؑ روز قیامت ہمارے میزان اعمال کے بارے میں یوں ارشاد فرماتے ہیں:

اَلْمُتَعَبِّدُ عَلیٰ غَیْرِ فِقْہٍ کَحِمارِ الطّاحُونَۃِ یَدُورُ وَلا یَبْرَحُ[2]

"سمجھ بوجھ کے بغیر عبادت کرنے والا چکی کے گدھے کی مانند ہے جو ایک ہی جگہ چکر لگاتا رہتا ہے مگر اس سے آگے نہیں جاتا۔"

درجۂ اول میں بنیادی طور پر ہر انسان کی قدر و قیمت کا معیار اس کی صحیح اور گہری دین شناسی ہے، چنانچہ رسول گرامی قدر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

اَکْثَرُ النّاسِ قیمَۃً اَکْثَرُھُمْ عِلْماً وَ اَقَلُّ النّاسِ قیمَۃً اَقَلُّھُمْ عِلْماً[1]

---

[1] محاسن برقی، ج۱، صفحہ ۵

[2] اختصاص، صفحہ ۲۴۵

"سب سے زیادہ قدر و اہمیت اس انسان کی ہے جس کا علم زیادہ ہے۔ اور جس کا علم کم ہے اس کی قدر و اہمیت بھی کم ہے۔"[1]

دین کی صحیح اور گہری معرفت کے بغیر شیعہ ہونے کا دعویٰ کرنا نہ صرف مفید اور کافی نہیں ہے بلکہ اس شخص کے لیے اور دین کے لئے بہت خطرناک ہے۔

جاہل شیعوں کی گوشہ نشینی کا اثر اور اہل بیتؑ کی تنہائی

اہل بیت علیہم السلام کے حق میں جو ظلم و جرائم کیے گئے وہ جاہل و احمق شیعوں کی کوتاہی کی وجہ سے ہوئے۔

پیغمبر اسلام ﷺ کی رحلت کے بعد حضرت علیؑ (امام امت) اپنے غصب شدہ حق یعنی امت کی امامت کو لینے کے لیے، راتوں کو جناب سیدہ فاطمہ زہرا☆ کو مرکب (سواری) پر سوار کر کے حسنینؑ کو ساتھ لے کر انصار کے گھروں میں جاتے اور ان سے مدد طلب کرتے، لیکن حضرتؑ کے لیے لوگ عذر جو بدتر از گناہ ہے اور غیر متعلقہ دلائل پیش کرتے۔ جناب زہرا(س) بھی اپنے شوہر اور امام کی مدد کرنے کی خاطر غدیر میں کی گئی ان کی بیعت یاد دلاتیں اور فرماتی تھیں: کیا میرے پدر بابا نے غدیر کے دن کسی کے لیے کوئی بہانہ باقی چھوڑا ہے[2]۔

معاویہ نے بعد میں اسی واقعہ کا ذکر ایک خط میں کر کے امام علیؑ کو طعنہ دیتے ہوئے یوں لکھا:

تم اپنی زوجہ کو مرکب پر سوار کر کے اور حسن و حسین کا ہاتھ پکڑ کر انصار کے گھروں کے دروازے کھٹکھٹا کر اور ان سے مدد طلب کرتے رہے مگر چار پانچ آدمیوں کے سوا کسی نے آپ کی مدد

---

[1] بحار الانوار، ج ۷۷، ص ۱۲۲

[2] خصال صدوق، ج ۱، ص ۱۷۳

نہ کی؛ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہوتے تو لوگ تمہاری مدد کرتے؛ اس کے بعد زخم پر نمک چھڑکتے ہوئے کہنے لگا: اگر میں سب کچھ بھول جاؤں تو ایک چیز میں نہیں بھول سکتا۔ وہ یہ کہ تم نے ایک دن میرے والد سے کہا تھا اگر چالیس سچے انسان میری مدد کریں تو میں حق کے لئے قیام کروں گا۔ لیکن مسلمانوں نے تو ایک دن بھی تمہارا ساتھ نہیں دیا[1]۔

امام علیؑ اپنی اس وقت کی تنہائی اور مظلومیت کے بارے فرماتے ہیں:

"یا اللہ! میں قریش اور ان کے دوستوں پر کامیابی کی تجھ سے مدد طلب کرتا ہوں؛ کیونکہ انہوں نے مجھ سے قطع رحمی کی اور میرا کام بگاڑ دیا اور وہ میرے خلاف اس حق کے لئے متحد ہو گئے جس کا میں ان سب سے زیادہ حقدار ہوں اور کہتے ہیں کہ اگر تم حق لے سکتے ہو تو لے لو، یا اگر انہوں نے آپ کو حق سے محروم کر دیا ہے تو پھر یا تو غم واندوہ کے ساتھ صبر کرو یا یہی حسرت لیے مر جاؤ!۔ پس میں نے اپنے گرد و پیش پر نظر کی تو دیکھا کہ کوئی بھی اپنی جان خطرے میں ڈالنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ پس گویا آنکھوں میں کانٹا اتر آیا ہو اور میں نے آنکھ بند کر لی اس طرح جیسے گلے میں ہڈی پھنس گئی ہو میں یہ تلخ گھونٹ پیتا رہا، جو حنظل (کڑوی بوٹی) سے بھی تلخ تھا اور دل میں تلوار کی تیز نوک سے زیادہ دردناک تھا جس پر میں نے صبر کیا"[2]

---

[1] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج۱، ص۲۹۱

[2] اللهم انی استعدیك علی قریش ومن اعانهم، فانهم قد قطعوا رحمی و اکفووا انائی، و اجمعوا علی منازعتی حقا کنت اولی به من غیری، وقالوا: الا ان فی الحق ان تأخذه، وفی الحق ان تمنعه، فاصبر مغموما، او مت متأسفا۔ فنظرت فاذا لیس لی رافد، ولا ذاب ولا مساعد، الا اهل بیتی، فضننت بهم عن المنیة فاغضیت علی القذی، و جرعت ریقی علی الشجا، و صبرت من کظم الغیظ علی امر من العلقم، والم للقلب من وخز الشفار نهج البلاغہ، محمد دشتی ،صفحہ ۴۴۵،خطبہ ۲۱۷

خلافت کے بعد جس کے لئے لوگ خود حضرت علیؑ کے پیچھے گئے۔ کافی اصرار کے ساتھ آپؑ کو خلافت و حاکمیت قبول کرنے کے لئے راضی کیا۔ مقام عمل میں جب آپؑ نے انہیں فرمانبرداری اور مدد کے لئے بلایا تو انہیں تنہا چھوڑ دیا۔ آپ نے کئی مقامات پر اور مختلف اوقات میں اپنے مددگاروں کی بے وفائی اور اپنی تنہائی و مظلومیت کی دردناک انداز میں شکایتیں کی ہیں۔

امیر المومنینؑ نے جاہل اور سست عقیدہ شیعوں کی شکایت کی ہے

نہج البلاغہ میں ایسے خطبوں کی تعداد بیس سے زیادہ ہے جو خطوط اور اقوال حکمت کے علاوہ ہیں؛ جن میں آپ نے اپنے اصحاب کی سرزنش و مذمت کی کہ انہوں نے کیوں آپؑ کو تنہا چھوڑ دیا اور کیوں ان کی فرمانبرداری نہیں کرتے۔ ہم یہاں چند ایک خطبے مختصر طور پر درج کرتے ہیں:

"اے عراق کے لوگو! تم اس حاملہ عورت کے مانند ہو جو حاملہ ہونے کے بعد حمل کے آخری دنوں میں بچہ گرادے اور اس کا شوہر بھی مر چکا ہو، اور وہ شوہر کے بغیر طویل عرصہ رہے اور اس کی میراث دور کے عزیز و اقارب لوٹ لیں۔ آگاہ ہو جاؤ! بخدا میں تمہاری طرف بخوشی نہیں آیا، بلکہ تمہارے دیار کی طرف لایا گیا ہوں۔ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تم کہتے ہو کہ علیؑ جھوٹ کہتا ہے! خدا تمہیں ہلاک کرے تم نے کس کے ساتھ جھوٹ کی نسبت دی ہے[1]۔۔۔۔ آگاہ رہو! میں نے تمہیں شب و روز پنہان و آشکار شامیوں کے خلاف مبارزے کی دعوت دی ہے، اور کہا کہ اس سے پہلے کہ وہ جنگ کے لئے بڑھیں تم ان پر دھاوا بول دو، خدا کی قسم جس ملت پر ان کے گھروں کے اندر حملہ ہو جائے وہ ذلیل و خوار ہو جاتی ہے۔ لیکن تم نے سستی دکھائی، اور ذلت و خواری کو قبول کر لیا؛ یہاں تک کہ دشمن نے پے در پے حملے کر کے تمہاری سرزمین اپنے تصرف میں لے لی۔ العجب

---

[1] نہج البلاغہ، محمد دشتی خطبہ ۷۱، صفحہ ۱۲۱

ثم العجب خدا کی قسم یہ واقعیت انسان کے دل کو مردہ کرڈالتی ہے اور غم واندوہ سے دوچار کردیتی ہے کہ شام کے رہنے والے باطل پر متحد ہو چکے ہیں؛ تمہارا برا ہو۔ تمہیں غم سے نجات نہ ملے کہ تم تو تیروں کا از خود نشانہ بنے ہوئے ہو، !وہ تم پر حملہ آور ہیں، تم حملہ نہیں کرتے؟ وہ تم سے جنگ کرتے ہیں، تم ان سے جنگ نہیں کرتے؟۔ اس طرح اللہ کی نافرمانی ہورہی ہے اور تم اس پر راضی ہو؟۔ اگر گرمیوں میں تمہیں دشمن کی طرف بڑھنے کے لئے کہتاہوں، تو تم یہ کہتے ہو کہ یہ انتہائی گرمی کا زمانہ ہے۔ اتنی مہلت دیجئے کہ گرمی کا زور ٹوٹ جائے، اور اگر سردیوں میں جنگ کا حکم دیتاہوں تو تم یہ کہتے ہو کہ کڑاکے کا جاڑا پڑ رہاہے، اتنا ٹھہر جائیے کہ سردی کا موسم گزر جائے۔ یہ سب سردی اور گرمی سے بچنے کے لئے باتیں ہیں۔ سردی اور گرمی کا تو فقط بہانہ تھا؟ اس طرح بھاگتے رہو گے، تو پھر خدا کی قسم! تم تلواروں کو دیکھ کر اس سے کہیں زیادہ بھاگو گے!۔ اے مردوں کی شکل وصورت والے نامردو! اے بچگانہ صفات کے حامل بے خرد لوگو! کہ تمہاری عقل حجلہ نشیں دلہنوں کی مانند ہے! میں تو یہی چاہتا تھا کہ نہ تم کو دیکھتا، نہ تم سے جان پہچان ہوتی۔ قسم بخدا یہ شناسائی ایسی ہے جو ندامت کا سبب اور رنج واندوہ کا باعث بنی ہے۔ تم پر اللہ کی مار ہو، تمہارے ہاتھوں میرے دل کا خون ہوا ہے اور میرا سینہ غیظ وغضب سے بھر گیا ہے! تم نے مجھے پے در پے غم وحزن میں مبتلا رکھا، نافرمانی اور ذلت قبول کرکے میری تدبیر ورائے کو تباہ کردیا[1]۔

"تمہارے جسم یکجا لیکن افکار اور مقاصد جدا جدا ہیں؛ تمہارے دعوے اور گفتگو تو سخت پتھروں کو بھی توڑ پھوڑ دیتی ہیں؛ لیکن تمہاری سست رفتاری دشمنوں کا حوصلہ بڑھا دیتی ہے۔ اپنی گھروں میں تو تم کہتے پھرتے ہو، کہ یہ کردیں گے اور وہ کردیں گے اور میدان نبرد میں یہ کہتے کہ ہو: اے جنگ ہم سے تو دور ہی رہو، اور فرار کر جاتے ہو۔ جو تمہیں مدد کے لئے پکارے، وہ ذلیل ورسوا ہو جاتا ہے، اور تمہارا دل جس نے یہ چھوڑ دیا کبھی سکون نہ پائے گا۔ بیوقوفوں کی طرح

---

[1] نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۲۷، ترجمہ مفتی جعفر حسین

حیلے بہانے کرتے ہو، اور مجھ سے جنگ میں تاخیر کرنے کی خواہشیں ہیں۔ جیسے نادہندہ مقروض اپنے قرض خواہ کو ٹالنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور مبارزے کے لیے سستی دکھاتے ہو؛ جان لو! کہ کمزور اور ناتوان افراد ظلم و ستم کو خود سے دور نہیں کر سکتے اور حق تو تلاش اور کوشش کے بغیر ملا ہی نہیں کرتا، تم اپنے گھر کا دفاع نہیں کر سکتے تو دوسروں کے گھر کا دفاع کیسے کروگے؟ اور میرے بعد اور کس امام کے ساتھ مل کر مبارزہ کے لیے جاؤگے اور جو تمہاری امید پر کامیابی کے لیے جائے گا، تو گویا وہ ٹوٹی ہوئی کمان کے ساتھ میدان میں آیا ہے! اور جو تمہارے وسیلے پر دشمن کو ہدف قرار دے گا؛ تو اس نے ٹوٹے ہوئے تیر سے تیر اندازی کی ہے! خدا کی قسم! میری کیفیت تو اب یہ ہے کہ نہ میں تمہاری کسی بات پر اعتبار کر سکتا ہوں اور نہ تمہاری نصرت کی مجھ میں امید باقی رہی ہے، اور نہ تمہاری وجہ سے دشمن کو جنگ کی دھمکی دے سکتا ہوں۔ آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے،؟ تمہارا علاج کیا ہے؟ اور اس علاج کا کیا طریقہ کار ہے[1]؟

اس قوم (اہل شام) کے افراد بھی تو تمہاری ہی شکل و صورت کے مرد ہیں، کیا یہ مناسب ہے کہ فقط نعرے لگاتے رہو اور عمل نہ کرو؟ اے کوفیو! تم پر لعنت ہو! میں نے تمہاری اتنی سرزنش کی ہے کہ میں تھک گیا ہوں۔ باتیں ہی باتیں رہیں گی۔ جانے بوجھے بغیر صرف غفلت و مدہوشی ہے۔"

کیا تم قیامت کی جاویدان زندگی کے بجائے اس زود گزر دنیا پر راضی ہو؟ تم عزت و سر بلندی کے بجائے بد بختی اور ذلت کا انتخاب کر چکے ہو؟ میں جب بھی تمہارے دشمنوں کے خلاف جنگ کرنے کی دعوت دیتا ہوں تو ڈر کی وجہ سے تمہارے ڈیلے آنکھوں کے حلقوں میں گھومنے لگتے ہیں، گویا مرگ کے خوف نے تمہاری عقل چھین لی ہو اور مست انسانوں کی طرح خود سے بیگانہ و حیران و سرگردان ہو، گویا عقل ہاتھ سے دے بیٹھے ہو اور درک نہیں کر رہے۔

---

[1] نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۲۹، ترجمہ مفتی جعفر حسین

میں اب ہر گز تم پر اطمینان نہیں کرونگا، اور تمیں اپنا پشت پناہ نہیں سمجھتا، تم شرافت مند دوست نہیں ہو کہ کوئی تمہاری طرف ہاتھ بڑھائے۔ تم ان اونٹوں کی مانند رہ جاؤ گے جن کا کوئی ساربان نہ ہو اور اگر انہیں ایک طرف سے جمع کیا جائے، تو وہ دوسری طرف سے بکھر جائیں گے۔

خدا کی قسم، تم آتش جنگ کو بھڑکانے کا ذریعہ ہو؛ تمہیں فریب دیا جاتا ہے؛ لیکن تم فریب دینا نہیں جانتے۔ وہ دھڑادھڑ تمہاری سرزمین لیتے جا رہے ہیں اور تمہیں اس کی کوئی پروا نہیں۔ دشمن تم حملہ پر آور ہونے کے لیے سوتا نہیں ہے؛ لیکن تم خواب غفلت میں پڑے ہوے ہو۔ قسم بخدا وہی شکست کھاتے ہیں جو ایک دوسرے کی مدد کے لیے آگے نہیں بڑھتے۔ خدا کی قسم! اگر سخت جنگ ہو رہی ہو اور مرگ کی گرمی و حرارت کا ڈر تم پر اس طرح چھا جائے گا کہ تم فرزند ابو طالب کے اطراف سے یوں غایب ہو جاؤ گے جیسے سر تن سے جدا ہو جاتا ہے؛ اس طرح بکھر جاؤ گے [1] میں ایسے لوگوں میں گھر چکا ہوں کہ میں حکم دیتا ہوں تو میرا حکم نہیں مانتے، اور جب انہیں بلاتا ہوں تو جواب نہیں دیتے۔ اے بے اصلو! اور اے بے نسلو! اپنے خدا کی نصرت کے لیے کس کا انتظار کر رہے ہو؟ آیا تمہارا کوئی دین ہے جو تمہیں جمع کرے؟ یا تم میں کوئی غیرت ہے جو تمہیں جوش میں لے آئے؟

میں تمہارے درمیان کھڑا یہ فریاد کر رہا ہوں، اور تم سے عاجزانہ انداز میں مدد کی درخواست کر رہا ہوں؛ لیکن تم میری بات پر کان نہیں دھرتے، اور میرے فرمان کی اطاعت نہیں کرتے، یہاں تک کہ یہ ناگوار نتیجہ آشکار ہو جائیگا، کہ نا تو تمہارے ساتھ مل کر کسی کے خون کا انتقام لیا جا سکتا ہے، اور نہ ہی تمہاری مدد سے کسی مقصد تک پہنچا جا سکتا ہے۔ میں تمہیں تمہارے بھائیوں کی مدد کے لیے بلا رہا ہوں، جو درد کی وجہ سے اونٹوں کی طرح بلبلا رہے ہیں، اور نالہ فریاد بلند کر رہے

---

[1] نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۳۴، ترجمہ مفتی جعفر حسین

ہیں، اور یا تم اس حیوان کی طرح ہل نہیں سکتے جس کی پشت زخمی ہو۔ ایک مختصر سا گروہ میرے پاس آیا تھا وہ بھی ناتواں اور مضطرب تھا[1]۔

آپ نے دیکھا کہ احمق اور جاہل شیعوں نے کس طرح اپنے امام کو تنہا چھوڑ دیا۔ امام زمانؑ کے فرمان کے مطابق جاہل اور احمق شیعہ کے ایمان سے مچھر کا پر زیادہ مضبوط ہے اگر شیعہ دین اور دینی فرائض خصوصاً اپنے ائمہ کی کامل معرفت رکھتے ہوتے تو آج تاریخ اہل بیتؑ کی غربت و مظلومیت پر ہرگز اس طرح گواہ نہ ہوتی۔ اگر شیعہ اپنے ائمہ خصوصاً امام زمانؑ کی مکمل معرفت رکھتے اور ان کے حوالے سے اپنے فرائض سے آگاہ ہوتے تو امام زمانؑ ایک ہزار ایک سو ساٹھ سال سے زیادہ عرصے سے عالم تنہائی و مظلومیت اور غیبت اختیار کرکے خون دل رونے پر مجبور نہ ہوتے۔

آیئے دیکھتے ہیں کہ وہ وجود نازنین اپنے جد بزرگوار کا حقیقی عزادار، خونِ حسینؑ کا اصلی منتقم ہزار سال سے زیادہ عرصے سے اپنے جاہل اور کم ہمت شیعوں کی بے وفائی اور عدم توجہ کی کس طرح شکایت کرتے ہیں:

وَلَوْ اَنَّ اَشْیاعَنا ـ وَفَّقَهُمُ اللهُ لِطاعَتِه ـ عَلی اجْتماعٍ مِنَ الْقُلُوبِ فِی الْوَفاءِ بِالْعَهْدِ عَلَیْهِم لَما تَأَخَّرَ عَنْهم الیمنُ بِلقائنا، وَ لَتَعجَّلَتْ لَهُمُ السَّعادَةُ بِمُشاهَدَتِنا عَلی حَقِّ الْمَعْرِفَةِ و صِدْقِها مِنْهم بِنا، فَما یَحْبِسُنا عَنْهُم اِلّا ما یَتَّصِلُ بِنا مِمّا نَکْرَهُهُ وَلا نُؤْثِرُهُ مِنْهُم[2]

اگر ہمارے سب شیعہ اللہ انہیں اطاعت کی توفیق دے ہمارے عہد کے وفا کرنے میں ہمدل ہو جاتے تو ان سے ہماری مبارک ملاقات میں تاخیر نہ ہوتی اور

---

[1] خطبہ ۳۹، نیز ان خطبات سے رجوع کیا جائے ۱۳۱، ۱۸۰، ۱۸۲، ۲۰۸، ۲۳۸، ۱۲۱، ۱۲۹، ۱۰۸، ۱۱۶، ۱۱۹، ۱۱۹، ۷۷، ۹۷، ۱۰۶،

[2] توقیع شریف حضرت مہدی علیہ السلام، شیخ مفید علیہ الرحمہ سے خطاب، بحار الانوار، ج ۵۳، ص ۱۷۶

ہماری معرفت اور ہمیں ان کی صداقت کی بناپر ہماری زیارت کی سعادت میں تعجیل ہو جاتی اور ہمارا ان سے پوشیدہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ ہمیں ان کی طرف سے ناپسندیدہ اعمال پہنچتے ہیں جنہیں ہم پسند نہیں کرتے۔

وہ شیعہ کس قدر جاہل اور کم عقل تھے جو امام حسن مجتبیٰؑ کے حق پر ہونے کا علم رکھنے کے باوجود معاویہ کی دھمکیوں، لالچ دلانے اور امامؑ کے خلاف زہریلا پراپیگنڈا کرنے کی وجہ سے راہ فرار اختیار کر گئے اور آنجنابؑ کو تن تنہا چھوڑ گئے۔ اور معاویہ سے صلح کی ترغیب دی۔

امام خمینیؒ جنہوں نے اپنے بیان کے مطابق کہ انہوں نے احمق اور جاہلوں کی وجہ سے خون دل پیا ہے۔ امام حسن مجتبیٰؑ کے اصحاب کے بارے میں فرماتے ہیں:

''امام حسنؑ نے اپنے دوستوں اور اصحاب سے اس قدر تکلیف اٹھائی کہ جو دوسروں سے نہیں اٹھائی۔

آپ کے اصحاب اس طرف متوجہ نہ تھے کہ ان کے امام زمانہ امام حسنؑ کیا کرنا چاہتے ہیں، وہ اپنے معمولی اور ناقص خیالات کے ساتھ ان کے سامنے کھڑے ہو جاتے تھے، ان پر حملہ آور ہو جاتے، انہیں اذیت دیتے، میں کیا عرض کروں کہ انہیں شکست دیدی، ان کے دشمن سے معاہدہ کر لیا اور ہزار قسم کی بساط بچھادی[1]۔''

اہل بیت علیہم السلام کا جو خونِ دل ان کے شیعوں اور جاہل دوستوں کے ہاتھوں ہوا وہ دشمنوں نے نہیں کیا بلکہ جو خونِ دل دشمنوں کے ہاتھوں ہوا اور جو اذیت، توہین اور ظلم انہیں برداشت کرنا پڑا، وہ بے معرفت شیعہ کی بد عملی کی وجہ سے ہوا۔ بالکل اس دلیل کی وجہ سے کہ ہم معتقد ہیں کہ جو شیعہ عزاداری کے چوتھے مرحلے پر نہیں پہنچا وہ حقیقی عزادار نہیں ہے؛ بلکہ ہو سکتا ہے کہ جن مصائب امام زمانہ علیہ السلام کو سامنا ہے، وہ اس میں شریک ہو۔

---

[1] صحیفہ نور جلد ۸، صفحہ ۸۹

جب ایک نادان شیعہ حقیقی عزادار نہیں بن سکتا، تو بطریق اولی وہ امام زمانہ علیہ السلام کا حقیقی منتظر بھی نہیں بن سکتا![1]

حقیقی انتظار کرنے والا شخص یہ جانتا ہے کہ فہم دین اور اللہ کے حلال و حرام کو جانے بغیر نہ فقط اللہ تعالی اور بقیۃ اللہ الا عظم ارواحنالہ الفداء کا قرب حاصل نہیں کیا جاسکتا؛ بلکہ دین اور اس کے فہم میں کمی ان ہستیوں سے بیشتر دوری کا سبب بنتی ہے؛ بلکہ اس کے باعث وہ گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ جو لوگ صرف ظواہر دین پر عمل پیرا ہیں؛ اپنے اعمال و عبادات کو حکم شرع اور اللہ تعالی کے دستور کے مطابق انجام دینے میں بے توجہی اور لاپرواہی سے کام لیتے ہیں اور اپنے رجحان اور طریقے کے مطابق دین داری کرتے ہیں۔ وہ امام زمانؑ کی مدد کرنے کی بجائے انہیں رنجیدہ کرتے اور ان کا دل دُکھاتے ہیں۔

افسوس ہے اس پر جس کا امام اس کی شکایت کرے۔ خدا کی پناہ کہ انسان دین اور ان کی محبت کا دعویٰ کرے مگر اس کی دینداری، اس کا عمل اور محبت معصومین علیہم السلام کے لئے باعثِ اذیت ہو، ان کا محبوب بننے اور ان کے قُرب کی بجائے ان کے غیظ و غضب کا نشانہ بن کر ان سے مزید دور ہو جائے اور ان کی لعنت اور ناراضگی کا مستحق قرار پائے۔

دانش اندوز و ادب ورز کہ در مجلس او

ھر کہ را نسبت ادب، لایق صحبت نبود[2]

اس بنا پر منتظر حقیقی وہ ہے جس کا طریقہ کار اور اخلاق و عقائد حقیقتِ دین اور تعلیمات معصومینؑ کے مطابق ہو۔ وہ دینداری میں اپنی خواہش نفس یا دوسروں کی خواہشات کے تابع نہیں ہوتا بلکہ ہر کام میں اس کی فکر یہ ہوتی ہے کہ اس کام میں دین کا حکم کیا ہے؟

---

[1] حقیقی منتظر کی خصوصیات اور اس کے مقام اور ذمہ داریوں سے آگاہی کے لیے کتاب آشنائی با امام زمان علیہ السلام کے حصہ چہارم کا مطالعہ کیجیے

[2] شوق مہدی، فیض کاشانی، ص ۱۲۴

منتظر حقیقی کا عمل مجتہد کے رسالہ عملیہ کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ وہ من پسند اور مبنی بر جہالت اعمال سے دوری اختیار کرتا ہے ؛ تاکہ اس کا دین اور زندگی کے تمام امور اس کے مولا کے لیے باعث رضا و قبولیت قرار پائیں اور وہ ان کے حقیقی دوستوں کے زمرے میں شمار ہو سکے۔

گر طالب لقائے امامی بہ علم کوش

اھل نظر معاملہ باآشنا کنند[1]

اگر تو امام کی ملاقات کا خواہشمند ہے تو حصول علم میں لگ جا۔ کیونکہ اہل نظر جاننے والے سے معاملہ کرتے ہیں۔

انتظار کرنے والا اپنی عقل و دانش سے کام لے کر جو چیز دین میں نہیں ہے اسے دین کے نام سے قبول نہیں کرتا اور جو کچھ دین میں ہے اسے ترک نہیں کرتا اس لئے وہ علمائے حق سے مدد طلب کرتا ہے اور وہ خود کو علماء اور بابصیرت اہل دین سے جدا نہیں کرتا۔ اس کی دینی کتابوں کے مطالعہ کرنے اور فہم دین کی تشنگی روز بروز بڑھتی جاتی ہے، وہ جاہلوں اور بے عقلوں سے شدت کے ساتھ دور رہتا ہے۔ ہاں جو کوئی اس سے کوئی چیز سیکھنا چاہتا ہے تو وہ اس کی برائی سے متاثر ہوئے بغیر اسے سکھاتا ہے۔[2]

درجہ پنجم (انتقام کے امور)

عزادار اس رتبہ میں جو کہ کامل درجہ یعنی مرتبہ چہارم میں باطن کی اعلیٰ پاکیزگی اور گہری معرفت حاصل کر لیتا ہے۔ اس درجے میں حقیقی عزادار حاصل کردہ بلند معرفت کے سایے میں

---

[1] شوق مہدی، فیض کاشانی، ص ۱۲۴

[2] آشتی باامام زمان -، ص ۸۔۲۸۷

مودتِ اہل بیت علیہم السلام نیز دشمنانِ اہل بیت سے انتقام کی حس کے ساتھ اسے عملی جامہ پہناتا ہے۔ایسا عمل مودت اور مضبوط عقیدہ کی پیداوار ہوتا ہے۔

عزادار حقیقی وہ ہے جو امام حسینؑ پر وارد ہونے والی عظیم مصیبت پر گریہ وزاری کرتا ہے اور مصیبت اعظم میں زیادہ عزادار ہوتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

اِنّ لِقتلِ الحُسینِ حَرارۃً فی قُلُوبِ المُؤمنِینَ لاتَبرُدُ اَبَدًا[1]

"مومنین کے دلوں میں شہادت حسینؑ کی ایسی حرارت ہوتی ہے جو کبھی سرد نہیں ہوتی۔"

حقیقی عزادار دل میں اگرچہ حضرت امام حسینؑ اور ان کے اصحاب کے قتل ہونے پر جو آتش سوزاں اور سرد نہ ہونے والی حرارت رکھتا ہے؛ لیکن اس کا دل مراتب کے لحاظ سے اس پر زیادہ جلتا ہے کہ حضرتؑ کو اس مقام سے محروم کر دیا گیا جو خدا نے انہیں عطا کیا تھا، کیونکہ اس کے وجود میں نفخہ اور روح حسینی کارفرما ہوتی ہے۔

امام زمانہ سید الشہداءؑ کے حقیقی فرزند ہیں؛ جنہیں اللہ تعالی نے امام حسینؑ کا ولی اور وارث قرار دیا ہے، ان کے دل میں آتش انتقام بھڑک رہی ہے جو کبھی سرد نہیں ہوتی اور یہی آتش انتقام خدا اور انسانیت کے دشمنوں سے ہے ؛جو اسے عزاداری کے درجہ پنجم یعنی دشمنانِ حسینؑ کے ساتھ جہاد و مقابلہ کے عملی میدان میں لا کھڑا کرتی ہے۔اس مرحلے پر اس کی دعا وہی ہوتی ہے جس کی تعلیم، زیارتِ عاشورا اور دیگر زیارات میں دی گئی ہے۔

فَاَسْئَلُ اللہ الَّذِی اَکْرَمَ مَقَامَکَ وَ اَکْرَمَنِی بِکَ اَنْ یَرْزُقَنِی طَلَبَ ثَارِکَ مَعَ اِمامٍ مَنْصُورٍ مِنْ اَهْلِ بَیْتِ مُحَمّد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم[1]

---

[1] مستدرک الوسائل، ج۱۰، ص۳۱۸

''میں اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتا ہوں جس نے آپ کو عزت کا مقام دیا اور آپ کے طفیل مجھے عزت بخشی کہ میں چاہتا ہوں کہ مجھے آپؑ کے خون کا بدلہ لینا نصیب فرما اس امام منصور کی ہمراہی میں؛ جو اہل بیت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے ہو گا۔''[1]

ایک اور جگہ سید الشہداء علیہ السلام کو مخاطب قرار دیتے ہوئے یہ کہتا ہے:

فَاَسْئَلُ اللهَ الَّذی اَکْرَمَ مَقامَكَ وَ اَکْرَمَنی بِكَ اَنْ یَرْزُقَنی طَلَبَ ثارِی مَعَ اِمامٍ هُدًی[2] ناطِقٍ بِالْحَقِّ مِنْکُمْ[3]

میں خدا سے یہ سوال کرتا ہوں میں اپنی خون خواہی اس ظاہر ہونے والے امام ہدایت کے ساتھ جو تیری طرف سے ناطقِ حق ہے مجھے نصیب فرما!

درجہ پنجم، دین اور اہل بیت کے دشمنوں اور مصیبت اعظم کے ذمہ دار افراد کے خلاف اقدام کرنے کے لئے عملی میدان میں قدم رکھنے کا نام ہے۔ بالفاظ دیگر یہ درجہ مصیبت اعظم کو صحیح انداز میں سمجھنے کا لازمہ ہے۔ مصیبت اعظم دشمنان دین و اہل بیت سے جہاد و مبارزہ کے سوا کسی رد عمل کا مطالبہ نہیں کرتی۔

انتقامی کارروائی کے تین مراحل

جو کچھ یہاں تک کہا گیا ہے اس سے ایک عزادار کا فریضہ یعنی انتقام کا عمل معلوم ہو گیا ہے؛ لیکن موضوع کی بہت زیادہ اہمیت کے پیش نظر ہم اس فریضہ کی مکمل تقسیم بندی پیش کرتے

---

[1] مفاتیح الجنان، زیارت عاشورا

[2] میرزا علی آقا قاضی مرحوم کے زیارت عاشورا کے نسخہ میں امام (ہدی) کی جگہ (امام مھدی) درج ہے۔

[3] مفاتیح الجنان، زیارت عاشورا

ہیں۔انتقام کے عملی میدان میں عزادار پر جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اعمال کے ایک سلسلے کو انجام دینا واجب ہے۔یعنی یہ اس کے دل واحساس اور عقل وادراک کے وظیفے سے بڑھ کر ہے۔

قرآن کریم اور معصومین علیہم السلام کی مجموعی تعلیمات سے جو امور حاصل ہوتے ہیں وہ یہ ہیں ؛اس مرحلے پر مومن کے ذمے تین فرائض بنتے ہیں؛جو یہ ہیں؛لعن اور زبانی برائت؛برائت عملی؛دشمنوں سے جہاد

ا۔زبانی لعن و برائت

انسانی زندگی میں اللہ تعالی سے اور معصومین علیہم السلام سے انسانوں کے تعلق کو قطع کرنا یا کمزور کرنا سب سے بڑی خیانت اور جرم ہے۔پوری تاریخ میں تمام وہ لوگ جو اس خیانت اور ظلم وجرم کے مرتکب ہوئے،اللہ تعالی انبیاء اور خدا کے فرشتے ان پر لعنت کرتے ہیں۔

لعن کا معنی رحمت وہدایت الہی سے دوری اور راہِ خوشبختی سے جدائی ہے۔ مسلم ہے کہ جس نے اپنا اور دوسروں کا ہاتھ دست خدا اور دامن معصومین علیہم السلام سے جدا کر لیا اور انہوں نے خود کو اور دوسروں کو رحمتِ خدا اور اس کی ہدایت اور خوشبختی کے راستے سے دور کر لیا وہ ملعون ہیں۔ملعون شخص ہدایت کے صحیح راستے سے منحرف اور گمراہی کا شکار ہو جاتا ہے۔

ایسے انسانوں پر لعنت کرنا جو خود کو اور دوسروں کو ہدایت الٰہی کے راستے سے دور کرنے کا سبب بنتے ہیں، دراصل یہ لعنت، دنیا میں ہونے والے انتہائی تلخ اور وحشتناک واقعہ کی گواہی دینا اور رپورٹ دینا ہے اور جو لوگ موردِ لعنت بنتے ہیں، وہ اس لیے کہ انہوں نے خود کو اور مخلوق خدا کو کمال لائقِ انسانی کی طرف جانے اور دنیا وآخرت کی خوش بختی سے محروم کر دیا۔اب اس محرومیت کے نتیجے میں انہیں بد بختی، شقاوت مختلف قسم کے مصائب کا شکار ہونے دنیا وآخرت کا عذاب جھیلنے کے لئے تیار ہو جانا چاہئے؛کیونکہ انہوں نے نوشتہ مقدر خود تحریر کیا ہے(یعنی اس کے اسباب انہوں نے خود مہیا کئے)۔

عوامی اصطلاح کے مطابق لعنت کا ایک اور معنی جس کی بازگشت پہلے معنی ہی کی طرف ہے؛ وہ یہ ہے اتنے سنگین جرائم کا ارتکاب کرنے والوں کے لئے عذاب و لعنت طلب کرنا ہے۔ اس قسم کی لعنت و نفرین کی دلیل بہت واضح ہے۔ یہ نفرت برحق ہے؛ کیونکہ جو اپنے لیے اور لوگوں کے لیے کامیابی کا راستہ مسدود کرلیتا ہے تو وہ قابل نفرت نہیں تو اور کیا ہو سکتا ہے؟ وہ رحمتِ خدا سے؛ اس کے دور ہونے کی دعا نہ کرے تو کیا کرے۔ اگر ایک صاحب اختیار انسان اس بات کی طرف متوجہ ہے اور جانتا ہے کہ اس کام سے دوسرے انسانوں پر برے اور منفی اثرات مرتب ہوں گے۔ اس سے دوسروں کی کامیابی میں فرق آئے گا۔ انہیں طرح طرح کی دنیاوی اور اخروی مشکلات پیش آئیں گی تو وہ شخص عذابِ خدا اور اپنے برے مجرمانہ اعمال کی سزا کا مستحق ہے۔ یہ فطری بات ہے کہ ایسا برا شخص ان تمام انسانوں کے نزدیک لائقِ نفرت و نفرین ہے؛ جو خوشبختی کے طلبگار اور خیر و خوبی کے عاشق ہیں۔[1] یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں اور بزبان اہل بیت خصوصاً آیمہ طاہرین کی زیارات میں ان لوگوں کو ملعون قرار دیا گیا ہے جو بنی نوع انسان کی دنیا و آخرت کی خوشبختی اور آسائش میں رکاوٹ بنے۔[2]

زبان پر اعلان برأت انتقامی معاملات کے مراحل میں سب سے کم درجہ ہے ؛ جبکہ بذاتِ خود یہ بہت بڑا اور اہم مرحلہ ہے۔ اس مرحلہ کے کافی اہم آثار ہیں جن کو یہاں بیان کرنے کی گنجائش نہیں۔ اہل بیت سے وارد ہونے والی شاید ہی کوئی زیارت ہو جس میں ان کے دشمنوں پر لعنت اور اظہارِ برأت نہ کیا گیا ہو۔ قرآن کریم میں کئی بار متعدد مقامات پر ایسے لوگوں پر لعنت کی گئی ہے۔

---

[1] آشتی با امام زمان، ص ۵۱

[2] {و لعن الله امة دفعتکم عن مقامکم و ازالتکم عن مراتبکم التی رتبکم الله فیها} خدا ان پر لعنت کرے جنہوں نے آپ کو آپ کے مقام سے جدا کیا اور ان مراتب سے جو اللہ تعالی نے آپ کے لیے ترتیب دیے تھے۔ آپ کو جامعہ کی حاکمیت و رہبری سے دور کر کیا۔

زیارت عاشورا اور ائمہؑ کی دیگر زیارات میں جہاں ان سے محبت وولایت کا اظہار ہے وہاں ان کے دشمنوں سے دشمنی اور برأت کا اعلان بھی ہے۔

زیارت عاشورا میں دشمنوں کے تین گروہوں کو مورد لعن وبرائت قرار دیا گیا ہے۔

الف) وہ دشمن جنہوں نے طریقہ خلافت میں تبدیلی کر کے اسے غصب کیا۔ بعد کے تمام مظالم اور روز عاشورا اہل بیتؑ پر نیز تمام شیعوں اور اسلامی معاشرے پر کئے گئے تمام جرائم و مظالم کی بنیاد رکھی۔

زیارت عاشورا میں امام حسین۔ کے مصائب کا سبب صدر اسلام میں امیر المومنینؑ کی خلافت و حکومت کو غصب کر کے اسلامی طریقے سے انحراف کو قرار دیا گیا۔ امام حسینؑ کی عظیم مصیبت کے بیان کے بعد لعنت کا آغاز ان لوگوں سے کیا گیا جنہوں نے صدر اسلام میں پیغمبر اکرم ﷺ کی رحلت کے فوراً بعد حقیقی راہ حکومت و ہدایت سے لوگوں کو منحرف کیا اور اس طریقے سے نفاق کا خوفناک اور خطرناک بیج سرزمین اسلام میں بو دیا گیا جو بعد میں بنی امیہ کی منحوس شکل میں شجر ملعونہ (ملعون درخت) بن کر سامنے آیا۔

اس شجرہ ملعونہ کی کارستانیوں کے باعث عاشورا کا دلسوز سانحہ پیش آیا۔ جو شہادت امامؑ اور انسانی معاشرے کو معصوم کی قیادت سے محروم کرنے پر منتج ہوا۔

ب) وہ دشمن جنہوں نے امام حسینؑ اور ان کے آل واصحاب کو شہید کیا اور ان پر جنہوں نے پراسرار خاموشی اختیار کر کے یا دشمن کے لشکر میں کام کر کے مدد فراہم کی۔

ج) وہ دشمن جو عاشورا کے بعد روزِ قیامت تک آتے رہیں گے۔

لعنت کی بحث میں پہلے اور دوسرے گروہ پر لعنت کے لازمی ہونے کے علاوہ ان کے موجودہ دشمنوں پر لعنت کرنا لازمی اور ضروری ہے۔ اہل بیت خصوصاً امام زمانہ کے موجودہ دشمن جو ظہور امام میں رکاوٹ ہیں؛ وہ لعنت کے حقدار ہیں اور ان سے اعلانِ برأت کیا جائے۔ جو لوگ امام زمانؑ کے موجودہ دشمنوں پر لعنت نہیں کرتے اور ان کے خلاف واضح طور پر اپنے بغض و عناد اور

دشمنی کا کھلے طور پر اظہار نہیں کر سکتے تو انہیں اپنی دوستی اور ایمان کو مشکوک سمجھنا چاہئے۔ اس سال ہم نے اس بات کا کافی مشاہدہ کیا کہ کچھ لوگ جو بظاہر مومن اور متدین تھے لوگوں کو بیکار بہانوں سے شیطان بزرگ امریکہ اور دیگر عالمی قوتوں کے خلاف اعلانِ برائت و لعنت سے روکتے تھے حالانکہ وہ تمام جرائم کا منبع، اسلام اور امام زمانؑ کے نمبر ایک دشمن ہیں۔ اور ملت کو مرگ بر امریکہ، مرگ بر اسرائیل کے خلاف نعرے لگانے سے روکتے تھے۔ اسی طرح ہم نے بہت دیکھا اور اب بھی دیکھ رہے ہیں کہ مقدس نما افراد کی ایک جماعت حج میں اعلانِ برائت کی مخالفت کیا کرتی تھی۔

امام خمینیؒ جو جمہوری اسلامی ایران کے بانی ہیں یعنی ایسا ملک جس کے لوگوں کے بارے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے [1] مطابق ظہور امامؑ کے مقدمہ ساز ان ہیں؛ اپنے وصیت نامے میں لعنت کا فلسفہ بیان کیا جو مجالس اہل بیتؑ میں ان کے دشمنون پر بھیجتے ہیں اس کی یہ تشریح بیان کی

میں ملت عزیز ایران کو وصیت کرتا ہوں کہ عزاداری کے مراسم کے دوران ائمہ اطہارؑ خصوصاً سید الشہداء امام حسین (ان کی روح پاک پر اللہ کی رحمتیں انبیاء و ملائکہ اور صلحاء کا درود و سلام ہو) کی یاد سے ہر گز غفلت نہ برتیں۔ اور جان لیں کہ تاریخ اسلام کے اس جہاد کی عظمت کے لئے ائمہ علیھم السلام کا طریقہ اور آل محمد علیھم السلام پر ظلم کرنے والوں پر لعنت و نفرین طول تاریخ سے ابد تک ستمگروں کے ظلم و ستم کے خلاف اقوام عالم کی دلیرانہ فریاد ہے۔ اور تمھیں یہ معلوم ہونا چاہئے؛ کہ بنی امیہ ملعونوں کے مظالم کے خلاف احتجاج اور ان پر لعنت و نفرین اگرچہ وہ دنیا سے گزر کر واصل جہنم ہو چکے ہیں؛ در حقیقت یہ ساری دنیا کے ظالموں کے خلاف احتجاج ہے اور اس احتجاج کو بحفاظت زندہ رکھنے سے ظلم کی کمر ٹوٹتی ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ نوحے اور آئمہ طاہرین علیھم السلام کی شان میں اشعار اس طرح ترتیب دیئے جائیں کہ تکلیف دہ مصائب اور ہر زمانے اور ہر ملک کے ستمگروں کے ظلم و ستم کی یاد تازہ ہو جائے۔ عصر حاضر میں عالم اسلام کی مظلومیت کے ذمہ

[1] کشف الغمہ، جلد ۲ صفحہ ۴۷۷

داروں؛امریکہ ،روس اور ان کے حواریوں اور حرم خدا سے خیانت کرنے والے آل سعود (اللہ اس کے رسولوں اور ملائکہ کی ان پر لعنت ہو) ان کے ظلم کو بیان کیا جائے اور ان پر لعنت و نفرین کی جائے[1]۔

نیز فرماتے ہیں:

حج میں اعلانِ برائت عہد جہاد کی تجدید اور مجاہدین کے اجتماع کی تمرین (مشق) ہے تاکہ کفر وشرک اور بت پرستی کے خلاف نبرد آزمائی کو جاری رکھا جائے،اور اس کے لیے صرف شعار دینا یانعرے لگانا کافی نہیں یہ تو ابلیس اور ابلیسی صفات رکھنے والوں کے خلاف اللہ تعالی کے لشکر کا اعلانِ مبارزہ ہے جس کا توحید کے اصولِ اولیہ میں شمار ہوتا ہے ۔[2]

اسی طرح ایرانی عوام کے مرگ برامریکہ کے نعرے کے بارے میں یہ فرمایا:

یہ بات قابل ذکر ہے کہ مرگ برامریکہ کا نعرہ اور ان کے اور ان جیسے ممالک کے پرچم جلانے سے امریکی مقدسات کی توہین ہر گز مقصود نہیں۔ (جیسے ان کے عقائد، مسیحی تعلیمات، انجیل، کلیسا، کیتھولک اور پروٹسٹنٹ وغیرہ) بلکہ امریکہ کی ظالمانہ سیاست اور حکمرانوں کے دوسروں پر جابرانہ تسلط کے خلاف نفرت اور غصے کا اظہار ہے۔ ایرانی عوام مرگ بر امریکہ کے نعرے اور ان کا پرچم جلا کر اپنی نفرت کا اعلانیہ اظہار کرتی ہے۔

۳۔ برائت عملی

برأت عملی یعنی دشمنان اسلام کی تہذیب و تمدن اور ثقافت سے عملاً دور رہنا اور ان کے عقائد واخلاق سے پرہیز کرنا۔

---

[1] وصیت نامہ سیاسی الٰہی حضرت امام خمینیؒ، مقدمہ

[2] صحیفہ نور، ج ۲۰، ص ۱۱۲

ظاہر ہے کہ اہل بیتؑ سے محبت کی نسبت ان کے دشمنوں کی ثقافت و اخلاق کو قبول کرنا مناسب نہیں۔امام صادقؑ اس بارے میں فرماتے ہیں:

نَحنُ اَصلُ کُلّ خَیرٍو مَنْ فُروعِنا کُل بِرٍّفَمِن الْبِرّ التّوحیدُ و الصّلوۃُ و الصّیامُ و کَظْمُ الْغَیْظ وَ۔۔۔ و عَدوّنا اَصْلُ کُلّ شَرٍّ ومِنْ فُروعِھِمْ کُلّ قَبیحٍ وَ فاحِشَۃٍ فَمِنْھُم الْکِذْبُ والْبُخْلُ وَالنَّمیمَۃُ وَالْقَطیعَۃُ وَ اَکْلُ الرِّبا وَ۔۔۔فکذَب مَنْ زَعمَ اَنّہُ مَعَنا وھُوَ مُتَعَلّقٌ بِفُروعِ غَیْرِنا[1]

ہم ہر خیر و خوبی کی اصل ہیں اور ہر نیکی ہماری فروع سے ہے پس اس کا شمار خوبیوں میں ہوتا ہے: توحید، نماز، روزہ، غصے کا پی جانا وغیرہ۔ ہمارے دشمن ہر شر کی جڑ ہیں اور جو ناپاک اور برائی ہے وہ ان کی فروع سے ہے۔ پس جھوٹ، بخل، چغلی، قطع رحمی، سود خوری وغیرہ ان میں سے ہیں۔ پس وہ شخص جھوٹا ہے جو یہ گمان کرتا ہے کہ وہ ہمارے ساتھ ہے جبکہ اس کا تعلق ہمارے غیر کی فروع سے ہے۔

جی ہاں! واقعی وہ شخص جو جھوٹ بولتا ہے اور خود کو اہل بیتؑ کا دوست کہتا ہے ؛ لیکن ان کے دشمنوں کے اخلاق اپناتا ہے سودی کاروبار، بداخلاقی، بد گوئی، چغلی، گراں فروشی، بخل اور ان کے شیعوں سے فریب کرتا ہے۔ اسی طرح وہ شخص جھوٹا ہے جو خود کو محب اہل بیت کہتا ہے؛ مگر اہل بیت کے دشمنوں اور ان کی تہذیب و تمدن سے بیزاری اختیار نہیں کرتا۔ بے حجابی سے، ترک نماز اور ناموس کے حوالے سے بے غیرتی اختیار کر کے اور اولاد کی غیر مذہبی تربیت کر کے اہل بیت علیہم السلام اور امام زمانؑ کے دل کا خون کرتا ہے۔ جھوٹ کہتا ہے وہ شخص جو اہل بیت کی دوستی کا دم بھرتا ہے، اپنے گھر ''یا حسینؑ'' کا علم نصب کرتا ہے اور عزاداری کے لئے اپنے گھر کو سیاہ پوش کرتا ہے اور

[1] اصول کافی، ج۸، ص ۲۴۲۔۲۴۳

ایام عزا میں سیاہ لباس زیبِ تن کرتا ہے مگر دل میں امام زمانؑ کے دشمنوں کی محبت رکھتا ہے ان کا گرویدہ ہوتا ہے اور ان کی گندگی و تہذیب کو پروان چڑھاتا ہے اور اپنے گھر پر ان کے دشمنوں کا پرچم نصب کرتا ہے جو ان کی فکری و تہذیبی غلامی اور قید کی علامت ہے۔

دشمن کے تمدن اور ثقافت سے کمزور دشمنی اور براءت ، محبت (اہل بیت) کے ساتھ سازگار نہیں۔ امام صادقؑ سے ایک شخص نے پوچھا: اے فرزند رسولؐ! فلاں شخص آپ کو دوست رکھتا ہے مگر آپ کے دشمنوں سے برأت کرنے میں کمزور ہے تو آپ نے فرمایا:

هَيْهاتَ، كَذَبَ مَنْ ادَّعٰى مَحَبَّتَنا وَلَمْ يَتَبَرَّأْ مِنْ عَدُوِّنَا[1]

"ہرگز نہیں ہو سکتا جو شخص ہم سے محبت کا دعویٰ کرے اور ہمارے دشمنوں سے بیزاری اختیار نہ کرے وہ کاذب ہے۔"

خلق زبان بہ دعویٰ عشق گشودہ اند

ای من غلام آنکہ دلش با زبان یکی است

مخلوق نے دعویٰ عشق کے لئے زبان کھولی ہے۔ دیکھو میں تو اس کا غلام ہوں جس کا دل اور زبان ایک ہو۔

ائمہ طاہرین علیہم السلام نور واحد ہیں۔ ان سب کا ہدف ایک ہے (جو احیائے دین کی سعی وایثار اور مکتب اسلام کے چراغ کو روشن رکھنے سے عبارت ہے) اس اعتبار سے ان میں سے ہر ایک کے نام اور یاد کو زندہ رکھنا دراصل مکتب الٰہی کے زندہ رکھنے کا سبب ہے۔ مگر سید الشہداءؑ کچھ خصوصیات رکھتے ہیں کہ ان کا نام اور یاد مکتب اسلام کو زندہ رکھنے میں کافی موثر ہے۔

ہر روز زیارت عاشورا پڑھنے، اہل بیتؑ کی محبت رکھنے، ان کے دشمنوں پر تبرا کرنے کی تاکید کا راز یہ ہے کہ ان کے دشمنوں کی طرز فکر سے نفرت ہو ؛ ورنہ اس وقت بنی امیہ کی بات نہیں

---

[1] بحار الانوار، ج ۲۷، ص ۵۸

ہے کہ ہم ان پر لعنت کریں ان کا نام اور یاد دلوں سے محو ہو چکی ہے اور ان کی قبریں کوڑے کرکٹ کے ڈھیر سے زیادہ نہیں۔ اب بات عصر حاضر کے یزید اور یزیدیوں کی ہے۔ زنِ فرعون نے جب بار گاہِ خدا میں دعا کی تو صرف یہ نہیں کہا کہ یااللہ مجھے فرعون سے نجات دے بلکہ کہا:

رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَکَ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ وَنَجِّنِیْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ "[1]

خدایا! میرا گھر جنت میں بنا اور مجھے فرعون اور اس کی بد اعمالیوں سے نجات دے اور ظالم قوم سے چھٹکارا دلا۔" یعنی مجھے فرعون اور فرعونیوں سے نجات دے جو اس کے برے اعمال اور ناپسندیدہ روش کے طرفدار ہیں۔ فکر ہمیشہ باقی رہتی ہے اگرچہ اس کا نام اور عنوان بدل جائے۔

نہروان میں خوارج کے تہس نہس ہونے اور ان کی قید و حیات سے آزاد ہونے کے بعد کسی نے مولا علیؑ سے عرض کیا: اچھا ہوا کہ یہ خشک مقدس نابود ہو گئے۔ تو آپ نے فرمایا:

كَلّا، وَاللهِ اِنَّهُم نُطَفٌ فی اَصْلابِ الرِّجالِ، و قَرارات النّساءِ كُلّما نَجمَ مِنْهُم قَرْنٌ قُطِعَ، حَتّٰی یَكُونَ آخِرُهُم لُصُوصًا سَلّا بِینَ[2]

"ہر گز نہیں۔ یہ آباء و اجداد کے صلبوں اور ماؤں کے رحموں میں نطفے کی صورت میں موجود ہیں۔ جب ان میں ایک ظاہر ہوتا ہے تو اسے قطع کر دیا جاءے؛ یہاں تک دوسرے اس کی جگہ آجائیں گے آخر کار وہ مسلح چور اور دہشت گرد بن جائیں گے۔

اب بھی سالار شہیدان کی راہ زندہ ہے اور امیہ، مروان اور عباسیوں کا مقصد و مسلک بھی موجود ہے۔ یہ جو گریہ وزاری کرنے اور عزاداری کرنے کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے ؛اس لئے ہے

---

[1] سورہ تحریم، آیت: ۱۱

[2] نہج البلاغہ، خطبہ ۶۰

کہ شہید پر گریہ وزاری کے ساتھ شوق شہادت بڑھتا ہے۔ گریہ وزاری؛ حماسہ کی عادت کو انسان میں زندہ کرتی ہے اور ذائقہ شہادت کو اس کے لیے خوشگوار بناتی ہے؛ کیونکہ آنسو اسی کا رنگ لے لیتا ہے جس کے لئے اسے بہایا جاتا ہے اور یہی رنگ؛ صاحب گریہ کو بھی مل جاتا ہے ؛لہٰذا حسینی منش انسان، نہ تو ظلم کرتا ہے اور نہ ہی ظلم برداشت کرتا ہے ۔یہ جو ایک گروہ ہے جو ظلم کرنے یا ظلم پذیری کی فکر رکھتا ہے یہ اس لیے ہے کہ ان میں حسینی خو نہیں ہے؛ وگرنہ حسین بن علی+ کا خاص شیعہ نہ ظلم کرتا ہے نہ ہی قبول کرتا ہے۔

ظلم پذیری اموی مسلک ہے؛ جس طرح ظالم ہونا اموی صفت ہے؛ اگرچہ یا حسینؑ کی صدائیں اس کی زبان پر ہوں۔ ہر شخص کو روز قیامت اس کے امام کے ساتھ پکارا جائیگا۔ يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ، ''اس دن کو یاد کرو جب ہر شخص کو اس کے امام کے ساتھ بلایا جائے گا۔'' ظالم شخص بنی امیہ کی صف میں شریک ہو گا لہذا اگر انسان یہ سمجھنا چاہے کہ وہ امام حسین علیہ السلام کے راستے پر ہے یا امویوں کے راستے پر، تو اسے چاہیے کہ وہ یہ دیکھے کہ ۔اس میں ظلم وستم قبول کرنے یا سلطہ گری کی خو موجود ہے یا نہیں اگر وہ اپنے اندر برے خصائل پاتا ہے تو اسے اپنے اخلاق پر تجدید نظر کرنی چاہئے۔[1]

۳۔ دشمنوں کے ساتھ جہاد کرنا، ان پر ضرب لگانا اور ان کے مکمل خاتمے تک ان کی قوت کو محدود کرنا

اگر ثقافتی یلغار اور غلط تبلیغ کی وجہ سے بت پرستی اور شرک رواج پا جائیں جس کے نتیجے میں حق؛ جو کہ مسلّم فطرت اور توحید ناب ہے، اسے نقصان ہو تو پھر حق کے اثبات کے لئے قیام اور مسلح جدوجہد کی جائے۔اس قیام کی روح دفاع ہے۔بظاہر جسے فقہ نے جہاد ابتدائی کا نام دیا ہے اس کا

---

[1] حماسہ و عرفان، ص ۳۱۲۔۳۱۰

راز یہ ہے کہ توحید جسے فطری حق تسلیم کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ توحید، فرد و معاشرہ کا سرمایۂ حیات ہے جیسے امیر المومنینؑ نے فرمایا:

اَلتَّوحیدُ حَیاۃُ النَّفسِ[1]

"توحید نفس کے لئے حیات ہے۔"

یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے کافر کو توحید سے محروم ہونے کے باعث "مردہ" سے تعبیر کیا ہے اور اسے زندہ کے مقابلے میں ذکر کرتا ہے۔

لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ[2]

"تاکہ وہ ڈرائیں اسے جو زندہ (دل) ہے اور کافروں پر وعدہ عذاب ثابت ہو جائے۔"

تمام آیات و روایات اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ اولاً: توحید ہر فرد اور تمام انسانی معاشرے کے لئے حیات معنوی ہے۔ ثانیاً: یہ سرمایہ حیات تمام بشریت کا تسلیم شدہ حق ہے اور تمام انسان اس سے استفادے کا حق محفوظ رکھتے ہیں۔ مزید برآں یہ کہ حیات ایسا حق ہے جو خالق بشر نے اسے عطا کیا۔ (ایسا نہیں کہ از خود حاصل کیا ہو) وہ دوسروں کو اس سے محروم نہیں کر سکتا بلکہ وہ خود بھی اپنے آپ کو خودکشی وغیرہ کے خطرے میں نہیں ڈال سکتا۔

اس بنا پر انسان کے فطری حق کا دفاع کرنا لازمی ہے اور کفر و شرک کا سبب بننے والے لوگوں کا مقابلہ کرنا ضروری ہے۔ یہ اس طرح ہے اگر کوئی شخص یا جماعت کسی فرد کی ظاہری زندگی یا کسی معاشرے کو نقصان پہنچا کر ان کو ختم کرنا چاہیں تو دفاع لازم آتا ہے ؛اسی طرح اگر کوئی شخص یا گروہ کسی شخص کی معنوی زندگی کو خراب کرے، انہیں کافر بنا دے یا کسی کا اسلام چھین لے تو دفاع

---

[1] سورہ یس، آیت ۷۰

[2] سورہ یس، آیت: ۷۰

کرنالازم ہو جائے گا۔ اگر کوئی شخص خودکشی کا ارادہ کرے یا اپنے آپ کو ختم کرنا چاہے تو اس کی زندگی بچانے کے لئے اسے اس کام سے روکنا واجب ہے۔ اسی طرح معنوی اور روحانی خودکشی یعنی شرک کرنا اور کفر میں غوطہ زن ہونے سے روکنا بھی واجب ولازم ہے۔[1]

قرآن کریم نے اس سبق آموز اور زندگی بخش مطلب کو تین محور میں بیان کیا ہے:

اول: بربادی پھیلانے والوں کی ایک خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ نہ تو خود نور الٰہی سے فایدہ اٹھاتے ہیں اور نہ ہی دوسروں کو اس نور سے فائدہ اٹھانے دیتے ہیں۔ بلکہ وہ ہمیشہ نورِ خدا کو بجھانے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں اور اس کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ اس سے استفادہ کرنے کے ہر راستے کو بند کر دیں۔

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ[2]

"کافر نورِ خدا کو بجھا دینا چاہتے ہیں اور خدا اپنے نور کو مکمل کر کے چھوڑے گا اگرچہ کافر اسے ناپسند کریں۔"

وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْئَوْنَ عَنْهُ وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ[3]

"اور وہ دوسروں کو بھی اسلام سے روکتے ہیں اور خود بھی اس سے دور رہتے ہیں اس طرح وہ صرف اپنے آپ کو ہلاک کرتے ہیں حالانکہ وہ اس کا شعور نہیں رکھتے۔"

ان دو آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر، نورِ خدا کو بجھانے کے درپے ہیں؛ لیکن وہ ناکام رہیں گے۔ علاوہ اس کے کہ وہ لوگوں کو دین خدا سے دور کرتے ہیں وہ خود بھی اس سے دور رہ کر

---

[1] حماسہ وعرفان، ص ۲۴

[2] سورہ توبہ، آیت: ۳۲

[3] سورہ انعام، آیت: ۲۶

محروم رہتے ہیں۔ وہ نہر کے منہ پر پتھر کی طرح ہیں وہ آبِ حیاتِ معنوی کو نہیں چھوڑتے کہ پیاسے سیراب ہوں اور خود بھی اس سے محروم رہتے ہیں۔ راستے کے اس قسم کے کانٹوں کو ہٹانا رحمت خدا ہے۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلٰكِنَّ اللهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِيْنَ[1]

"اگر اللہ تعالی لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے نہ روکتا تو زمین پر فساد برپا ہو جاتا لیکن اللہ تمام جہانوں پر فضل و کرم کرنے والا ہے۔"

وَلَوْلَا دَفْعُ اللهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللهِ كَثِيْرًا[2]

"اگر خدا لوگوں میں سے بعض کو دوسروں کے ذریعے سے نہ روکتا تو یہودیوں کے مقامات عبادت، عبادت گاہیں اور مساجد جن، میں ذکر خدا کثرت سے کیا جاتا ہے منہدم کر دیئے جاتے۔"

چونکہ زمین کو تباہی سے بچانا اور مذہبی مراکز کو ویرانی سے محفوظ رکھنا ایسی رحمت خدا ہے جس کا حصول حملہ آوروں کو روکے بغیر ممکن نہیں لہٰذا اس قسم کی رکاوٹوں کو دور کرنا اور راستے کے ان کانٹوں کو صاف کرنا اور رہزنوں کی سنگ باری کا جواب دینا کار خیر کا حصہ اور رحمت الٰہی کا مصداق شمار ہوگا۔

۳۔ جو کچھ نظام عالم کے لئے رحمت شمار ہوتا ہے تو اللہ تعالی اسے ضرور انجام دیتا ہے اور اس کی انجام دہی میں کوتاہی نہیں ہوتی۔

---

1 سورہ بقرہ، آیت: ۲۵۱

2 سورہ حج، آیت: ۴۰

اس اعتبار سے پہلی آیت کے آغاز میں یہ فرمانے کے بعد کہ "اگر اللہ تعالیٰ صالح افراد کے ذریعے سرکشوں کی سرکوبی نہ کرتا تو زمین پر فساد برپا ہو جاتا" یہ فرمایا! وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ یعنی فضل ورحمت خدا اجازت نہیں دیتا کہ سرکش زمین کو تباہ و برباد کریں۔

دوسری آیت کے ذیل میں یہ فرمانے کے بعد کہ اگر خدا سرکشوں کو نہ روکتا تو دینی مراکز اور مذہبی مقامات ویران ہو جاتے، فرماتا ہے: وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ "اللہ ان کی ضرور مدد کرے گا جو اس کی مدد کرتے ہیں بے شک اللہ قوی و غالب ہے۔" یعنی فضلِ خدا، اس کی قدرت و عزت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ سرکشوں کے دفع کرنے پر توجہ دے اور راہِ تکامل کے کانٹوں کو ہٹا کر اپنی رحمت کا اظہار کرے۔ سورہ مبارکہ بقرہ کی آیات ۲۰۴ سے ۲۰۷ تک اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ بعض لوگ معاشرے کو فساد کی طرف چلانے کی کوشش کرتے ہیں پھر بعض ایثار و قربانی بھی کرتے ہیں ایثار و فداکاری کرنے والے لوگ درحقیقت رحمت الٰہی کا پرتو ہوتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کو بروئے کار لاتا ہے لہٰذا ایسے لوگ بھی خلق کرتا ہے اور انہیں پروان چڑھاتا ہے کہ وہ قربانی دے کر رکاوٹ کو دور کریں۔ (کفر کے خلاف امام علیؑ کی جنگیں اور یزید کے خلاف امام حسینؑ کا اقدام اس کی واضح مثالیں ہیں)۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ[1]

"بعض لوگ (علی علیہ السلام مراد ہیں) ایسے ہیں جو نفس کو رضائے خدا کے لیے بیچ دیتے ہیں (یا جس رات علیؑ بستر پیغمبر پر سوئے تھے) اور اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔"

چونکہ تمام امور کے نظام کی ڈرائنگ خداے سبحان کی رحمت بناتی ہے اس لیے اس کا نتیجہ بھی اسی سے منسوب ہوتا ہے اس لیے داود و جالوت کے قصے میں ارشاد فرمایا:

---

[1] سورہ بقرہ، آیت: ۲۰۷

فَهَزَمُوهُم بِإِذْنِ اللهِ وَقَتَلَ دَاوُدُ جَالُوتَ وَآتَاهُ اللهُ الْمُلْكَ[1]

یعنی راہ حق کے مجاہدوں نے خدا کے حکم سے بیگانوں کو شکست دی۔ چونکہ حملہ آوروں کا قتل رحمت الٰہی کا واضح ترین مصداق ہے؛ اس لئے یہ اللہ تعالٰی کی طرف منسوب ہے ارشاد ہوا:

فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَكِنَّ اللهَ قَتَلَهُمْ[2]

تم نے قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا ہے۔[3]

جس طرح روح، جسم میں اس کی حیات اور تمام اعضاء و جوارح کی زندگی کا سبب ہے اور جسم کو خراب و فاسد ہونے سے بچاتی ہے؛ اسی طرح دین، اجتماعی زندگی میں حیات معنوی اور اس کے متعلقات و معاملات کے وجود کا موجب ہے۔ اس کے نتیجے میں اس کے تمام امور دینی رنگ میں رنگے اور حکم الٰہی کے ماتحت شمار ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے جس ملک کے باشندے خدا، رسالت وحی پر ایمان رکھتے ہیں اور قیامت کا اقرار کرتے ہیں وہ سرزمین حکم اسلام میں ہوتی ہے؛ لہٰذا اس کی حفاظت لازمی اس کا دفاع واجب اور اس کے تحفظ کے لئے جنگ کرنا؛ راہِ خدا میں جہاد ہوتا ہے۔

اس کے برعکس کافروں کے ملک و وطن کا دفاع راہ خدا میں جہاد نہیں؛ کیونکہ مشرکین کی سرزمین خدائی رنگ نہیں رکھتی؛ لہٰذا اس کا دفاع کا شمار دینی جہاد میں نہیں ہوگا۔ قرآن کریم میں بنی اسرائیل کی جماعت کا تذکرہ ہے؛ جنہوں نے اپنے نبی سے درخواست کی کہ وہ ان کے لئے لشکر کا سربراہ اور نظام کے قیام کے لئے ایک رہنما مقرر کریں؛ تاکہ وہ اس کی قیادت میں راہِ خدا میں جہاد کریں۔ خدا فرماتا ہے کہ ان کے پیغمبر نے کہا: جنگ واجب ہونے کی صورت میں ہو سکتا ہے کہ تم پیروی نہ کرو اور منہ موڑنے لگو انہوں نے جواب میں کہا:

---

[1] سورہ بقرہ، آیت: ۲۵۱

[2] سورہ انفال، آیت: ۱۷۔

[3] حماسہ و عرفان، ص ۲۸

وَمَا لَنَآ اَلاَّ نُقَاتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِیَارِنَا وَاَبْنَآئِنَا[1]

یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم راہ خدا میں جنگ نہ کریں جبکہ ہمیں اور ہمارے بیٹوں کو اپنے وطن سے جلاوطن کر دیا گیا ہے۔

اس آیت کا اہم پیغام یہ ہے کہ مملکت اسلامی کا دفاع اور مقبوضہ سرزمین میں موجود زیر کفالت قبائل کی اولاد کو آزاد کرانے کے لئے جنگ کرنا راہ خدا میں جہاد شمار ہوگا۔ چنانچہ عصر حاضر میں فلسطینی مسلمان اپنے اسلامی مرکز کو صہیونیت کے پنجہ استبداد سے چھڑانے کے لئے مبارزہ کر رہے ہیں، وہ راہ خدا میں جہاد کرنا ہے۔[2]

انتقامی عملیات پر روح رحمت کی حاکمیت

عزادار اس رتبہ میں معصومین علیہم السلام کے تقرب کی برکت سے جو رحمت خدا کی معدن اور مہر و محبت کا مرکز ہیں، جذبہ محبت میں قوی ہونے کے علاوہ انسان سے محبت و مہربانی کرنے میں بھی قدرت پیدا کر لیتا ہے۔ اس کی وضاحت یوں ہے کہ انسان حیات حیوانی اور حیات انسانی کے دو درجے رکھتا ہے ہر درجہ کی اپنی خصوصیات اور مخصوص کمالات ہیں۔ درجہ حیوانی میں انسان ایک حیوان ہے۔ جس طرح حیوان میں محبت ہوتی ہے وہ اس محبت کے سایے میں زندگی کے مراحل میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ اسی طرح انسان بھی دوسروں کی مدد کرتا ہے اور مصیبتوں میں ان کا دفاع کرتا ہے۔ لیکن یہ مدد اور دفاع، روح حیوانی کے ذریعے انجام پاتا ہے جو طبیعی اور حیوانی زندگی سے مربوط ہے۔ مثلاً کسی انسان کے بیماری، درد، زخمی ہونے، قتل ہونے یا غم میں مبتلا ہونے کے مواقع پر وہ ان حالات کا مقابلہ کرتا ہے؛ اگر کوئی انسان ان حالات سے دوچار ہو جائے تو اس کا

---

[1] سورہ بقرہ، آیت ۲۴۶

[2] حماسہ و عرفان، ص ۳۲

دل جلتا ہے ؛اگر ممکن ہو تو اس کی مدد کرتا ہے اور اس کی مصیبت اور غم یا پریشانی دور کرنے کی کوشش کرتا ہے ؛بلکہ بعض اوقات اپنے آرام و سکون کو دوسروں کے لئے قربان کر دیتا ہے ؛اس قسم کے مہر و محبت کے واقعات حیوانوں کی زندگی میں کئی بار اور کثرت سے دیکھنے میں آتے ہیں۔ یہ بہت دیکھا گیا ہے کہ ایک انسان یا کسی حیوان کو بچانے کے لئے چاہے اس کی اولاد، بیوی یا شوہر یا کوئی اور اس کے لئے اپنی زندگی کو خطرے میں ڈال دیتا ہے یہ تمام جذبات مہر و محبت طبیعی اور حیوانی حیات میں محدود ہیں اور دنیا کی طبیعی اور محدود عمر کے لئے ہیں ۔

اس رتبہ میں انسان خود پر اور دوسروں پر ابدی و انسانی نگاہ رکھتا ہے۔ اس درجے میں اپنے اور دوسروں کے لیے اس کے مہر و محبت کے جذبات اس نگاہ کے تابع ہوتے ہیں ؛جو بحیثیت انسان اور اشرف المخلوقات کے ہیں نہ کہ ایک حیوان کے عنوان سے جس کے کمالات محدود اور دنیاوی ہوتے ہیں۔ اس درجے میں انسانی روح نفخہ الٰہی (روح خدا کے پھونکنے) کی وجہ سے فرشتوں سے برتر اور اشرف المخلوقات ہے۔ اس لیے انسانی اور ابدی حیات گزارنے کے لئے وہ انبیاء اور آسمانی کتابوں اور دین کا محتاج ہے۔ دین، قوانین و معارف الٰہی کا ایسا مجموعہ ہے جو انسان کے جسم وجودی کو سامنے رکھتے ہوئے حیات کے سہ گانہ مراحل نیز تخصص ہفتگانہ [1] کی ضرورت اور ہدایت کی ضرورت کے لیے رب العالمین کی طرف سے جو انسان اور جہان کا مالک و مدبر ہے ؛انبیاء علیہم السلام کے ذریعے دیا گیا۔ اس نقطۂ نظر سے حیات انسانی دنیا اور عالم طبیعت تک محدود نہیں بلکہ اس کے تین مراحل ہیں۔ (۱) قبل از دنیا (۲) دنیا میں (۳) بعد از دنیا (آخرت و ابدیت)۔

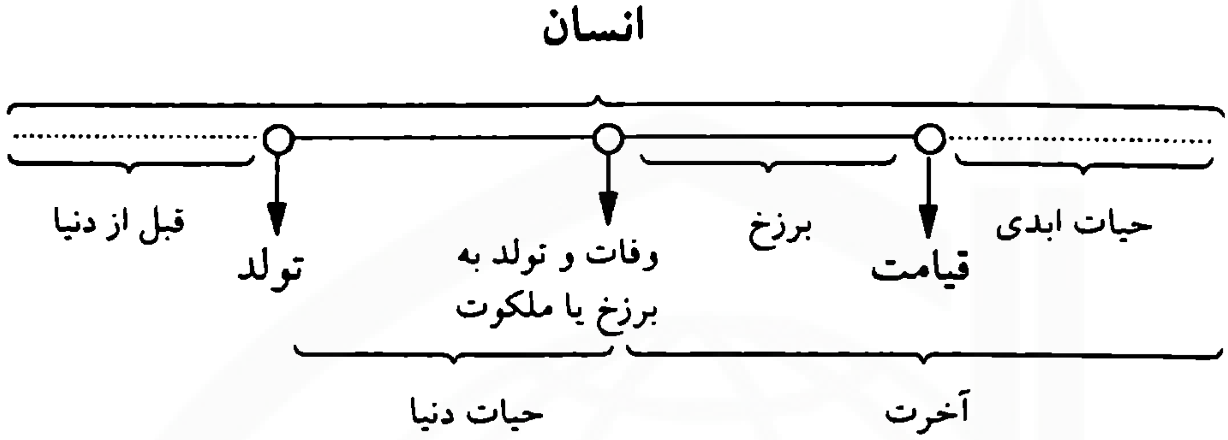
انسان اللہ کی عطا کردہ روح کے ساتھ اس دنیا میں آیا ہے۔ اور ایک مدت تک یہاں زندگی گزارتا ہے۔[2] اور آخر کار خدا اور عالم آخرت و ابدیت کی طرف چلا جاتا ہے۔[3] اس لحاظ سے انسان کی حیات و حرکت کی یہ صورت بنتی ہے :

---

[1] ہفتگانہ تخصص کے بارے میں مزید آگاہی کے لیے کتاب آشتی با امام زمان علیہ السلام کا مطالع کیجیے۔

[2] {وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ} سورہ بقرہ، آیت:

[3] {إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ} سورہ بقرہ، آیت: ۱۵۶



اس رتبہ انسانی میں انسان کا مہر و محبت انسان کے تمام وجودی زاویوں اور اپنی زندگی کے تمام مراحل میں اپنے آپ سے اور دوسروں سے تعلق پیدا کرتا ہے۔ خود کو اور دوسروں کو دوست رکھتا ہے؛ لیکن ایک دنیا کے اندازے کے مطابق نہیں کیونکہ یہ تو محدود اور کم ہے بلکہ ابدیت اور بے نہایت اندازے کے مطابق۔

حقیقی عزادار نہ صرف حیوانی دنیا کی حیات طبیعی کی فضا میں بلند و بالا اور قوی ترین محبتوں کے ذریعے انسانوں، حیوانوں حتیٰ کہ جمادات گھاس وغیرہ کو احترام اور دوستی کے لائق نہیں سمجھتا بلکہ دوسروں کی انسانی و ابدی حیات کے ساتھ بلند اور قوی ترین مہر و محبت رکھتا ہے۔

پانچویں درجے میں عزادار ایک طرف انسان کے ساتھ اور اپنے زمانے پر گہری آشنائی کے سایہ میں حیات انسان کے دشمنوں اور حقیقی رشد و سعادت کی رکاوٹوں کو پہچانتا ہے اور ایسے جہاد کا آغاز کرتا ہے جو انسانوں کی ابدی محبت اور الٰہی و انسانی حیات کے موانع و آفات کے خاتمے کے جذبات پر مبنی ہوتا ہے۔ عزادار، تمام موجودات سے نگاہ محبت رکھنے کی وجہ سے کسی سے ذاتی کینہ اور انفرادی دشمنی یا لڑائی جھگڑا نہیں کرتا۔ اس کی جنگ و جہاد کی بنیاد انسان دوستی ہوتی ہے۔ انسان کے ساتھ ابدی محبت کے زیر اثر راہِ خدا میں خدا کے لئے فرمانِ خدا کے مطابق جہاد کے مقدس نام سے جدوجہد کرتا ہے۔

اس کا جہاد آسمانی اور الٰہی محرکات کی بنا پر ہوتا ہے وہ ان عوامل جیسے انفرادی غیظ و غضب، خشم حیوانی، طاقت و حکومت کا نشہ نیز دوسروں پر برتری اور جاہ طلبی کا اثر نہیں لیتا۔

نہضت امام حسینؑ کا فلسفہ اور کلام و نگاہ امام میں جہاد کے محرکات

اس راستے میں عزادار اپنے مولا و امام حضرت سید الشہداءؑ کا پیرو کار ہوتا ہے؛ کہ جو اسلامی افکار اور اپنی مقدس نہضت میں جہاد کی ضرورت اور مقام کو ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

۱۔ حضرت - نے منیٰ کے میدان میں رسول خدا ﷺ کے سینکڑوں اصحاب اور بزرگوں کے سامنے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

"تعجب ہے اور میں کیوں تعجب نہ کروں! جبکہ اسلامی ملک ایک فریب کار اور نابکار کے ہاتھ میں ہے اور مالیات ایک ظالم کے ہاتھ میں ہے؛ اور ایک بے رحم شخص اہل ایمان پر حکمران ہے۔ ہماری اس کشمکش کا اللہ حاکم ہے اور ہمارے اختلاف کا اللہ تعالیٰ فیصلہ کرنے والا ہے۔

یا اللہ! تو جانتا ہے کہ جو کچھ ہم کر رہے ہیں وہ بادشاہی کی لالچ میں نہیں اور نہ ہی حقیر مال و دولت کے لئے؛ بلکہ اس لئے کہ تیرے دین کی نشانیوں کو نمایاں کریں۔ اور تیری زمین پر اصلاح کریں تاکہ تیرے سب مظلوم بندوں کو امن نصیب ہو اور تیرے فرائض، سنت اور احکام پر عمل کیا جائے۔ اے لوگو! اگر تم نے ہماری مدد نہ کی تو ظالم تم پر پہلے سے زیادہ طاقتور ہو جائیں گے اور تمہارے نبی کے نور کو بجھا دیں گے۔ ہمیں اللہ ہی کافی ہے اسی پر ہمارا بھروسہ ہے اسی کی طرف ہماری بازگشت ہے اور اسی کی طرف ہمارا انجام ہے۔"[1]

---

[1] فیا عجبا و مالی لا اعجب والارض من غاش غشوم و متصدق ظلوم، و عامل علی المؤمنین بهم غیر رحیم، فالله الحاکم فیما فیه تنازعنا، والقاضی بحکمه فیما شجر بیننا۔ اللهم انك تعلم انه لم یکن ما کان منا تنافسا فی

۲۔اپنے بھائی محمد بن حنفیہ کے دلسوز اور خیر خواہی کے جذبات کے جواب میں ارشاد فرمایا:

"بھائی جان! قسم بخدا اگر دنیا میں میرے لئے کوئی پناہ گاہ بھی نہ ہو تو بھی یزید بن معاویہ کی بیعت نہ کروں گا کیونکہ رسول خداﷺ نے اس کے بارے میں ارشاد فرمایا: یااللہ یزید کو خیر و برکت نہ دینا۔"[1]

اس کے بعد وصیت نامہ لکھ کر بھائی کے ہاتھ میں دیا اور اس میں یوں تحریر فرمایا:

"میں نے ہواء و ہوس، تباہ کاری اور ظلم کرنے کی غرض سے قیام نہیں کیا میں صرف اپنے جد کی امت کی نجات کے لئے نکلا ہوں۔ میں نیکیوں کا حکم دینا اور برائیوں سے روکنا چاہتا ہوں اور اپنے جد بزرگوار اور اپنے والد بزرگوار کے نقش قدم پر چلنا چاہتا ہوں۔"

جس نے میری دعوتِ حق کو قبول کیا تو خدا حق کے زیادہ قریب ہے اور اس کی جزا اللہ کے پاس ہے اور جس نے قبول نہ کیا تو میں صبر کروں گا یہاں تک کہ اللہ میرے اور قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کردے کہ وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔[2]

سلطان، ولا التماسا من فضول الحطام، ولکن لنری المعالم من دینک، و نظهر الاصلاح فی بلادک، و یأمن المظلومون من عبادک، و یؤمل بفرائضک و سننک و احکامک، فانکم]الا[تنصرونا قوی الظلمة علیکم، و عملوا فی اطفاء نور نبیکم، وحسبنا الله وعلیه توکلنا و الیه انبنا و الیه المصیر موسوعۃ کلمات امام حسین-، صفحہ ۲۷۶۔

[1] یا اخی والله لو لم یکن فی الدنیا ملجا ولا ماوی، لما بایعت یزید بن معاویة ابدا موسوعۃ کلمات امام حسین-، صفحہ ۲۸۹

[2] فمن قبلنی بقبول الحق فالله اولی بالحق ومن رد علی هذا اصبر حتی یقضی الله بینی و بین القوم بالحق وهو خیر الحاکمین موسوعۃ کلمات امام حسین-، صفحہ ۲۹۱

۳۔ حضرتؑ نے چند بار حضرت حُراور اس کے لشکریوں سے یوں خطاب فرمایا:

”معاملہ جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو کشیدہ ہو چکا ہے تم دیکھ رہے ہو کہ دنیا بدل چکی ہے اور ناساز گار ہو چکی ہے۔ اس سے نیکی پشت کر چکی ہے اور بہت تیزی سے گزر رہی ہے اور اس میں اتنا ہی باقی ہے جتنا برتن کی تہہ میں باقی ماندہ معمولی سا پانی اور زندگی پست ہے جیسے سخت اور خطرناک چراگاہ۔ کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ حق پر عمل نہیں ہو رہا اور باطل سے روکا نہیں جا رہا۔ حالات ایسے ہو چکے ہیں کہ مومن شہادت کی موت میں رغبت رکھتا ہے۔ میں ایسی موت کو سعادت و شہادت سمجھتا ہوں اور ظالموں کے ہمراہ زندگی گزارنے کو ننگ و عار کے سوا کچھ نہیں جانتا۔“[1]

”بے شک لوگ دنیا کے غلام ہیں دین ایک بیجان چیز کی مانند ان کی زبان پر ہے۔ دین کے گرد اس وقت تک گھومتے ہیں جب تک ان کی معیشت فراخ ہوتی ہے۔ اور جب انہیں آزمائش میں ڈالا جاتا ہے تو دیندار کم رہ جاتے ہیں۔“[2]

”امابعد! اے لوگو! اگر تم خدا سے ڈرتے ہو اور حق کو اہل حق کے لئے سمجھتے ہو تو یہ اللہ کے نزدیک بہت پسندیدہ بات ہے اور ہم اہل بیت علیہم السلام امامت کے ان جھوٹے دعویداروں سے زیادہ سزاوار ہیں جو اس کے اہل نہیں جو تم پر

---

[1] انه قد نزل من الامر ما قد ترون، و ان الدنيا قد تغيرت و تنكرت و ادبر معروفها، واستمرت جدا ولم يبق منها الا صبابة كصبابة الانائ، و خسيس عيش كالمرعى الوبيل، الا ترون ان الحق لا يعمل به و ان الباطل لا يتناهى عنه، ليرغب المؤمن في لقاء الله محقا، فاني لا ارى الموت الا شهادة، ولا الحياة مع الظالمين الا برما موسوعۃ کلمات امام حسین۔، صفحہ ۳۵۵

[2] ان الناس عبيد الدنيا و الدين لعق على السنتهم يحوطونه ما درت معائشهم فاذا محصوا بالبلاء قل الديانون موسوعۃ کلمات امام حسین۔، صفحہ ۳۵۶

ظلم و ستم کر رہے ہیں اور اگر تم ہم سے خوش نہیں ہو اور حق کو نہیں پہچانتے اور تمہاری رائے اپنے نوشتہ خطوط کے برعکس ہو چکی ہے اور جو تمہارے ایلچی کہتے تھے، تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔"[1]

نیز آپؑ نے فرمایا:

"میں وہ نہیں جو موت سے ڈرتا ہو۔ عزت کی راہ میں اور احیائے حق کے لئے موت کتنی آسان ہے۔ عزت کی راہ میں موت حیاتِ جاوید ہے اور ذلت کی موت ایسی موت ہے جس میں حیات نہیں۔ تم مجھے موت سے ڈراتے ہو؟۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ تیرا تیر خطا ہو گیا۔ تیرا گمان غلط ہے میں موت سے ڈرنے والا نہیں بے شک میرا نفس اور ہمت اس سے بلند و بالا ہے کہ میں موت سے ڈر کر رسوائی اٹھاؤں۔ تم میرے قتل کے سوا اور کر بھی کیا سکتے ہو؟ راہ خدا میں قتل ہونے کو خوش آمدید کہتا ہوں لیکن تم میری عزت و حرمت اور شرف کو محو نہیں کر سکتے۔ پھر مجھے قتل ہونے کی پرواہ نہیں۔"[2]

---

[1] اما بعد ایها الناس فانکم ان تتقوا و تعرف الحق لاهله یکن ارضی لله، و نحن اهل بیت اولی بولایة هذا الامر علیکم من هؤلاء المدعین مالیس لهم و السائرین فیکم بالجور و العدوان، وان انتم کرهتمونا و جهلتم حقا، و کان رأیکم الان غیر ما اتتنی کتبکم و قدمت به علی رسلکم انصرفت عنکم موسوعۃ کلمات امام حسین۔، صفحہ ۳۵۲

[2] لیس شأنی شأن من یخاف الموت، ما اهون الموت علی سبیل نیل العز و احیاء الحق، لیس الموت فی سبیل العز الا حیاة خالدة و لیست الحیاة مع الذل الا الموت الذی لا حیاة معه، افبالموت تخوفنی، هیهات طاش سهمك و خاب ظنك لست اخاف الموت، ان نفسی لاکبر و همتی لاعلی من ان احمل الضیم خوفا من الموت و هل تقدرون علی اکثر من قتلی۔۔! مرحبا بالقتل فی سبیل الله، ولکنکم لا تقدرون علی هدم مجدی و محو عزی و شرفی فاذا لا ابالی بالقتل موسوعۃ کلمات امام حسین۔، صفحہ ۳۶۰

نیز آپؑ نے فرمایا:

"جو شخص ظالم حکمران کو دیکھے کہ وہ حرام خدا کو حلال کرتا ہے۔ عہد خدا کو توڑتا ہے، سنت رسولؐ کی مخالفت کرتا ہے، بندگانِ خدا میں گناہ اور دشمنی کو رواج دیتا ہے؛ تو اگر، وہ اپنے قول و فعل سے اسے نہ بدلے تو خدا کے لئے لازم ہے کہ اسے اس ظلم کے ساتھ (پست اور عذاب آور) جگہ پر رکھے۔

جان لو کہ یہ شیطان کی اطاعت پر ڈٹ گئے ہیں۔ اور خدائے رحمن کی اطاعت ترک کر دی ہے فتنہ و فساد پھیلا دیا ہے۔ حدود خدا کو معطل کر دیا ہے۔ بیت المال کو اپنے لئے مخصوص کر لیا ہے۔ خدا کے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دیا ہے۔ اور میں زیادہ حق رکھتا ہوں کہ ان کے خلاف نکلوں۔

تمہارے خطوط مجھے مل چکے ہیں۔ تمہارے ایلچی (پے درپے) آتے رہے کہ تم اپنی بیعت کے ساتھ مجھے دشمن کے حوالے نہیں کروگے مجھے تنہا نہیں چھوڑو گے۔ اگر اپنی بیعت پر باقی رہو گے تو اپنے رشد (کمال) کو پالو گے۔

اب میں حسین بن علی، رسول اللہ ﷺ کی دختر کا بیٹا ہوں۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ میرا خاندان تمہارے ساتھ ہے۔ میں تمہارے لئے نمونہ عمل ہوں۔"[1]

۴۔ زندگی کے آخری لمحات میں حق تعالٰی سے یوں مناجات فرماتے ہیں:

---

[1] من رأى سلطانا جائرا مستحلا لحرم الله، ناكثا لعهد الله، مخالفا لسنة رسول الله يعمل فى عباد الله بالاثم والعدوان فلم يغير عليه بفعل ولا قول، كان حقا على الله ان يدخله مدخله الا و ان هؤلاء قد لزموا طاعة الشيطان و تركوا طاعة الرحمن، و اظهروا الفساد، و عطلوا الحدود، واستأثروا بالفيئ، واحلوا حرام الله، و حرموا حلال الله، و انا احق من غير۔ قد اتتنى كتبكم، و قدمت على رسلم ببيعتكم انكم لا تسلمونى ولا تخذ لونى، فان تممتم على بيعتكم تصيبوا رشدكم، فانا الحسين بن على، وابن فاطمة بنت رسول الله ﷺ، نفسى مع انفسكم، و اهلى مع اهليكم، فلكم فى اسوة موسوعۃ کلمات امام حسین۔، صفحہ ۳۶۰

میرے معبود میرے سردار! مجھے یہ بات پسند ہے کہ تیری اطاعت و محبت میں ستر ہزار مرتبہ قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں خصوصاً جب میرا قتل نصرت و احیاءِ دین اور تیری شریعت کی عزت و ناموس بچانے کے لئے ہو۔ آل محمد علیہم السلام کے ان جوانوں کی شہادت کے بعد تو میں اس زندگی سے تھک گیا ہوں۔[1]

۵۔ امام حسینؑ اس مقام و منزلت پر بہت متوجہ تھے :جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی اور ان کے خاندان کی تھی۔ یعنی جانشین رسول ﷺ اور حکومت اسلامی۔ وہ اس مقام خلافت کے چھوڑنے کو جو دستورِ اسلام کے مٹانے کے مترادف ہے بہت بڑی مصیبت سمجھتے تھے۔

یہی وجہ ہے کہ جب پسرِ ابو سفیان کا انتقال ہوا تو حاکم مدینہ ولید نے امام حسینؑ کو بلا بھیجا تاکہ ان سے یزید کے لئے بیعت لی جائے۔ جب عبداللہ ابن زبیر نے آپ سے پوچھا اگر آپ کو یزید کی بیعت کے لئے کہا جائے تو آپ کیا کریں گے۔ آپؑ نے فرمایا:

''میں اس کی بیعت ہرگز نہ کروں گا۔ کیونکہ میرے بھائی حسنؑ کے بعد امر خلافت پر میرا حق ہے۔ معاویہ نے جو کیا سو کیا۔ معاویہ نے حلفاً یہ کہا تھا کہ وہ اپنے بعد خلافت اپنی اولاد کو نہ دے گا۔ بلکہ مجھے دے گا اگر میں زندہ ہوا۔ معاویہ اب اس دنیا سے گزر گیا ہے اس نے میرے اور میرے بھائی حسنؑ کو جو ضمانت دی تھی وہ پوری نہیں کی۔ اب ہمارے لیے ایسا سانحہ پیش آیا ہے ؛کہ جس کی وجہ سے آرام و سکون غارت ہو گیا۔ حضرت ابو بکر کو دیکھو (کہ اس نے

---

[1] الٰھی و سیدی وددت ان اقتل و احیی سبعین الف مرۃ فی طاعتك و محبتك، سیما اذا کان فی قتلی نصرۃ دینك و احیاء امرك و حفظ ناموس شرعك، ثم انی قد سئمت الحیاۃ بعد قتل الاحبۃ و قتل ھؤلاء الفتیۃ من آل محمد موسوعۃ کلمات امام حسین، صفحہ ۴۸۲۔

اپنے بعد اپنی اولاد میں منصب خلافت نہ دیا) میں یزید کی بیعت کیسے کر سکتا ہوں کہ ایک فاسق شخص ہے جو کھلم کھلا گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے وہ شراب پیتا ہے وہ کتوں اور ریچھوں بندروں سے کھیلتا ہے اور آل رسول کے باقی ماندہ افراد سے بغض و عناد رکھتا ہے۔ نہیں واللہ یہ کبھی نہ ہو گا (میں بیعت نہیں کروں گا)۔"[1]

حضرتؑ نے حاکم مدینہ سے یوں خطاب فرمایا:

"اے امیر! ہم اہل بیت نبوت ہیں۔ معدن رسالت ہیں؛ فرشتوں کی ہمارے گھروں میں رفت وآمد ہے اور محل رحمت خدا ہے خدا نے کائنات کا آغاز ہم سے کیا اور ہم ہی پر ختم کرے گا۔ اور وہ مرد (یزید) فاسق ہے جو شراب پیتا ہے۔ محترم شخصیات کا قاتل ہے۔ اعلانیہ فسق کرتا ہے میرے جیسا اس جیسے کی بیعت نہیں کر سکتا اب اور تم لوگ اور ہم صبح تک انتظار کرتے ہیں تاکہ ہم (دیکھ لیں) کہ ہم میں سے کون رسول خداﷺ کی جانشینی کی بیعت کا زیادہ حقدار ہے۔"[2]

نیز یہ بھی خطاب فرمایا:

---

[1] اصنع انی لا ابایع له ابدا، لان الامر انما کان لی من بعد اخی الحسن، فصنع معاویة ما صنع وحلف لاخی الحسن انه لا یجعل الخلافة لاحد من بعده من ولده ان یردها الی ان کنت حیا، فان کان معاویة قد خرج من دنیاه ولم یفی علی ولا لأخی الحسن بما کان ضمن فقد والله اتانا مالا قوام لنا به، انظر ابابکر انی ابایع لیزید، و یزید رجل فاسق معلن الفسق یشرب الخمر و یلعب بالکلاب و الفهود، و یبغض بقیة آل الرسول! لا والله لا یکون ذلک ابدا موسوعہ کلمات امام حسینؑ، صفحہ ۲۷۸

[2] ایها الأمیر! انا اهل بیت النبوة و معدن الرسالة و مختلف الملائکة و محل الرحمة و بنا فتح الله و بنا ختم، و یزید رجل فاسق شارب خمر قاتل النفس المحرمة معلن بالفسق، و مثلی لا یبایع لمثله، ولکن نصبح و تصبحون و تنتظرون اینا احق بالخلافة و البیعة موسوعہ کلمات امام حسینؑ، صفحہ ۲۸۳

"خلافت ابو سفیان کی اولاد پر حرام ہے۔

میں اس شخص کی بیعت کیسے کر سکتا ہوں جس کے بارے میں رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا فرمایا ہو۔"[1]

۷۔ حضرتؑ نے مروان بن حکم کے جواب میں فرمایا جو آپؑ کو یزید کی بیعت کے لئے کہہ رہا تھا۔

"... اس بنیاد پر تو اسلام کو خدا حافظ کہنا چاہئے کہ امت اسلامیہ یزید جیسے حکمران کے چنگل میں گرفتار ہو چکی ہے۔"[2]

نیز آپؑ نے فرمایا:

"مجھ سے دور ہو جائے دشمن خدا۔ ہم رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت ہیں۔ حق ہمارے اندر ہے ہماری زبان حق کہتی ہے میں نے خود جناب رسول خداصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ آپ نے فرمایا: خلافت ابو سفیان اور طلقاء فتح مکہ کے موقع پر آزاد کردہ لوگوں اور ان کی اولاد پر حرام ہے۔ اگر پسر ابو سفیان کو میرے منبر پر دیکھو تو اس کا شکم پھاڑ دو۔ قسم بخدا اہل مدینہ نے اسے میرے جد کے منبر پر دیکھا انہوں نے وہ کام نہیں کیا جس کا انہیں حکم دیا گیا تھا اسی وجہ سے خدا نے انہیں یزید کی مصیبت میں گرفتار کیا۔ اللہ اس پر عذاب جہنم زیادہ کرے۔"[3]

---

[1] ان الخلافة محرمة علی ابی سفیان و کیف ابایع اهل بیت قد قال فیهم رسول الله صلی الله علیه وآله هذا
موسوعہ کلمات امام حسینؑ، صفحہ ۲۸۳

[2] اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ وعلی الاسلام السلام اذ قد بلیت الامة براع مثل یزید موسوعہ کلمات امام حسینؑ، صفحہ ۲۸۴۔

[3] الیك عنی یاعدو الله، فانا اهل بیت رسول الله صلی الله علیه وآله والحق فینا و بالحق فینا وبالحق تنطق السنتنا، وقد سمعت رسول الله صلی الله علیه وآله یقول: الخلافة محرمة علی آل ابی سفیان و علی الطلقاء و ابناء فاذا رأیتم معاویة علی منبری فابتروا بطنه فوالله لقد رآه اهل المدینة علی منبر جدی فلم یفعلوا ما امروا به، فابتلاهم الله بابنه یزید! زاده الله فی النار عذابا کلمات امام موسوعہ حسینؑ، صفحہ ۲۸۵

۸۔جناب رسول اللہ ﷺ کی زوجہ محترمہ ام سلمہؓ نے حضرتؑ سے یہ کہا:

اے میرے بیٹے تو عراق جا کر مجھے پریشان نہ کر۔ میں نے آپؑ کے جد بزرگوار رسول خدا ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا تھا کہ میرا بیٹا سرزمین عراق میں کربلا کے مقام پر قتل کیا جائے گا۔

امامؑ نے فرمایا:

"مادر گرامی! قسم بخدا میں اس بات کو جانتا ہوں میں مجبوراً قتل کیا جاؤں گا اس سے راہ فرار نہیں۔ قسم بخدا میں اپنے روزِ قتل کو جانتا ہوں۔ اپنے قاتل کو اور اپنے جائے دفن کو بھی جانتا ہوں۔ اور ان کو بھی جانتا ہوں جو میرے خاندان، رشتہ داروں اور پیروکاروں میں سے قتل ہوں گے۔

مادر گرامی!

اگر آپ مایل ہوں تو میں آپ کو اپنی قبر اور مرقد بھی دکھا سکتا ہوں۔"[1]

نیز فرمایا:

"مادر گرامی! خدا کی مشیت یہ ہے کہ وہ مجھے ظلم و زیادتی سے مقتول و مذبوح دیکھے نیز میرے اہل حرم اور مخدرات کو دور افتادہ اور بچوں کو سربریدہ مظلوم قیدی دیکھے اس حال میں وہ فریاد کر رہے ہوں مگر کوئی مدد گار نہ ہو۔"[2]

مکہ سے کربلا کی طرف نکلتے ہوئے ایک خطبے میں آپؑ نے یہ فرمایا:

---

[1] یا اماہ و انا واللہ اعلم ذلك، وانی مقتول لا محالة، و لیس لی من ھذا بد، و انی واللہ لأعرف الیوم الذی اقتل فیہ، و اعرف من یقتلنی، و اعرف البقعة التی ادفن فیھا، وانی اعرف من یقتل من اهل بیتی و قرابتی و شیعتی، و ان اردت یا اماہ اریك حفرتی و مضجعی موسوعۃ کلمات امام حسینؑ، صفحہ ۲۹۲۔

[2] یا اماہ قد شاء اللہ عزوجل ان یرانی مقتولا مذبوحا ظلما و عدوانا، و قد شاء ان یری حرمی و رهطی و نسائی مشردین، و اطفالی مذبوحین مظلومین مأسورین مقیدین، وهم یستغیثون فلا یجدون ناصرا ولا معینا موسوعۃ کلمات امام حسینؑ، صفحہ ۲۹۲

"سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو اللہ چاہے (وہی ہوتا ہے) اس کے سوا کوئی طاقت اور قوت نہیں۔ مرگ بنی آدم کے لیے لڑکیوں کے گلوبند کی طرح ہے۔ مجھے اپنے بزرگوں کے دیدار کا شوق اسی طرح ہے جس طرح یعقوب کو یوسف سے ملنے کا اشتیاق تھا۔ شہادت گاہ میرے لئے پسند کی گئی ہے جس کی ملاقات مجھے کرنی ہے (میں دیکھ رہا ہوں کہ) جنگلوں کے حریص بھیڑیئے میدان نواویس و کربلا کے درمیان میرے جسم کے بند بند کو چیر پھاڑ کر اپنے خالی پیٹوں کو بھر کر اپنی بھوک مٹا رہے ہیں۔ قلم تقدیر نے جو لکھ دیا ہے اس سے گریز نہیں خدا کی رضا ہم اہل بیتؑ کی رضا ہے۔ ہم اس کی آزمائش پر صبر کریں گے۔ وہ ہمیں صبر کرنے والوں کا صبر عطا کرے گا۔ ان کی ذریت ان سے جدا نہ ہو گی۔ وہ حریم قدس کبریا کے گرد جمع ہیں۔ ان کی آنکھ ان کے دیدار سے ٹھنڈی ہو گی اور وہ اپنا وعدہ پورا کرے گا۔ جو شخص اپنا خون ہماری راہ میں بہانا چاہے اور اللہ کے دیدار کے لئے اپنے آپ کو تیار پائے وہ ہمارے ساتھ چلے میں کل صبح روانہ ہو جاؤں گا انشاءاللہ تعالیٰ۔"[1]

۱۰۔ سید ابن طاؤس امام صادقؑ سے نقل کرتے ہیں کہ امامؑ نے فرمایا:

---

[1] الحمد لله و ماشاء الله، ولا قوة الا بالله، خط الموت على ولد آدم مخط القلادة على جيد الفتاة، وما اولهني الى اسلافي اشتياق يعقوب الى يوسف، و خير لي مصرع انا لاقيه كاني اوصالي يتقطعها عسلان الفلوات بين النواويس و كربلاء فيملان مني اكراشا جوفا و اجربة سغبا، لا محيص عن يوم خط بالقلم، رضى الله رضانا اهل البيت، نصبر على بلائه و يوفينا اجور الصابرين لن تشذ عن رسول الله ﷺ لحمته و هي مجموعة له في حظيرة القدس، تقر بهم عينه و ينجز بهم وعده من كان باذلا فينا مهجته، و موطنا على لقاء الله نفسه فليرحل معنا فاني راحل مصبحا ان شاء الله تعالى موسوعة كلمات امام حسين ـ، صفحه ۳۲۸

محمد بن حنفیہ اس شب کو امام حسینؑ کے پاس آئے جس کی صبح کو امامؑ نے روانہ ہونا تھا۔ عرض کرنے لگے: بھائی جان! جن کوفیوں نے والد بزرگوار اور برادر بزرگوار سے جو بے وفائی کی تھی اس سے آپ آگاہ ہیں ایسا نہ ہو کہ وہ آپ کے ساتھ بھی ایسا ہی کریں۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو مکہ میں رک جائیں یہاں پر آپ صاحب عزت اور محفوظ رہیں گے۔ آپؑ نے فرمایا: بھائی جان! میں دیکھ رہا ہوں کہ یزید بن معاویہ میرا خون حرم میں بہائے گا اور اس طرح خانۂ خدا کی بے حرمتی کرے گا۔ محمد حنفیہ نے عرض کیا: اگر ایسا ہے تو پھر رات کو یمن یا گرد و نواح کے کسی نامعلوم مقام کی طرف نکل جائیں تاکہ آپ وہاں محفوظ رہیں اور کوئی آپ پر حملہ نہ کر سکے۔

آپ نے فرمایا: میں اس بارے میں سوچوں گا۔

سحری کے وقت امامؑ نے مکہ سے کوچ کیا۔ جب یہ خبر محمد بن حنفیہ کو پہنچی تو بے تاب ہو کر آئے ناقۂ امام کی مہار تھام کر کہا: آپؑ نے فرمایا نہ تھا کہ میں اس بارے میں سوچوں گا۔

فرمایا: کیا ہوا۔

عرض کیا: آپ جلدی کیوں جا رہے ہیں؟

فرمایا: جب میں آپؑ سے جدا ہوا تو (خواب میں) جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے۔ فرمانے لگے: اے میرے حسین! چل پڑو! کہ خدا آپ کو شہید دیکھنا چاہتا ہے۔

محمد نے کہا: انا للہ وانا الیہ راجعون اگر ایسا ہے تو پھر خواتین کو ساتھ کیوں لے جا رہے ہیں؟

فرمایا: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خدا انہیں اسیر دیکھنا چاہتا ہے۔[1]

۱۱۔ راستے کے دوران جب حضرت مسلم بن عقیلؑ اور ہانی بن عروہؓ کی شہادت کی خبر حضرتؑ کو دی گئی آپؑ نے یہ فرمایا:

---

[1] {قد قال لی: ان اللہ قد شاء ان یرٰھن سبایا} موسوعۃ کلمات امام حسین۔، صفحہ ۳۲۹

"جو شخص تیز تلواروں اور نیزے کے زخم برداشت کر سکتا ہے وہ ہمارے ساتھ چلے ورنہ واپس چلا جائے۔"[1]

۱۲۔ روز عاشورا دشمن کے لشکر سے یوں خطاب فرمایا:

"آگاہ رہو! کہ ایک زنازادے کے زانی بیٹے نے مجھے تلوار کھینچنے اور ذلت برداشت کرنے کے درمیان لا کھڑا کیا ہے۔

یہ بات مجھ سے دور ہے! ذلت ہم سے بہت دور ہے کہ اسے قبول کریں! اللہ، اللہ کا رسول، مومن اور ماؤوں کی پاکیزہ گودیں اور طیب دامن اس بات کو پسند نہیں کرتے (جی ہاں) اسے قبول نہیں کریں گے کہ کمینے لوگوں کی پیروی کو عظیم لوگوں کی قتلگاہ پر ترجیح دی جائے۔ جان لو! کہ میں اپنے ان دوستوں کی مختصر تعداد کے ہمراہ، دشمنوں کی اس کثیر تعداد کے باوجود تمہارے خلاف برسرپیکار رہوں گا۔"[2]

حقیقی عزادار اپنے جہاد اور عمل میں سید الشہداءؑ کا اور ان کے مقدس محرکات کا تابع ہوتا ہے۔

روح جہاد کے لیے خوف کا نہ ہونا

اہل بیت علیہم السلام اور تمام معصوم رہنماؤں نے طول تاریخ بشریت میں عظیم مصائب برداشت کئے تا کہ انسانوں کی حقیقی حیات دین خدا کے ساتھ محفوظ ہو جائے؛ جب کبھی حیات انسانی

---

[1] ایها الناس: فمن کان منکم یصبر علی حد السیف و طعن الاسنة فلیقم معنا و الا فلینصرف عنا موسوعة کلمات امام حسین۔، صفحہ ۳۹۰۔

[2] الا و ان الدعی قد ترکنی بین السلة والذلة، و هیهات له ذلك منی! هیهات منا الذلة!! ابی الله ذلك لنا و رسوله و المومنون، و حجور طهرت و جدود طابت، ان یؤثر طاعة اللئام علی مصارع الکرام، الا و انی زاحف بهذه الاسرة علی قلة العدد، و کثرة العدو موسوعة کلمات امام حسین۔، صفحہ ۴۲۵۔

یا اس کا محرک یعنی دین خدا خطرے میں پڑ جائے تو دیندار طبقہ اور حقیقی مومن سب کے سب انسانوں کی نجات کے لئے کام کرنے لگتے ہیں۔

جو لوگ جہاد کے طریقہ کار پر تنقید کرتے ہیں اور اسے سختی اور خشونت سے تعبیر کرتے ہیں وہ خود حیاتِ انسانی سے عاری ہیں اور وہ حیات انسانی اور اس کی قدر و قیمت سے ناآشنا ہیں۔ سب سے زیادہ احمقانہ بات اور نظریہ یہ ہے ؛ کہ ہمیں حیات طبیعی اور دنیاوی زندگی کی قدر کا قائل ہونا چاہئے۔ اگر کوئی اس کے بارے میں دھمکی دے تو اس کا مقابلہ کر کے اسے شکست دیں اور اگر کوئی حقیقی حیات انسانی اور ان کی سعادت ابدی کو خطرے میں ڈال دے تو اس کا مقابلہ کرنا "سختی" ہے۔ جس طرح انسانوں کی طبیعی و حیوانی حیات اور لوگوں کی دنیاوی زندگی کو ضرب لگانا سختی ہے؛ جبکہ انسان کی حیات ابدی کو خطرے میں ڈالنا اور اسے ضرب لگانا خشونت اور خیانت و ظلم ہے؛ بلکہ یہ طبیعی حیات پر ظلم و زیادتی سے بڑا اور خطرناک ظلم ہے۔

ہاں! دین کی حفاظت و دفاع کے لئے جہاد کرنا نہ صرف انسانی اور معقول و پسندیدہ مسئلہ ہے؛ بلکہ یہ امر واجب ہے لہٰذا اگر کسی میں یہ روح وجود نہ رکھتی ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی روح رتبہ انسانی سے محروم ہے اور وہ سعادت ابدی سے بہت دور ہے۔ جہادی روح کا نہ ہونا درحقیقت ہر قسم کے ظلم و جنایت کی تائید اور اس کا جواز ہے جو روح انسانی کے ساتھ سازگار نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ جو کہ تعبیر قرآن کے مطابق تمام جہانوں کے لئے رحمت ہیں اس کے بارے میں یہ فرماتے ہیں:

"جو شخص اس حال میں مر جائے کہ اس نے جنگ میں شرکت نہ کی ہو یا جنگ کے بارے میں سوچا تک نہ ہو تو وہ نفاق کی ایک حالت پر مرا ہے۔"[1]

---

[1] من مات ولم یغزو ولم یحدث نفسه بغزو مات علی شعبة من نفاق کنز العمال، ج ۴، ص ۲۹۳، حدیث ۱۰۵۵۸

بالفاظ دیگر ایسا انسان ، حقیقت میں مومن تو کیا انسان بھی نہیں ہے۔ کیونکہ جہاد دین کی سلامتی اور لوگوں کی حیات اور امن وامان کا ضامن ہے اور جو شخص امن وامان اور انسانوں کی دنیا و آخرت کی سعادت کے لئے فکر مند نہیں وہ نہ حقیقی انسان ہے اور نہ مومن واقعی۔

ان دلائل کی روشنی میں ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ جس عزاداری میں امام حسینؑ خصوصاً حسین زمان یعنی مہدی موعود عجل اللہ تعالیٰ فرجہُ الشریف کے دشمنوں سے انتقام کی تڑپ اور جذبہ نہیں وہ حقیقی اور سچا عزادار نہیں بلکہ وہ ایک قسم کے نفاق میں گرفتار ہے۔

خون حسینؑ کے منتقم کے ساتھ حقیقی عزادار کا تعلق

جب عزادار، اس حقیقت کو پالیتا ہے کہ خون حسینؑ کا انتقام منتقم اصلی کی آمد اور دنیا پر ان کی حکومت کے بغیر ممکن نہیں۔ اس کی یہ معرفت اور دلی ہمدردی جو مصیبت عظیم کی وجہ سے معرض وجود میں آئی اسے پوری طاقت کے ساتھ امام زمانؑ کے وجود مقدس کی طرف متوجہ کرتی ہے ۔ محبت و معرفت کے دو محرک جو عزادار کے وجود میں شدت کے ساتھ موجود ہوتے ہیں اس کے باطن میں امام زمانؑ کے وجود مقدس کے لئے ایک مستقل کشش پیدا کردیتے ہیں۔ یہ مستقل کشش اس امر کا موجب بنتی ہے کہ عزادار جو پہلے سے نظام خلقت میں معصومین علیہم السلام کے اور اس کے رابطہ وجودی کی معرفت کے سایے میں کچھ حقائق کو پاچکا ہوتا ہے امام زمانؑ کی معرفت اور ان کے حوالے سے اپنے وظیفہ میں اضافہ کرتا ہے۔ اس معرفت کی تکمیل کے ساتھ کہ جو خود اس کے جذبات اور محبت کو زیادہ کرنے کا باعث ہوتی ہے ۔ جو عزادار کو ایک اہم بلند تر مقام پر پہنچادے گی جہاں انسان کے لیے پہنچنا ممکن ہے اور یہ مقام، مقام انتظار ہے۔[1]

---

[1] انتظار و مقام انتظار اور اس مقام کی عظمت کے بارے میں مزید جاننے کے لیے کتاب آشنی با امام زمان علیہ السلام کے حصہ چہارم کا مطالعہ کیجیے۔

اس مقام پر پہنچ کر امام مہدیؑ کا عشق و محبت اور ان کی خدمت کا جذبہ عزادار کے وجود پر جو، اب ایک منتظر کی منزل پر ہوتا ہے؛ اس طرح حاوی ہو جاتا ہے کہ اس کے زندہ رہنے اور زندگی کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا کہ وہ امامؑ سے تعلق قائم کرے اور ان کی رضا حاصل کرے جو در حقیقت خدا کی رضا ہے اور وہ اس حقیقت کو پالیتا ہے کہ انسانی معاشرہ سختیوں، مصیبتوں، ناانصافیوں اور جرائم سے دوچار ہے اس کا سب سے بڑا سبب رہبر معصومؑ کی غیبت ہے۔

انسان اس محبت کی بدولت جو اپنے آپ سے اور دنیا کے دوسرے انسانوں سے رکھتا ہے اور امام زمان عجل اللہ تعالیٰ فرجہٗ الشریف سے بڑھتا ہوا عشق و محبت اور اسی طرح اپنے امام کے سامنے خدا کی طرف سے سونپی گئی مسئولیت و ذمہ داری سے کام لے کر "عمل و جہاد" کی منزل میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس کا عمل و جہاد ایک جہت و مقصد رکھتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ بغیر کسی مقصد عبادات و خدمت اسلام کے لیے کافی نہیں، بلکہ اسلام کے لیے اس کی تمام تر عبادات و خدمات کی کوئی جہت یا سمت ہونی چاہیے اور یہ حرکت خلیفہ اور مظہر خدا کی طرف ہونی چاہیے، اور اس سے جدائی ناممکن ہے۔ اس حالت میں وہ چند اچھے اور نیک اعمال نیز خدمت کرنے پر اکتفا نہیں کرتا؛ بلکہ وہ تمام اعمال صالح، اسلام اور اہل اسلام کے لئے تمام تر خدمات ایک خالص روح ایک خاص مقصد کے زیر سایہ انجام دیتا ہے اور وہ "روح انتظار اور خدمت انتظار" ہے۔

اس مقام پر حقیقی عزادار اور منتظر کی سیاسی اجتماعی اقتصادی، انتظامی، عبادی، عرفانی، ثقافتی، علمی الغرض ہر قسم کی فعالیت کی سمت ظہور امامؑ کی طرف حرکت کرنا ہے ؛ جو دنیا کو نجات دینے والے ہیں۔ جن کے باعث عالمی حکومت کو استقرار و استحکام حاصل ہوگا۔ جس شخص کی فعالیت کی سمت اور ہدف یہ نہ ہو اس کی انفرادی اور اجتماعی صلاحیتیں ضائع ہونے اور خدا اور معصومین علیہم السلام سے خیانت بلکہ اسلام اور مسلمانوں سے خیانت کرنے کے مترادف ہے۔ خدا اور اسلام کا دم بھرنا، پھر روحِ اسلام اور حجت خدا ولی اعظم ارواحنا لہ الفداء کی جہت کو مد نظر رکھے

بغیر مذہبی مقدس کاموں میں مشغول ہونااور ان کاانجام دینامقدس شکل میں شیطان سے فریب اور دھوکہ کھانے کے برابر ہے۔[1]

اگر ہم مسلمان ہوتے ہوئے حجت خدااور ان سے متعلق فرائض میں غفلت سے کام لیں یاانہیں بھول جائیں؛تو یہ اسلام محمدی نہیں بلکہ وہ امریکی اسلام ہے اور ایسااسلام ہے جو شیطان کی ولایت کے تحت ہے۔ولایت طاغوت و شیطان کے زیراثر مسلمان صدیوں سے اپنے امام سے غافل ہیں اور انہیں عالم غربت و مظلومیت اور خوف واضطراب کی کیفیت میں چھوڑاہوا ہے۔

ظہور امام زمانؑ مصیبت اعظم کا یقینی اور ابدی خاتمہ اور معصوم متخصصین کی حاکمیت کاآغاز

امام زمانؑ ۱۳معصومین علیہم السلام بلکہ تمام الٰہی رہبروں کے وارث ہیں؛وہ ان تمام مظالم کو ختم کرنے والے ہیں جو ان کے آباء واجداد اور ان کی مادر گرامی اور دنیا کے انسانوں پر کئے گئے۔

چنانچہ ان کے جد بزرگوار حضرت امام صادقؑ ان کے بارے میں یوں فرماتے ہیں:

لَيَبْعَثَنَّ اللهُ رَجُلاً مِنْ وُلْدِی، فِی آخِرِ الزَّمانِ يُطالِبُ بِدِمائِنا[2]

"اللہ تعالیٰ میری اولاد سے ایک مرد کو آخری زمانے میں مبعوث کرے گا؛جو ہم اہل بیتؑ کے خون کامطالبہ اور قصاص لے گا۔"

---

[1] امام زمان علیہ السلام کی نسبت مختلف پہلوؤں سے جو غفلتیں اور خیانتیں،سیاسی اجتماعی، اقتصادی، ثقافتی اور عبادی حوالے سے ہوئی ہیں اس کے بارے میں مزید معلومات کتاب آشتی باامام زمان علیہ السلام کے حصہ دوم (غمنامہ اور آشتی) سے لے سکتے ہیں۔

[2] بحارالانوار،ج۵۱،ص ۱۱۲

امام کی تشریف آوری سے تمام مظالم، گمراہیں، جہالتوں اور ہم و غم کی جگہ عدالت، رشد و ہدایت، فہم و عقل اور مسرت و شادمانی آجائے گی۔ ظہور امامؑ سے دشمنان خدا کا خاتمہ ہو جائے گا اور وہ نورانی دور شروع ہو جائے گا۔ جہاں دنیا میں دین خدا اور معصومین علیہم السلام کی ہمیشہ کی حکومت و حکمرانی کا آغاز ہوگا۔ مرحوم علامہ طباطبائی رحمۃ اللہ علیہ اس بارے میں فرماتے ہیں:

"رجعت سے متعلق بعض روایات میں وارد ہوا ہے کہ دنیا کی عمر ایک لاکھ سال ہوگی اسی ہزار برس تک آل محمد علیہم السلام کی حکومت ہوگی اور بیس ہزار سال دوسروں کی حکومت ہوگی۔"[1]

قرآن مجید اس بارے میں یہ خوشخبری دیتا ہے:

وَنُرِيدُ أَن نَّمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ[2]

"ہم یہ ارادہ رکھتے ہیں کہ مستضعفین زمین پر احسان کریں اور انہیں عہدہ امامت پر فائز کریں اور انہیں زمین کا وارث قرار دیں۔"

کیا یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ہم اہل بیت کے محب اور ان کے طرفدار ہیں؛ جبکہ ہم آل محمد علیہم السلام کی حکومت اور مستضعفین کے وراثت کے لئے زمینہ ہموار نہ کریں اور معصیت اعظم پر راضی بھی رہیں؟

معصیت اعظم پر راضی رہنا گناہ ہے

یہ بات مسلّم حقیقت ہے کہ دین خدا جو کہ توحید راستین ہے، جو حیات انسانی کا ضامن ہے اس کے بغیر ہماری حیثیت ایک مردہ سے زیادہ نہیں۔ امام اور رہبر دین جو اللہ کی طرف سے دین

---

[1] در منثور علامہ، ص ۱۲۳

[2] سورہ قصص، آیت: ۵

کے نافذ کرنے والے بزرگوار ہیں؛ وہ حیاتِ انسانی اور بقائے دین کے عامل ہیں۔ امام کے بغیر دین نہیں اور دین کے بغیر حیات نہیں۔

زیارت وارث میں ان افراد پر لعنت کی گئی ہے جو امام حسینؑ پر مصیبت اعظم کے وارد ہونے پر خوش ہیں۔ اس بناء پر مصیبت اعظم پر راضی ہونا ایک بہت بڑا جرم اور گناہ شمار ہوگا اور جو لوگ انسانی معاشرے پر معصوم کی حکومت نہ ہونے اور انسانوں کے نورِ ہدایت سے محروم ہونے پر راضی ہوں۔ اور وہ غیر معصوم کی تائید کریں اور دین خدا کے سوا کسی دوسرے دین پر راضی و خوشنود ہوں؛ تو وہ زیادہ ملعون اور زیادہ قابل نفرت ہیں۔

حقیقی عزادار حاصل کردہ معرفت کے سائے میں بخوبی یہ بات جانتا ہے کہ منتظر حقیقی[1] جب تک ظہور امام کا خواہشمند نہ ہو وہ حقیقی عزادار امام حسینؑ کے خون کا بدلہ لینے والوں کا حصہ نہیں ہو سکتا بلکہ اس سے بڑے نتیجے تک پہنچتا ہے کہ اگر حقیقی انتقام لینے والے امام زمانؑ کے ظہور اور ظہور کی رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے عمل اور ذرائع تلاش نہیں کرتا اس نے امامؑ پر ظلم کیا۔ امام زمان کو تنہا چھوڑنا کوفے والوں کی طرح سید الشہداء کو تنہا چھوڑنے کے مترادف ہے۔ ان کے لیے بے قرار اور پریشان نہ ہونا ان سے بے وفائی کرنا ہے۔ شیعوں کی بے وفائی اور ان کو بھول جانا ایک ایسا سبب ہے کہ امام زمانؑ اس کی شکایت اور فریاد کرتے ہیں اور اسی لیے امامؑ پردۂ غیب میں ہیں؛ اور امام حسینؑ اور دیگر معصومین علیہم السلام کی شہادت کے الٰہی انتقام کے عمل میں تاخیر ہو رہی ہے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے کہا ہے کہ حضرت صاحب الامرؑ نے تقریباً ایک ہزار سال پہلے شیخ مفیدؒ کے نام لکھے گئے خط میں شیعوں کے دو قسم کے اعمال کو ظہور کی تاخیر کا سبب قرار دیا ہے (۱) آنحضرتؑ سے بے وفائی، (۲) ظہور امامؑ کے موانع (رکاوٹوں) کو دور کرنے پر متفق و متحد نہ ہونا۔

---

[1] منتظر حقیقی کی خصوصیات اور اس کی ذمہ داریوں کے بارے میں خاص طور پر اس وقت اس کی کیا ذمہ داری ہے یہ جاننے کے لیے کتاب عاشق امام زمان علیہ السلام کے باب چہارم سے رجوع کیا جائے۔

اس قسم کے شیعوں نے امام زمانؑ کے حوالے سے اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کی ہے؛ للٰذا یہ اس گروہ کا حصہ ہیں جنہوں نے امامؑ کو اذیت پہنچائی اور پہنچا رہے ہیں۔ امامؑ انہی لوگوں کی اذیت کی شکایت کر رہے ہیں:

قد آذانا جُهلاءُ الشّیعَةِ و حُمقائُهُم و مَنْ دینُهُ جَناحُ الْبَعُوضَةِ اَرْجَحُ مِنْهُ

"بیشک، کم عقل اور جاہل شیعوں اور ان شیعوں نے جن کے دین سے مچھر کا پر بھی زیادہ وزنی ہے ہمیں اذیت دیتے ہیں۔"[1]

حقیقی عزادار ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ اس کا شمار ان لوگوں میں ہو جو اپنے امام زمانؑ کو اذیت دیتے ہیں اور ان کے دشمنوں میں شریک ہوں جو ظہور امامؑ کے لئے رکاوٹ ہیں۔ حضرتؑ کی معرفت اور ان کے حوالے سے اپنی ذمہ داریوں میں کوتاہی اس امر کا موجب بنتی ہے کہ ہم ہرگز ان کی آمد کی تمنا اور ان کے دشمنوں کو دور کرنے کے لئے اور ان کے ظہور کی رکاوٹیں دور کرنے کی تمنا نہیں رکھتے اور ہم عملی طور پر ان لوگوں کے گروہ میں قرار پاتے ہیں جو امامؑ کو ان کے مقام و مرتبہ سے جو خدا نے ان کے لئے مقرر کیا ہے گراتے ہیں؛ یعنی جہان بشریت پر حکومت کی نفی کرنے میں شریک ہوں گے۔ خدانخواستہ لعنت خدا کے مشمول قرار پائیں۔ ہاں اگر ہم نہیں چاہتے کہ امامؑ ظہور فرمائیں اور ان کے ظہور کے لیے جہاد اور مقابلہ کے لئے ہم تیار نہیں ہیں تو پھر ہم ملعون ہیں۔ اگر ہم ایک لمحے کے لئے ظہور امامؑ کی تاخیر چاہتے ہیں اور انسانی معاشرے پر امام زمانؑ کے علاوہ ایک گھنٹے کے لئے بھی کسی قسم کی دوسری حکومت کے خواہشمند ہیں اور ان کی حکومت کی شرائط کے سوا کسی اور شرائط پر خوش ہوں تو پھر ہم پر خدا کی لعنت، زیارت عاشورا پڑھنے والے تمام لوگوں کی لعنت، انبیاء اور فرشتوں کی لعنت کے حقدار ہوں گے؛ کیونکہ اس طرح ہم نے امام زمانؑ پر بہت بڑا ظلم کیا ہے۔

[1] الاحتجاج، ج ۲، ص ۴۷۳

امام زمانؑ کے مقابل حقیقی عزادار کا اپنے فریضے پر عمل

حقیقی عزادار یہ بات بخوبی جانتا ہے کہ امامؑ کے سوگ میں مجالس کا برپا کرنا یہ اہل بیتؑ کے حوالے سے اللہ کے فرائض میں سے ایک چھوٹا سا فرض ہے؛ بلکہ اس سے بڑا فرض عاشورا کے دروس اور عبرتوں پر توجہ کرنا اور ان پر عمل پیرا ہونا ہے۔

حقیقی عزادار اپنی ذمہ داریوں پر عمل کرنے کا درس عاشورا والوں سے سیکھتا ہے اور وہ اپنے آپ کو امام زمانؑ کے سامنے ذمہ دار اور مسئول جانتا ہے؛ جیسا کہ قرآن کریم ہر شخص کو اپنے زمانے کے امام کے حوالے سے مکلف اور مسئول جانتا ہے[1]۔ نیک عزادار یہ جانتا ہے کہ وہ اکیلا ہی عدل الٰہی کی عدالت میں امام زمانؑ کے نسبت اپنے رویے کا جواب دہ ہے؛ لہٰذا وہ اپنے فریضے پر عمل کرنے کے لئے کسی کا انتظار نہیں کرتا نہ کسی انجمن کا یا ادارے اور شخصیات کا۔ وہ خود تن تنہا امام زمانہؑ کو تنہائی سے آزاد کرنے، غیبت اور اضطراری حالت سے نکالنے کی راہ تلاش کرتا ہے۔ وہ شہدائے کربلا کی طرح افراد کی کمی پر توجہ نہیں کرتا؛ کیونکہ کربلا میں ہر شخص صرف اور صرف امامؑ کے سامنے اپنا فرض انجام دینے کے لئے فکر مند تھا۔ وہ دوسروں کی تائید اور مدد کا طلب گار نہ تھا۔ وہ عبداللہ بن حسنؑ کی طرح عمل کرتا ہے کہ جب اس بچے نے دیکھا کہ چچا جان زخمی حالت میں زمین پر پڑے ہیں دشمن نے انہیں گھیر رکھا ہے، وہ خود کو امامؑ تک پہنچاتا ہے جب ابجر بن کعب نے اپنی تلوار سے امامؑ کو قتل کرنا چاہا تو اس بچے نے اپنے ہاتھ آگے بڑھا دیے تاکہ اپنے امامؑ کا دفاع کر سکے اور اس طرح اس بچے کے ہاتھ کٹ گ ءے اور وہ اپنے چچا حسینؑ کی آغوش میں گر گئے یہاں تک کہ حرملہ نے انہیں تیر سے شہید کر دیا[2]۔

---

[1] {يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ} اس دن جب ہر گروہ کو اس کے امام کے ساتھ بلاءیں گے۔
سورہ بنی اسراءیل، آیت: ۷۱

[2] بحار الانوار، ج ۴۵، ص ۵۳

حقیقی عزادار یا (حقیقی منتظر) اس منزل پر پہنچ کر جان لیتا ہے کہ اگر وہ اللہ کی خوشنودی چاہتا ہے اور مقصد تخلیق کے کمال کو حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے فقط اس موعظہ پر عمل کرے جو قرآن کریم میں بیان ہوا ہے:

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى [1]

'اے رسول، امت سے کہہ دو کہ میں تمہیں ایک نصیحت کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ دو افراد ہوں یا ایک فرد بھی تب بھی خالصانہ قیام کرو۔"

امام خمینی نے اس نصیحت کی یوں وضاحت فرمائی:

اللہ تعالیٰ نے اس کلام میں آغاز طبیعت کی تاریک منزل سے لے کر انسانیت کی آخری منزل تک کو بیان فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام مواعظ میں سے اس بہترین موعظہ کا انتخاب فرمایا ہے، یہی ایک کلمہ عالم بشریت کے سامنے پیش کیا اور تنہا یہی ایک کلمہ دونوں جہانوں کی اصلاح کے لیے ہے۔ خدا کی خاطر قیام نے ہی ابراہیم خلیل الرحمن کو منزلِ خُلت پر پہنچایا؛ اور اسے عالم طبیعت کے مختلف امور سے آزاد کروایا۔

خلیل آسا در علم الیقین زن

ندای لااحب الآفلین زن

ابراہیم خلیل کی طرح علم الیقین میں غوطہ زن ہو جا۔ اور ان کی طرح یہ نعرہ لگا کہ میں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

خدا کی خاطر قیام نے ہی موسیٰ کلیم اللہ کو ایک عصا کے ساتھ فرعونیوں پر غلبہ دلا دیا اور ان کے تخت و تاج کو برباد کر دیا اور حضرت موسیٰؑ کو اپنے محبوب کی وعدہ گاہ (کوہ طور) تک پہنچا دیا

---

[1] سورہ سبا، آیت: ۴۶۔

اور مقام صعق و صحرا تک لے گیا۔ خدا کے لئے قیام نے حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کو، تن تنہا جاہلیت کے عقائد و عادات پر غلبہ دلا دیا اور خانہ خدا کو بتوں سے پاک کر دیا اور اس کی جگہ توحید اور تقویٰ کو رکھ دیا۔ نیز اس ذات مقدس کو قاب قوسین او ادنیٰ کے مقام تک پہنچا دیا۔

خود پرستی اور قیام برائے خدا کو ترک کرنے کی وجہ سے ہمیں یہ سیاہ دن دیکھنا پڑے اور ساری دنیا ہم پر غالب آگئی اور اسلامی ممالک دوسروں کے زیر اثر چلے گئے۔ خداوند عالم کے اس موعظہ کو پڑھیں؛ اور اللہ تعالیٰ کی اس پیشکش کو قبول کریں کہ ایک شخص بھی اصلاح کر سکتا ہے۔ انفرادی مفادات سے بالاتر ہو کر دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کریں اور دو عالم کی شریفانہ زندگی میں داخل ہو جائیں[1]۔ خود خواہی اور قیام برائے خدا کو ترک کرنے کی وجہ سے ہمیں امام زمانؑ کی غیبت کے یہ سیاہ دن دیکھنا پڑے؛ اور امامؑ کو تنہائی اور اجنبیت کے یہ دن دیکھنا پڑے اور مستکبرین کا اسلامی ممالک پر قبضہ ہو گیا۔ جیسے خود امامؑ نے فرمایا: اگر ہمارے شیعہ باوفا اور ہمنوا ہوتے تو ہمارے ظہور میں تاخیر نہ ہوتی[2]۔

اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ ہم امام خمینی کے فرمان کے مطابق خداوند عالم کے موعظہ کو پڑھیں اور اس میں اصلاح کا جو واحد راستہ پیش کیا گیا ہے اسے قبول کریں اور ذاتی مفادات کو ترک کر کے امام حسینؑ کے منتقم اصلی سے دوستی کر لیں ۔ان سے وفاداری کا ثبوت دیتے ہوئے ان کے ظہور میں موجود رکاوٹیں دور کرنے کے لئے ان کے دشمنوں سے جہاد کرنے کے لئے للہ قیام کریں اور دنیاداری اور جلد غصے میں آنے والی حالت سے باہر آئیں اور ذاتی مفادات اور دنیاداری کی خراب کاریوں سے بے نیاز ہو کر ظہور امامؑ کے لیے میدان عمل میں قدم رکھیں[3]۔

---

[1] صحیفہ نور، ج ۱، ص ۳

[2] بحار الانوار ج ۵۳، ص ۱۷۷

[3] عملیات کی تیاری یا کیفیت کے بارے میں مزید جاننے کے لیے کتاب آشتی با امام زمان علیہ السلام کے حصہ چہارم کا مطالعہ کیجیے۔

امام خمینیؒ دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

اِنَّمَآ اَعِظُکُمْ بِوَاحِدَۃٍ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰہِ مَثْنٰی وَفُرَادٰی

"یہ نہ کہنا کہ میں اکیلا ہوں، اگر اکیلے ہیں تب بھی قیام کریں، اکٹھے ہیں تب بھی قیام کریں، سب مل کر قیام کریں، ہم سب اس کے پابند ہیں کہ خدا کے لیے قیام کریں [1]۔

موعظہ الٰہی کو یاد کرتے ہیں:

اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰہِ مَثْنٰی وَفُرَادٰی ثُمَّ تَتَفَکَّرُوْا

" خدا کے لیے قیام کرو اور تنہائی واجنبیت سے نہ ڈرو۔[2]

زیارت عاشورا میں اہل بیت علیہم السلام پر ظلم کی بنیاد رکھنے والوں اور جنہوں نے انہیں ان کے حقیقی مقام سے علیحدہ کیا اور ان سے جنہوں نے ظالموں کو جرائم کی بنیاد فراہم کی ؛ان سے اعلان برأت کے بعد ان کے پیروکاروں ان کے دوستوں سے بھی اعلانِ برأت کیا جاتا ہے۔

یعنی ان تمام افراد سے اعلانِ برأت کیا جاتا ہے جن کے طول تاریخ میں مصیبت اعظم خصوصاً غیبت امام زمانؑ میں ان کے ایسے آثار موجود ہیں جو منجی بشریت کے ظہور میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔

اسی لئے ہم فوراً سید الشہداءؑ سے مخاطب ہو کر ہم یوں عرض کرتے ہیں:

یَا اَبَا عَبْدِ اللّٰہِ اِنِّی سِلْمٌ لِمَنْ سَالَمَکُمْ وَ حَرْبٌ لِمَنْ حَارَبَکُمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ[3]

"اے امام حسینؑ میری قیامت تک ان سے صلح ہے جن سے آپ کی صلح ہے اور ان سے میری جنگ ہے جن سے آپ کی جنگ ہے۔"

---

[1] صحیفہ نور، ج ۱۶، ص ۲۰۱

[2] صحیفہ نور، ج ۲۰، ص ۱۲۷

[3] زیارت عاشورا

اس طریقے سے حقیقی عزادار کے لیے دوستی اور دشمنی کا نظام مکمل طور پر واضح اور مشخص ہو جاتا ہے۔ ان تمام افراد سے جو شیعہ اور محب اہل بیتؑ ہیں اور ان سے دشمنی نہیں رکھتے، ان سے دوستی اور صلح رکھتا ہے اور جو اہل بیتؑ سے دشمنی رکھتے ہیں خاص طور پر امام زمانؑ سے حالتِ جنگ میں ہیں۔ اور یہ دوستی و دشمنی قیامت تک جاری رہے گی۔

حقیقی عزادار، ان کے خلاف جہاد و مقابلہ سے ہر گز نہیں تھکتا۔ لہٰذا ان کے دشمنوں سے اعلانِ جنگ کے بعد سب سے پہلے ہم ظلم کی بنیاد رکھنے والوں پر لعنت کرتے ہیں۔ پھر ہم امام زمانؑ کے ہمراہ خونِ حسینؑ کے انتقام کی تمنا کرتے ہیں کیونکہ امام زمانہؑ کے بغیر دشمنان اہل بیت سے جہاد کا کوئی فائدہ نہیں اور ان کے بغیر انتقام لینا ممکن ہی نہیں۔ اس بنا پر جہاد کا عنصر حقیقی عزادار کی زندگی سے حذف نہیں ہو سکتا۔ عزادار امام زمانہؑ کی غیبت کی مصیبت اعظم میں جبکہ اجنبیت، مظلومیت اور تنہائی اپنے عروج پر ہے ہر گز آرام اور سکون سے نہیں بیٹھ سکتا۔

عزادار، ظہور پُر نور تک اور زمانے کے دجالوں سے جہاد کے ذریعہ اس مصیبت اعظم اور ظہور کے موانع دور ہونے تک اپنی جد وجہد کو جاری رکھتا ہے؛ بلکہ ظہور کے بعد بھی خون حسینؑ اور اہل بیتؑ پر مظالم کا بدلہ لینے کے لئے جہاد کے عمل کو جاری رکھے گا۔ اور اس کا یہ مبارزہ و جہاد ہمیشہ کے لئے رہے گا اس کا راز، یہ ہے کہ قرآن کریم نے تمام مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ فتنوں اور دنیا سے مصائب کے رفع ہونے اور ساری دنیا پر دینِ خدا کی حکومت کے قیام تک مقدس جہاد کو جاری و ساری رکھیں :

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ [1]

"کافروں سے جہاد کرتے رہو یہاں تک کہ کوئی فتنہ و فساد باقی نہ رہے اور دین میں ہم سب کا آئین خدا کے لیے ہو۔"

---

[1] سورہ انفال، آیت: ۳۹

انسانی معاشرے کے لئے غیبت امام زمانؑ سے زیادہ بڑی مصیبت اور فتنہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ عالمی معاشرہ معصوم و متخصص رہبر الٰہی اور مظہر خدا، سے محروم ہے۔

عزادار حقیقی اس حساس اور سرنوشت ساز موقع پر وظیفہ جہاد کو مشخص کرتے ہوئے وقت ضائع کئے بغیر اس سب سے بڑے فتنے کو رفع کرنے، امام تک رسائی پانے اور ان کے ہم رکاب جہاد کرنے کے لئے مقابلہ و مبارزہ میں مسلسل محو رہتا ہے۔

وہ نیک بخت یہ بات اچھی طرح جانتا ہے کہ امام زمانؑ کے حوالے سے سرفروشی، خدمت اور تقرب کا یہی وقت ہے کہ نہ کہ ظہور کا وقت کیونکہ وہ تو فتح و کامرانی کا وقت ہو گا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ[1]

"جنہوں نے تم میں سے فتح مکہ سے پہلے راہ خدا میں خرچ کیا اور جہاد کیا وہ دوسروں کے ساتھ درجے میں برابر نہیں۔ بلکہ وہ درجے میں ان سے عظیم تر ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے بعد راہ خدا میں خرچ کیا اور جہاد کیا۔ البتہ خدا نے دونوں گروہوں سے وعدہ احسان کر رکھا ہے اور خدا تمہارے اعمال سے آگاہ ہے۔"

ظہور کی رکاوٹیں دور کرنے کے لئے جہاد اور قیام کرنا آنحضرت کے ہمرکاب جہاد اور فداکاری کرنے سے زیادہ اہمیت اور قدر و قیمت رکھتا ہے؛ کیونکہ قرآن کریم فتح و کامرانی سے پہلے امام کی ہمراہی کو زیادہ قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

---

[1] سورہ حدید، آیت: ۱۰

درجہ پنجم میں عزادار کے لئے سب سے بڑا گناہ امام زمانؑ کو تنہا چھوڑنا ہے۔ چونکہ عزادار اس درجے میں عاشورا کے دروس اور پیغامات سے زیادہ آگاہ ہوتا ہے؛ لٰہذا وہ اپنے امام زمانہؑ سے وفاداری اور ہمنوائی پر زیادہ توجہ دیتا ہے اور اس کا زیادہ اہتمام کرتا ہے ۔وہ اصحاب عاشورا سے اپنے امام زمانؑ سے وفاداری کا بہت بڑا درس سیکھ چکا ہوتا ہے۔ وفاداری کا مطلب اس عہد و پیمان کی پابندی ہے ؛جو ہم نے ان سے باندھا ہے۔

خاص طور پر امام معصومؑ سے وفائے عہد کی پابندی بزرگترین واجبات میں سے ہے اور عہد شکنی اور بے وفائی بزرگترین محرمات میں سے ہے ۔قرآن کریم اور معتبر اسلامی روایات، وعدہ کی پاسداری اور وفاداری کی رعایت، اور عہد شکنی اور بے وفائی سے پرہیز کرنے کی تاکیدی بیانات سے بھری پڑی ہیں۔

سید الشہداءؑ نے روز عاشورا دوست و دشمن دونوں گروہوں سے خطاب فرمایا۔ اپنے دوستوں کی وفاداری کی تعریف کی۔ اور دشمنوں کی بے وفائی کی وجہ سے ان کی مذمت و سرزنش کی۔ اپنے دوستوں سے یوں خطاب فرمایا:

فَاِنِّی لا اَعْلَمُ اَصْحاباً اَوْفٰی ولا خَیْرًا مِنْ اَصْحابی [1]

”میں اپنے اصحاب سے زیادہ باوفا اور بہتر اصحاب کو نہیں جانتا۔“

روز عاشورا جب مسلم بن عوسجہ کے سرہانے تشریف لائے تو یہ آیت تلاوت فرمائی:

فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا [2]

”مومنین میں سے کچھ ایسے لوگ ہیں جو اپنا عہد وفا کر چکے ہیں اور کچھ ابھی وفائے عہد کا انتظار کر رہے ہیں اور انہوں نے اپنے عہد و پیمان میں ذرا بھی تبدیلی نہیں کی۔“

---

[1] موسوعات کلمات امام حسینؑ، صفحہ ۳۹۵

[2] سورہ احزاب، آیت: ۲۳

اپنے دشمنوں کے بارے میں اس طرح فرمایا: اگر تم اپنے عہد وپیمان میں اہل وفا نہیں ہو اور تم نے اپنا عہد توڑ دیا ہے اور میری بیعت کو اپنی گردنوں سے اتار پھینکا ہے۔ مجھے میری جان کی قسم! میرے باپ، بھائی اور میرے چچازاد بھائی سے بھی تم نے ایسا ہی کیا تھا[1]۔

ہم زیارت اربعین میں خود آنجنابؑ سے یوں عرض کرتے ہیں:

اَشْهَدُ اَنَّكَ وَفَيْتَ بِعَهْدِ اللهِ وَ جَاهَدْتَ فِی سَبِيلِهِ حَتّٰی اَتَيكَ الْيَقِينُ

''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے عہدِ خدا کو وفا کیا اور تا شہادت آپؑ نے راہ خدا میں جہاد کیا۔''

ایک منتظر اور حقیقی عزادار کی عظیم ترین آرزو

ایک عزادار کے وجود میں؛ جو انتقامی حس اور روح ہوتی ہے نیز اس میں جہاد اور مبارزے کا جو جذبہ ہوتا ہے وہ اس کی صحیح اور دقیق معرفت اور گہری محبت کی وجہ سے ہوتا ہے۔

اس کی اس بارے میں معرفت کہ وہ کہاں سے آیا ہے، کہاں ہے اور کہاں جائے گا اور اس بات کی معرفت کہ اس کا اہل بیت علیہم السلام سے کیا رابطہ اور نسبت ہے؟

حقیقت وانسانیت اور حیات انسانی کی قدر و قیمت کی معرفت اور اہل بیت کی محبت یہ سب کی سب اس امر کا سبب بنتی ہیں کہ عزادار خدا سے یہ دعا مانگتا ہے! کہ اسے امام حسینؑ کے دشمنوں سے منتقم حقیقی امام زمانؑ کے ہمراہ انتقام لینا نصیب فرما۔ مگر ایک حقیقی منتظر اور عزادار کی فقط یہی آرزو اور سب سے بڑی تمنا نہیں ہوتی ۔

ایک منتظر عزادار کی سب سے بڑی آرزو یہ ہے کہ اللہ تعالی اسے دنیا و آخرت میں محمد و آل محمد علیہم السلام کی رفاقت و ہمراہی نصیب کرے۔ اور ایک لمحے کے لئے بھی ان میں جدائی نہ ڈالے۔

---

[1] موسوعات کلمات امام حسین،، صفحہ ۳٦۱

اس مقام پر اس کی دعا یہ ہوتی ہے:

فَاَسْئَلُ اللهَ الَّذِی اَكْرَمَنِی بِمَعْرِفَتِكُم وَ مَعْرِفَةِ اَوْلِیائِكُمْ وَ رَزَقَنِی الْبَرائَةَ مِنْ اَعْدائِكُم اَنْ یَجْعَلَنِی مَعَكُم فِی الدُّنیا وَالآخِرَة[1]

''پس میں اللہ سے سوال کرتا ہوں جس نے آپ کی اور آپ کے دوستوں کی معرفت سے عزت بخشی اور آپ کے دشمنوں سے دوری نصیب کی میں چاہتا ہوں کہ میری دعا ہے کہ میں دنیا و آخرت میں آپ کے ساتھ رہوں۔''

اس بنا پر جو چیز انسان کو اس مقام تک پہنچاتی ہے کہ اس میں اس مقام تک پہنچنے کی آرزو اور ایسی درخواست کی لیاقت پیدا ہو جاتی ہے۔

اس کی وجہ اہل بیت علیہم السلام اور ان کے دوستوں کی معرفت اور ان کے دشمنوں سے دشمنی رکھنا ہے۔

کس طرح امام زمانؑ کا محبوب اور مقرب بنا جا سکتا ہے؛ اور دنیا آخرت میں کس طرح ان کے ہمراہ رہا جا سکتا ہے؟

ہم کہہ چکے ہیں اگر ایک حقیقی عزادار یہ چاہے کہ وہ دنیا و آخرت میں محمدؐ و آل محمدؐ کی رفاقت حاصل کرے تو اسے چاہئے کہ وہ ان چند امور کی پابندی کرے جو یہ ہیں:

۱۔ محمدؐ و آل محمدؐ اور ان کے دوستوں کی معرفت۔

۲۔ محمدؐ و آل محمدؐ اور ان کے دوستوں سے محبت ۔

۳۔ ان کے دشمنوں سے برائت اور دشمنی ۔

---

[1] مفاتیح الجنان، زیارت عاشورا

پہلے محرک یعنی معرفت جو انسان کے قلب و فکر سے مربوط ہے، قطع نظر دیگر دو محرک یعنی مودت اور برأت کے اگرچہ ان کے مقام کا تعلق بھی انسان کے قلب سے ہے۔ان کی قبولیت کی صورت یہ ہے کہ وہ عملی ہوں اور ظہور خارجی رکھتے ہوں۔ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ اساسی طور پر مودت اس محبت سے عبارت ہے جو ظہور خارجی رکھتی ہو اور عمل سے متعلق ہو۔

نیز ان کے دشمنوں سے دشمنی اور برأت ایسا امر ہے جو عملی نشانی رکھتا ہو اور خارج میں ظہور رکھتا ہو۔اس سلسلے میں ایک بنیادی طور پر اور اہم سوال یہ ہے کہ محبت و برأت کے عملی ہونے اور ان کے ظہور خارجی کا میزان و معیار کیا ہے؟

کیا یہی کہ ہم مصائب اہل بیتؑ پر گریہ کریں اور ان کے لیے عظیم مجالس برپا کریں یا ان کے دشمنوں پر لعنت کریں کافی ہے؟

بہتر یہ ہے کہ ہم اس کا جواب خود امام زمانؑ سے لیں،آپؑ زیارت آل یٰسین میں فرماتے ہیں:

جب تم ہماری زیارت کو آنا چاہو؛ پھر خدا کی طرف اور ہماری طرف توجہ کرو تو یوں کہو:

نُصۡرَتِی مُعَدَّۃٌ لَکُم وَ مَوَدَّتِی خالِصَۃٌ لَکُم

میری مدد آپ کے لیے آمادہ اور تیار ہے اور آپؑ کی نسبت میری مودت خالص ہے۔

اس بنا پر امام زمانؑ کی نظر مبارک میں ایک منتظر اور حقیقی شیعہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے امام زمانہؑ کی زیارت اور ملاقات کے وقت کے لئے معرفتی پہلو کے علاوہ اس کے پاس دو امر اور ہونے چاہئیں: (۱) کامل آمادگی، (۲) خالص محبت

مکمل آمادگی یعنی اپنے اندر ایک حقیقی منتظر کی تمام شرایط ہونی چاہیں۔ یعنی خود کو حقیقتاً اہل بیتؑ کے لئے وقف کردو۔ پہلے درجے میں ان تمام دلبستگیوں اور مشاغل کو چھوڑ دو جو امام زمانؑ کے ساتھ الحاق میں مانع ہوں۔اس کے بعد ان تمام رکاوٹوں کو دور کردو جو ظہور امامؑ میں مانع

ہیں، اپنی بساط کے مطابق جنگ کرو۔ امام زمانؑ کا جانباز اس شخص کو کہا جاسکتا ہے جس کے اندر ایک جانباز حقیقت کا روپ دھار چکا ہو؛ یعنی وہ فرمان امام کا منتظر ہو اور مولا کے فرمان پر جان کی بازی لگا دینے کے لیے تیار ہو۔ جیسا کہ منگل کے دن اللہ تعالیٰ سے ہم یہ درخواست کرتے ہیں:

اَللّٰهُمّ اجْعَلْنی مِنْ جُنْد كَ فَاِنّ جُنْدكَ هُمُ الْغالِبُونَ وَاجْعَلْنی مِنْ حِزْبِكَ فَاِنَّ حِزبَكَ هُمُ الْمُفْلحُونَ وَاجْعَلْنی مِنْ اَوْلیائكَ فَاِنَ اَوْلیائكَ لا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلا هُم یَحْزَنُون

اے اللہ مجھے اپنے لشکر میں سے قرار دے۔ کیونکہ تیرا لشکر ہی غلبہ پانے والا ہے؛ مجھے اپنے گروہ میں سے قرار دے کیونکہ تیرا ہی گروہ فلاح پانے والا ہے اور مجھے اپنے دوستوں میں سے قرار دے کیونکہ تیرے دوستوں کو کسی قسم کا خوف اور حزن وملال نہیں ہے۔

ہمیں یہ بات جان لینی چاہئے کہ آمادگی اور خالص مودت کے بغیر خدا کا اور خدا و امام زمانہؑ کے دوستوں کا جانباز نہیں بنا جاسکتا۔

حضرت زہرا (س) کی طرح تن تنہا اپنے امام زمانہؑ کے دفاع کے لئے مکمل طور پر آمادہ ہو کر قیام کرو، ان کی طرح کہ جن کے راستے میں یہ امور مانع نہ ہوئے؛ نہ تو عورت ہونا مانع ہوا اور نہ ہی تنہا ہونا؛ نہ ہی حاملہ ہونا اور نہ ہی خانہ داری؛ کوءی بھی امر مصیبتِ عظیم اور مصیبتِ اعظم کے عاملین اور ان (جناب سیدہ فاطمہ زہراؑ) کے امام زمان (حضرت علیؑ) کے دشمنوں سے جہاد میں مانع نہ ہوا۔ حقیقی فاطمیوں میں وہی شمار ہوگا کہ جو حضرت فاطمہ زہرا؛ جو تمام شیعوں کی حقیقی مادر ہیں ان کو اپنی زندگی کے لیے نمونہ عمل بناءیں کہ اپنے امام کا کس طرح دفاع کیا جاتا ہے اور کس طرح اپنے امام کا ساتھ دیا جاتا ہے؛ اور اپنے غریب اور مضطر امام کے دفاع کے لئے زندگی کے پیچ وخم سے نکلیں اور دنیا کے مسایل اور اس کی رنگینیوں پر فریفتگی کا نام ونشان اپنے وجود سے محو کردیں ؛تاکہ امام زمانہؑ کے سپاہی کی منزل پر پہنچ جائیں۔ اے کاش! ایام فاطمیہ یعنی ان کی عزاداری کے ایام میں ان دروس کی

طرف بھی توجہ کریں جو حضرت زہرا(س) نے اپنے شیعوں کو دیئے اور ان سے ان کو جو توقعات ہیں یا جس کا انہیں انتظار ہے۔

خالص مودت کا مطلب ایسی محبت ہے ؛جو ان کی خدمت کی راہ میں تمہیں تمام تعلقات سے آزاد کردے۔ اس طرح کہ کمال صداقت کے ساتھ امامؑ اور ان کے پاکیزہ آباء واجداد کو اس طرح خطاب کر سکو۔

بِاَبِي اَنْتُمْ وَ اُمّي وَ اَهْلي وَ مٰالي وَ اُسْرَتي[1]

''میرا باپ، میری ماں، میرے اہل وعیال، میرا مال اور خویش واقارب آپ پر قربان ہوں۔''

خالص مودت یہ ہے کہ تم آنجنابؑ اور ان کے مقدس اہداف کو ہر شی پر ترجیح دو اور ان سے تمہاری سچی خدمت اور ان کے دشمنوں سے حقیقی، موثر اور عملی دشمنی میں کوئی چیز مانع نہ ہو۔

خالص مودت کا تقاضا یہ ہے کہ آنجنابؑ کی خدمت اور ان کے ظہور کے موانع سے جہاد کرنے کے لئے کسی کی تائید وترغیب کا انتظار نہ کرو۔ دوسروں کی مدد کے بغیر تنہا غربت و مظلومیت اور تنہائی کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے نکل پڑو۔ حتیٰ کہ اگر آپ کے دوست اور آنجنابؑ سے محبت کرنے کا دعویٰ کرنے والے تمہیں مسترد کردیں؛ تو بھی حضرتؑ کے بارے میں تم اپنے الٰہی فرض کو انجام دو اور ہر قسم کے دباؤ تہمت اور سختی کو حوصلے سے برداشت کرو اور تمہاری زبان پر شکوہ وشکایت نہ آنے پائے۔

خالص مودت یعنی خدمت کرنا اور کسی سے توقع نہ رکھنا؛ یعنی سختیوں کا دل وجان سے استقبال کرنا اور کسی کا احسان نہ لینا۔

[1] زیارت جامعہ کبیرہ

مودتِ خالص کا تقاضا یہ ہے کہ تم جو خدمات سرانجام دو اور جو مشکلات برداشت کرو، اور جو نقصان بھی ہو اس کا صلہ کسی اور سے حتیٰ کہ آنحضرت سے بھی طلب نہ کرو۔ کسی پر غرور و تکبر نہ کرو۔ خدا کے عام بندوں کے ساتھ بھی تواضع اور انکساری سے پیش آؤ اور ان سے اپنے آپ کو بلند تر نہ سمجھو؛ جو عزاداری اور ایمانی درجے میں تم سے کمتر ہیں انہیں کمتر نہ سمجھو۔ اور صمیم قلب کے ساتھ ان سے دوستی کرو؛ کیونکہ وہ اپنی وسعت کے مطابق آنجنابؑ سے محبت کرتے ہیں۔ وہ عزاداری اور ناقص محبت کے ذریعہ تیرے محبوب امام کے نام اور یاد کو زندہ رکھے ہوئے ہیں۔

خالص مودت میں خدمات اور سختیوں اور کئی چیزوں سے محروم ہونے کا بدلہ صرف حضرتؑ کی شیریں مسکراہٹ اور خوشنودی کے سوا کسی چیز کے طلب گار نہ بنو۔ دنیا و آخرت میں ان کی ہمنشینی کے سوا کچھ نہ سوچو۔ مودت خالص میں تمہیں یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ تم جو خدمت کر رہے ہو یا زحمت اٹھا رہے ہو، عمر عزیز کا ہر موقع، مال و دولت اور صلاحیتیں جو راہِ امامؑ میں صرف کر رہے ہو یہ سب کی سب توفیق الٰہی اور حضرت ولی العصرؑ کی توجہِ خاص کی وجہ سے ہیں؛ اگر ان کا لطف اور عنایت نہ ہو تو تم ہرگز اس راہ پر نہیں چل سکتے۔ لہٰذا ان پر احسان جتانے اور ان سے اجر کی توقع رکھنے کی بجائے تمہیں ان کا شکر گزار اور ممنون احسان ہونا چاہئے۔ ممکن ہے اس کام کی وجہ سے تمہارے اندر عجب و خود پسندی اور غرور پیدا ہو جائے؛ بلکہ اس کے بجائے اپنی کوتاہیوں، غفلتوں، اس سلسلے میں کام چور ہونے، آرام طلب ہونے نیز فارغ اوقات میں اور خدا کی نعمتوں کو تلف کرنے پر تجھے شرمندہ ہونا چاہئے۔

اس بناء پر وہ عزاداری مقام منتظر کے لئے زیادہ کامیاب اور نزدیک ہے کہ جو درجہ اول میں خود سازی میں موفق ہو، کیونکہ جو شخص پیغام عاشورا کو سمجھ لیتا ہے وہ اچھی طرح جان لیتا ہے کہ سید الشہداءؑ کے نزدیک تر، وہی ہے جو امام کی نسبت زیادہ شباہت و سنخیت سے برخوردار ہو مزید یہ کہ خود سازی امام حسینؑ کے دشمنوں سے ایک قسم کا عملی انتقام ہے۔ اگر کسی معاشرے میں امام

حسینؑ سے شباہت رکھنے والوں اور ان کے مکتب کے پیروکاروں کی تعداد زیادہ ہو تو امام حسینؑ اور امام زمانہؑ کے دشمن اتنے ہی ضعیف، کمزور اور منزوی ہوں گے اور منتقم اصلی کے ظہور کے زیادہ امکانات ہوں گے۔اس درجہ میں وہ عزاداری زیادہ موفق اور مقام منتظر کے زیادہ نزدیک ہے جو امام زمانہؑ کے اھداف کے لئے زیادہ قوی اور مفید ہے ۔

حقیقی عزادار امام حسین اور ان کے خون کے منتقم اصلی کے دشمنوں کی نسبت اپنا مقدس کینہ اپنے عمل سے ظاہر کرتا ہے۔ دشمنوں کی نسبت عزادار کا یہ مقدس کینہ بیشتر ہو گا وہ اسے خودسازی کے عمل اور عملیات انتقام کے اجراء میں زیادہ قوی کردے گا اور منتقم اصلی کے ظہور کے موانع دور کرنے میں زیادہ سنجیدہ اور پُرجوش ہو گا۔دوسری تعبیر کے مطابق ایک عزادار کا میزان صداقت میدان عمل میں ثابت ہو گا نہ کہ شعار کے ذریعے سے۔ امام زمانؑ کے دشمن ظہورِ امام میں حقیقی رکاوٹ ہیں؛ لہٰذا ان سے برأت و کینہ ایسی مقدس چیز ہے جس کا حقیقی عزادار ضرورتمند ہے۔ امام خمینیؒ،امام زمانؑ اور ان کی عالمی حکومت کے تشکیل دینے میں غفلت برتنے کو ایک بہت بڑا خطرہ اور خوفناک خیانت سمجھتے ہیں اس بارے میں فرماتے ہیں:

اسلامی جمہوریہ ایران کو کسی حالت میں اپنے الٰہی و مقدس اصولوں سے دستبردار نہیں ہونا چاہئے۔ایران کی بہادر عوام انقلاب کے لئے مقدس غم و غصہ اپنے سینوں میں محفوظ رکھتے ہیں اور ان جرائم پیشہ روس اور خونخوار امریکہ اور اس کے حواریوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے؛ تاکہ خدائے بزرگ و برتر کے لطف و کرم سے اسلام محمدی کا پاکیزہ پرچم ساری دنیا پر سایہ فگن ہو جائے اور مستضعفین اور مظلوم صالح افراد زمین کے وارث بنیں۔[1]

---

[1] صحیفہ نور، ج ۲۱۔انقلاب اسلامی اور حضرت ولی عصر (عجل اللہ تعالی فرجہ الشریف) کی حکومت جہانی کے رابطے کے حوالے سے اور انتظار کے دوران خدمت کے جذبے کے بارے میں کتاب آشتی باامام زمان علیہ السلام کے حصہ چہارم کا مطالعہ کیجیے۔

ایک عزادار منتقم اصلی اور منجی عالم (امام زمان (عج)) کے فرائض پر جس قدر زیادہ عمل کرے گا[1] وہ خلوص اور صداقت کے زیادہ نزدیک ہوگا؛ کیونکہ عزاداری اور اس کی زندگی انتقام کے عنصر سے بھرپور ہے اس کے بغیر عزاداری کمزوری اور ذلت کے برابر ہے۔ اور یہ بات بھی شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ سید الشہداءؑ اور امام زمانؑ اپنے عزاداروں اور دوستوں میں قوت و طاقت اور شجاعت کو دیکھ کر خوش و خرم ہوں گے؛ اور اس کے برعکس ضعف و ذلت اور غفلت و خوف دیکھ کر بیزار ہوں گے۔

حقیقی عزادار نے درسِ شجاعت و طاقت اور دشمن کو ضرب لگانے اور ان کے لئے خطرناک ہونے کا سبق اصحابِ عاشورا سے اچھی طرح یاد کیا ہوتا ہے۔ ایسی عزاداری جس کا وجود دنیا کے مستکبرین اور امام زمانؑ کے دشمنوں کے لئے خطرہ نہیں۔ ایسی عزاداری جو ظہور امامؑ کے موانع دور کرنے کے لئے جہاد اور دشمن پر کاری ضرب لگانے کی ہمت و شجاعت پیدا کرنے کی صلاحیت نہ رکھتی ہو یا اصلاً عزاداری بامقصد نہ ہو تو ان سے اس محبت کی صداقت کو شک کی نظر سے دیکھنا چاہئے۔

اس درجے میں پہنچ کر حقیقی عزادار اس حقیقت کو اپنے وجود کی گہرائی تک درک کرلیتا ہے کہ اہل بیت علیہم السلام سے محبت ان کے دشمنوں سے دشمنی اور ان پر کاری ضرب لگائے بغیر جھوٹ کے سوا کچھ نہیں۔

ہاں! محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کی دوستی میں، راہ خدا میں ہر چیز سے گزر جاؤ۔ اس راہ میں جان دینا آسان ترین کام ہے۔

---

[1] منتقم اصلی اور منجی عالم کی نسبت زمہ داریوں کے بارے میں بیشتر آگاہی کے لیے کتاب آشتی با امام زمان علیہ السلام کے حصہ چہارم کا مطالعہ کیجیے۔

مال و آبرو اور شہرت و مقام اور دنیا کے تمام فانی اعتباری چیزوں کو قربان کر دینا چاہیئے۔
یہی وجہ ہے کہ عزادار سالک محمد و آل محمد کی دوستی کے بعد اللہ تعالیٰ سے یہ کہتا ہے۔

وَاَنْ یُثَبِّتَ لِی عِنْدَکُم قَدَمَ صِدقٍ فِی الدُّنیا وَ الآخِرَۃ

کہ اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں مجھے آپ کے پاس سچی ثابت قدمی نصیب فرمائے۔

ان شرائط کے ساتھ ہم نے خالص محبت کو پالیا ہے۔ اور انشاء اللہ امام زمانؑ کے ہاں حاضری کے لائق اور ان کے محبوب و مقرب ہوں گے۔

عزادار کی میدان عمل میں ثابت قدمی

عزادار اپنے امام زمانہؑ کی وفاداری و عہد شعاری میں اس قدر طاقتور اور مستحکم ہو جاتا ہے کہ ہر سختی اور مصیبت کے لئے اپنے آپ کو آمادہ کر لیتا ہے۔

اس نے مصیبت و شہادت کے عاشقانہ استقبال کا درس خود امام حسینؑ اور ان کے عاشق و باوفا اصحاب سے سیکھا ہے۔ اور سید الشہداءؑ کے اس فرمان کو یقین اور خوشی سے قبول کیا ہے۔ آپؑ نے اپنے ایک صحابی سے ارشاد فرمایا:

وَاللهِ الْبَلاءُ و الْفَقْرُ وَالْقتلُ اَسْرَعُ الی مِنْ اَحبَّنا مِنْ رَکْضِ الْبَراذِینِ، وَ مِنَ السَّیْلِ اِلی صِمْرِہ ۔ قُلْتُ وَما الصِّمْرُ؟ قَالَ: مُنْتھاہُ ولَوْلا اَنْ تَکُونُوا کَذلِکَ لَرَأَیْنا اَنَّکُمْ لَسْتُمْ مِنّا[1]

قسم بخدا! ہمارے دوستوں کی طرف مصیبت، فقر و فاقہ اور قتل تیز رفتار گھوڑوں اور جس طرح سیلاب صمر میں آتا ہے اس سے زیادہ تیزی کے ساتھ

---

[1] بحار الانوار، ج ۶۴، ص ۲۴۹، ح ۸۵

آتا ہے۔ میں نے پوچھا: صمر کیا ہے؟ فرمایا: منتھا الیہ سیل (سیلابی راستہ) اگر ایسا نہ ہوتا تو پھر ہم سمجھ جاتے کہ تم ہم میں سے نہیں ہو۔

اگر ہم حسینؑ کی طرح جہاد نہ کریں شہادت قبول نہ کریں اور راہ خدا میں مصیبتوں دشمنیوں اور اذیتوں کو برداشت نہ کریں تو حضرت ہمیں اپنا نہیں جانیں گے۔ پھر کیا ممکن ہے کہ ہم خدا سے یہ درخواست کریں کہ ہم دنیا و آخرت میں محمدؐ و آل محمدؐ کے ساتھی بنیں؛ جبکہ ہم ان سے کسی قسم کی شباہت قائم نہ کریں۔ دنیا و آخرت میں ان کی دوستی کا میزان یہ ہے کہ اللہ تعالی سے عشق رکھیں۔ دین کی پابندی کریں اور راہ دین میں قربانی کے لئے آمادہ اور مکتب اہل بیت سے وابستہ رہیں۔ عزادار کے لئے اپنی جان سے زیادہ محبوب اپنے تنہا مظلوم باپ (امام زمانہ) کے لئے ہر رنج و سختی برداشت کرنا شیریں اور آسان ہے؛ کیونکہ سب سے بڑا رنج و غم اور مصیبت اس کے لئے خود حضرتؑ سے دور ہونا ہے۔

ناز پرورد تنعم راه دوست

عاشقی شیوه رندان بلاکش باشد

(حافظ)

ای که از کوچه معشوقه ما می گذری

برحذر باش ه سر می شکند دیوارش

در زلف چون کمندش ای دل مپیچ کانجا

سرها بریده بینی بی جرم و بی جنایت

(حافظ)

اس کی راہ وروش ان افراد سے جدا ہے؛ جن کی سید الشہداءؑ نے مذمت کی ہے :

"بلاشک لوگ دنیا کے غلام ہیں اور دین ان کی زبان پر ایک بیجان چیز کی مانند ہے کہ ان کی دنیا خوشحال رہے اور جب انہیں کسی آزمایش کے ذریعے آزمایا جاتا ہے تو دیندار کم رہ جاتے ہیں۔[1]

درجہ پنجم میں عزاداری

درجہ پنجم میں ایک شیعہ کے لیے امام حسینؑ کی خاطر انتقامی روح کے بغیر اور، منتقم حقیقی سے تعلق رکھے بغیر عزاداری کرنا جرم سے کم نہیں۔ ظہور امام کی طرف پیش قدمی کیے بغیر؛ اور ان کے ظہور کے موانع کو برطرف کرنے میں امام کی مدد کیے بغیر، مجالس عزاداری برپا کرنا بہت بڑا دھوکہ ہے اور بیجا غرور ہے اور تمام اہل بیتؑ کے حق میں ظلم عظیم ہے ؛خاص طور پر حقیقی منتقم کے ساتھ، اور دنیا کے تمام مظلوموں کے ساتھ خیانت ہے۔

پاک رسول اللہ ﷺ کی نسل، حسین ابن علی + کے فرزند اور امام زمانؑ کے نائب برحق امام خمینیؒ جو انقلاب ایران اور ملت اسلامی ایران کے رہبر کبیر اور معمار ہیں۔ ایک طرف وہ ملک ایران کو امام زمانہؑ کے ملک کی حیثیت سے متعارف کرواتے ہیں اور دوسری طرف ظہور امام زمانہؑ اور ان کی عالمی حکومت کے قیام میں ملک کے ارباب حل و عقد کی غفلت کو ایک خوفناک خیانت اور بہت بڑا خطرہ سمجھتے ہیں[2]۔

وہ اس طرح ارشاد فرماتے ہیں:

---

[1] ان الناس عبيد الدنيا و الدين لعق على السنتهم يحوطونه مادرت معائشهم فاذا محصوا بالبلاء قل الديانون موسوعۃ کلمات امام حسین۔، ص ۳۵۶

[2] امام زمان علیہ السلام کی نسبت مسءولین اور عوام کی خیانت کے بارے میں کتاب آشتی باامام زمان علیہ السلام کے صفحات ۱۰۸ تا ۱۴۶ نیز ۱۹۳ تا ۲۰۸ تک مطالعہ کیجیے

ذمہ دار شخصیات کو یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ ہمارا انقلاب ایران تک محدود نہیں ہے ایرانی انقلاب حضرت حجت ارواحنا لہ الفداء کے پرچم کے سایے میں دنیائے اسلام کے بزرگ انقلاب کا پیش خیمہ ہے؛ کہ اللہ تعالیٰ عصر حاضر میں ظہور امامؑ قرار دے کر تمام مسلمانوں اور انسانوں پر احسان کرے۔

جمہوری اسلامی کی حکومت کو چاہئے کہ وہ لوگوں کی بہتری کے لئے پوری پوری کوشش کرے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ عظیم انقلاب کے اہداف و مقاصد یعنی عالمی حکومت اسلام سے منحرف ہو جائیں۔

امیر المومنینؑ امامؑ کے وجود مقدس کے بارے میں یہ فرماتے ہیں:

صَاحِبُ هذَا الْاَمْرِ، اَلشَّرِيدُ الطَّرِيدُ الْفَرِيدُ الْوَحِيدُ[1]

"امام صاحب الامر، جلاوطن، دور کئے ہوئے تن تنہا ہیں۔"

یہ حالت ہی مصیبتِ اعظم ہے کہ دنیا جہالت اور گمراہی میں غرق ہو، دین حق اور الٰہی قیادت کی پیاسی ہو۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ایسا رہبرِ عظیم جس کی ضرورت ہو وہ مظلوم اور جلاوطن اور تنہا ہو۔ ایک دردمند حقیقی عزادار کے لئے تعجب کے ساتھ ایک اہم سوال قابل غور ہے کہ کن لوگوں نے امامؑ کو جلاوطن کیا ہے اور ان کی غیبت کے طولانی ہونے کے کون سے افراد ذمہ دار ہیں۔

جاہل اور نادان شیعہ جن کے دین سے مچھر کا پر زیادہ محکم ہے اور حضرت نے ان کے آزار واذیت کی شکایت کی ہے کہ وہ کون سے لوگ ہیں؟

کیا صرف اہل کوفہ ملعون ہیں جنہوں نے مولا علیؑ اور امام حسینؑ کو تنہا چھوڑ دیا۔ کیا امام زمانؑ ۱۱۶۰ سال سے زیادہ عرصہ سے تنہا جلاوطن اور وطن سے دور نہیں۔ اس تنہائی اور مظلومیت کا گناہ کس کے سر ہے۔

---

[1] بحار الانوار، ج۵۱، ص۱۲۰

امام زمانؑ کن لوگوں کو اس تنہائی اور مظلومیت کا سبب گردانتے ہیں۔ دشمنوں کو یا نادان دوستوں کو۔

یہی وہ مقام ہے جہاں حقیقی عزادار اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ بہت سی مجالس عزا میں امام زمانؑ سے زیادہ کوئی مظلوم نہیں ۔

بعض ایسی مجالس ہیں جن میں امام حسینؑ کی تنہائی و مظلومیت پر گریہ کو امام زمانؑ کی مظلومیت و تنہائی کو فراموش کرنے کا بہانہ قرار دیا جاتا ہے۔

مجالس عزا میں امام حسینؑ ۶۱ ہجری پر گریہ کے ساتھ اس زمانے کے یزیدیوں کے جرائم اور حسین زمانؑ کی غربت و تنہائی کو پس پشت ڈال دیا جاتا ہے۔ جن مجالس میں امام زمانؑ کے دشمنوں، مستکبرین جہاں اور ان کے ساتھ جہاد کرنے کا ذکر کیا جائے؛ اس کو شدت سے منع کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ مجلس حسینؑ کو سیاسی نہ بناؤ اور مجلس کا ماحول خراب نہ کرو۔

مجالس کے بانی اور شرکت کرنے والے اس بات کو ترجیح دیتے ہیں کہ حضرت امام حسین، جناب زینب، علی اکبر، علی اصغر و رقیہ علیہم السلام کا گھنٹوں ذکر کریں۔ لیکن ان ہستیوں کے خون کا بدلہ لینے والے اور ظہور امام میں رکاوٹ بننے والے یزیدیوں کے متعلق کچھ کہنا اور سننا گوارا نہیں کرتے؛ کیونکہ یہ چیزیں سننے سے ان کو امام زمانؑ کے دشمنوں سے جہاد اور سخت مقابلہ کی ذمہ داری اٹھانا پڑتی ہے ۔ مگر مصائب امام حسینؑ کے سننے اور پڑھنے میں ایسی کوئی بات نہیں۔

بانیان مجالس، ان مجالس کے انتظامات میں اربوں روپے جھونک دیتے ہیں؛ لیکن شیطان بزرگ امریکہ سے جو امام زمانؑ کا اصلی دشمن اور ظہور امامؑ میں بہت بڑی رکاوٹ اور دجال زمانہ ہے اس سے رابطہ برقرار کرنے کے لئے کس شوق سے انتظار کرتے ہیں۔ یہ بظاہر امام حسینؑ کی محبت کا دم بھرتے ہیں لیکن باطن میں روح یزیدی رکھتے ہیں۔

بڑے افسوس کی بات ہے کہ عزاداری میں ایسے لوگ کم نہیں ہیں کہ عزاداری میں مجالس عزاداری کی عظمت کے لئے وقت اور مال صرف کرتے ہیں امام زمانہؑ کے دشمنوں سے محبت کرنے اور اسلام مخالف تہذیب و تمدن کی قبولیت کے لئے دل و جان سے تیار ہوتے ہیں۔ یہ لوگ

غیروں کی ثقافت خصوصاً انسانیت مخالف تمدن امریکہ اور دیگر اسلام محمدی کی مخالف قوتوں کے آلہ کار ہوتے ہیں۔

امیر المومنینؑ ایسے لوگوں کے بارے میں فرماتے ہیں:

وَلَنْ یُحِبّنا مَنْ یُحِبُّ مُبْغِضَنا اِنَّ ذٰلِكَ لا یَجْتَمِعَ فِی قَلْبٍ وٰاحِدٍ و (مٰا جَعَلَ اللهُ لِرَجُلٍ مِنْ قَلْبینِ فِی جَوفِهِ)[1]

یُحِبُّ بِهٰذا قَوْمًا وَ یُحِبُّ بِالآخِرِ عَدُوّهِمْ۔ وَالّذی یُحِبّنا فَهُوَیَخْلَصُ حبّنا کَما یَخْلصُ الذّهَبَ لا غَشّ فیهِ[2]

جو شخص ہمارے دشمن سے محبت کرتا ہے وہ ہرگز ہمارا دوست نہیں ہو سکتا۔ ہماری دوستی اور ہمارے دشمن کی دوستی ہرگز ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتی۔

اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کے سینے میں دو دل پیدا نہیں کیے۔ (سورہ احزاب، ۴) کہ ایک دل سے ایک قوم سے محبت کرے اور دوسرے دل سے ان کے دشمن سے دوستی کرے۔ جو ہم سے محبت کرتا ہے اسے چاہئے کہ ہماری محبت کو خالص کرے جیسے سونے کو کھوٹ سے خالص کیا جاتا ہے۔

سید الشہداءؑ کی مجالس اور ان کی بزرگی و عظمت امام زمانؑ کے دشمنوں کی فکری، ثقافتی اور سیاسی تسلط کی قبولیت کے ساتھ سازگار نہیں ہے۔ اس مقام پر عزادار کے لئے ایک اساسی اور لائق فکر سوال پیدا ہوتا ہے کہ شہادت امام حسینؑ کے بعد شیعوں نے عاشورا سے کیوں درس عبرت حاصل نہ کیا اور امامؑ کے دشمنوں سے انتقام لینے میں کیوں وفاداری کا اظہار نہ کیا؛ کہ بعد میں آنے

---

[1] سورہ احزاب، آیت: ۴

[2] امالی شیخ طوسی، ص ۱۴۸

والے آئمہ نے انتہائی غربت و مظلومیت کے عالم میں شہادت پائی یہاں تک کہ آخری امام غیبت پر مجبور ہوئے۔

زمانۂ غیبت سے اب تک عزاداری وسوگواری کی مجالس کے باوجود کیوں شیعوں میں منجی بشریت کے ظہور امام حسینؑ اور دیگر آئمہ ؑ کا انتقام لینے کے لیے اور امام کے لئے جذبہ وفاداری پیدا نہ کیا جاسکا۔

حالانکہ ہم، مجالس عزاداری بپا کرتے ہیں اور زیارت عاشورا پڑھتے ہیں پھر بھی ہمارے امام زمانہؑ پردۂ غیبت میں تنہائی اور جلاوطنی کی زندگی گزار رہے ہیں اور ہم ان تک پہنچ نہیں پارہے؛ کیا ہمیں اپنی مجالس کی نوعیت و کیفیت پر نظر ثانی نہیں کرنی چاہئے؟[1]

تجدید نظر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہمیں اپنے پیارے تنِ تنہا اور مسافر امامؑ کے ظہور کے لئے ضروری وفاداری دستیاب ہوسکے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم امام حسینؑ کی غربت اور مظلومیت پر تو اشک ریزی کریں اور ہم امام حسینؑ کی صدائے ھل من ناصر ینصرنا، پر تو آہ و بکا کریں اور کہیں کاش ہم آپ کے ساتھ ہوتے مگر حسین زمان امام مہدیؑ کی صدا ھل من ناصر ینصرنی سے غفلت اور بے توجہی برتیں۔

کیا یہ طریق کار بے بنیاد، جھوٹ اور نفاق پر مبنی نہیں ہے کہ ہم امام حسینؑ سے یہ عرض کریں کاش ہم کربلا میں آپ کے ہمراہ ہوتے اور عظیم کامیابی پر فائز ہوتے۔ لیکن امام زمانؑ کو تنہا چھوڑ دیں ان کی مدد نہ کریں اور اس وقت ان کے حوالے سے عائد شدہ فرض پر عمل نہ کریں۔ اس درجے میں گریہ صرف محبت کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ معرفت کی بناء پر ہوتا ہے۔ ایسا گریہ ابتداء میں گریہ کرنے والے کے دل میں محبت پیدا کرتا ہے پھر اسے گریہ کے ذریعے بلندی اور ترقی بھی

---

[1] گزشتہ مطالب پر غور کرنے پر یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ مجالس میں تجدید نظر سے ہماری مراد ائمہ اہل بیت علیہم الاسلام یا امام حسین۔ کے مصائب کو حذف کرنا نہیں بلکہ ذکر مصائب سے صحیح استفادہ کرنا مقصود ہے۔

ملتی ہے اور وہ نفسانی قوتوں پر غلبہ بھی حاصل کرلیتا ہے اور اس کے لئے امام حسینؑ کی اطاعت کا راستہ بھی کھل جاتا ہے اور اطاعت کے ذریعے وہ 'منّا اهل البیت' کی منزل پر پہنچ جاتا ہے۔

اسی لئے سید الشہداءؑ نے فرمایا:

انا قَتیلُ الْعَبَرَة [1] میں کشتہ اشک ہوں۔ اگر مصیبت عظیم نہ ہوتی تو گریہ کیونکر ہوتا۔ اگر گریہ نہ ہوتا تو محبت واطاعت نہ ہوتی۔

اگر قدرت نہ ہوتی تو زمانے کے یزیدیوں سے جہاد کرنے میں امام حسینؑ کی پیروی نہ ہوگی اگر ایسا ہوا تو پھر مصیبت اعظم یعنی امام زمانہؑ کی غیبت قید زندان میں ہمیشہ رہے گی اور لوگ ظلم وستم اور تباہی و بربادی کی چکی میں پستے رہیں گے۔

اس رتبہ میں پیاس، قید، گریہ وغیرہ الفاظ کے بجائے زیادہ تر دشمنانِ اہل بیتؑ پر لعنت اور امام زمانؑ کے انتقام اور جنگ وغیرہ کلمات پر تکیہ کیا جاتا ہے (کیونکہ عزادار پہلی منزلیں طے کرکے اس آخری منزل پر پہنچ جاتا ہے)۔ بالفاظ دیگر معرفت تک پہنچنے کے لئے محبت و احساس کا پہلو جہاد و عمل ہے۔ اس رتبہ میں عزاداری کا اصل عنصر و جز، شجاعت اور جہاد ہے۔

عزادار کا عزاداری کی آفات اور کمزوریوں سے مقابلہ

اس رتبہ میں جس طرح عزادار اہل بیت علیہم السلام کے دستور کے مطابق اپنے آپ کو حسینی کارنامے اور عزاداری کو قائم رکھنے کا پابند سمجھتا ہے اسی طرح وہ مجالس کو جھوٹ، تحریفات، نیز خرافات اور محرمات سے محفوظ رکھنے کو اپنا فرض سمجھتا ہے۔ اور اس اہم فریضے کی ادائیگی کے مواقع تلاش کرتا ہے ؛ چنانچہ وہ اس جستجو کے دوران لوگوں کو خصوصاً جوانوں کو قیام امام حسینؑ اور عزاداری امام کے فلسفہ سے روشناس کرنے پر توجہ مرکوز کرتا ہے۔

---

[1] امالی شیخ صدوق، ص ۱۱۸

در حقیقت درجہ پنجم میں عزادار کے حصے میں ثقافتی مقابلے کا جو اہم حصہ آتا ہے اس ثقافتی مقابلے کا ایک اہم حصہ عزاداری کی آفات اور اسے کمزور کرنے والے عناصر سے جہاد و مقابلہ کرنا ہے۔

حقیقی عزادار، عزاداری کی آفات اور ان خطرات سے بخوبی آگاہ ہوتا ہے؛ جن کی وجہ سے یہ آفات وجود میں آتی ہیں۔ وہ یہ بات اچھی طرح سے جانتا ہے کہ اگر عزاداری ایک عادت میں بدل جائے اور وہ صرف احساس و محبت پر مبنی ہو اور اس سے معرفت کا عنصر غائب ہو؛ تو اس صورت حال میں بیداری اور حرکت نہیں ہوتی بلکہ اس سے خوابِ غفلت طاری ہو جاتی ہے۔

وہ ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ اس قسم کی مقدس اور اہم مراسم اچھی کارکردگی اور حیرت انگیز اثرات کے باوجود چند جاہل اور غرض مند افراد کے ہاتھوں کئی قسم کی آفات و امراض کا شکار ہو جائیں اور ان کے اچھے اثرات، اور روحانی قوت ختم ہو کر رہ جائے۔

وہ تمام، عزادران حسینؑ کے احترام میں جس مسجد و امام بارگاہ یا مقام پر مجلس عزا بپا ہوتی ہے وہ اس میں حاضری دیتا ہے اور عزاداری کی آفات کا مقابلہ کرتے ہوئے وہ حقیقی عزاداری کے خدوخال کو آشکار کرتا ہے تاکہ امام حسینؑ کے حیات بخش مکتب کے زیر سایہ کچھ نہ کچھ حصے پر عمل ہو جائے۔ وہ اصلی اور معتبر اسلامی ذرائع سے مربوط ہونے کی وجہ سے معرفت کے بالاتر درجے تک رسائی حاصل کر چکا ہوتا ہے وہ رسول خدا ﷺ کے اس فرمان کے سامنے اپنے آپ کو مسئول اور ذمہ دار تصور کرتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

اِذَا ظَهَرَتِ الْبِدَعُ فِی اُمَّتِی، فَلْيُظْهِر الْعالِمُ عِلْمَهُ و اِلّا فَعَلَيْه لَعْنَةُ اللهِ و الْمَلائِكَةُ و النّاسُ اجمعين (اصول کافی)

جب میری امت میں بدعتیں رونما ہوں تو عالِم کو اپنے علم کا اظہار کرتے ہوئے ان بدعات کا مقابلہ کرنا چاہیے ورنہ اس پر اللہ تعالیٰ، ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت ہو گی۔

اگر عام لوگوں کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا جائے؛ تو وہ راہ راست سے منحرف ہو جائیں گے۔ اگرچہ وہ صنعت و ٹیکنالوجی کے ذریعہ فضائے آسمانی میں اسٹیشن قائم کرلیں۔ چین اور جاپان کے لوگ علمی اور صنعتی پیشرفت کے باوجود ثقافتی فقر کے نیچے زندگی گزار رہے ہیں؛ کیونکہ وہ انسانی ہاتھوں کے بنائے بتوں کی پوجاپاٹ کرتے ہیں۔ بعض غریب لوگ بظاہر متمدن اور مہذب ہیں لیکن ابھی تک فالناموں اور اس قسم کے خرافات کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

جب طالبان نے (افغانستان میں) بودا کے مجسمے کو توڑ دیا تو جاپان اور ایران نے اعتراض کیا جاپان کے اعتراض کی دلیل یہ تھی کہ لوگ مجسمے اور بتوں کی کرامت کے قائل ہیں اور انہیں مقدس جانتے ہیں؛ البتہ ایران کے اعتراض کی وجہ یہ تھی کہ مجسمہ زیر زمین پوشیدہ دیگر ثقافتی میراث کی طرح ہے جیسے آثار قدیمہ کے کوزے، برتن، دھات اور مٹی کے پرانے برتن جو قدیم تاریخ سے وابستہ ہیں اور ہنر مندی کا پرانا نمونہ ہونے کی وجہ سے ان کی حفاظت کرنی چاہئے نہ کہ انہیں ضائع کردیا جائے۔

ماضی میں لوگ اپنے گھروں، دکانوں اور حماموں پر گھوڑے کے نعل لٹکاتے تھے اور اس سے عقیدت رکھتے تھے جبکہ اس کے پس منظر سے واقف نہ تھے۔ اس منحوس عقیدے کی بنیاد یہ ہے کہ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد عمر بن سعد کے حکم سے ایک دوسرے پر تفاخر کی غرض سے اپنے گھوڑوں کی تازہ نعل بندی کروائی اور شہیدانِ کربلا کے پاک اجسام پر گھوڑے دوڑائے؛ جس سے شہداء کے پاک کے لاشے پائمال ہوگئے۔ وہ جب کربلا سے واپس کوفہ آئے تو ایک جماعت نے ان کے سموں کو بوسے دیئے۔ اور انہیں آنکھوں سے لگایا اور باعث برکت سمجھ کر انہیں اپنے گھروں پر لٹکادیا۔

اس کے بعد ابوریحان بیرونی نے اس غیر دانشمندانہ کام کا راز فاش کیا اور لوگوں کو اس کی حقیقت سے آگاہ کیا۔ افسوس ہے کہ آج سے پچاس سال پہلے تک یہ عمل جاری رہا۔ اور لوگ اس

حقیر و پلید چیز کو باعث نعمت و برکت سمجھتے رہے۔ حتیٰ کہ جب مسجدیں اور امام بارگاہیں بارونق ہو گئیں تو اس حقیقت سے آگاہ علماء کی کوشش سے یہ بری سنت ختم ہوئی۔

خاندان پیغمبر ﷺ کی عالمانہ باتوں، امام بارگاہوں اور منبر کے پررونق ہونے سے جہالت اور خرافات کی راہ بند ہو گئی۔ ورنہ یہ خرافات اور غلط عقائد آثار قدیمہ کے نام سے لائق احترام سمجھے جاتے تھے۔

اب بھی امامؑ کی عزاداری میں غلط طریقے موجود ہیں۔ اجتماعی ماتم میں وزنی قسم کے علم اٹھائے جاتے ہیں اس کام میں کوئی خردمندی نہیں، اور نہ ہی قرآن و حدیث میں اس کی تاکید موجود ہے امام حسین۔ کے ماتم میں آہ و بکا کرنا اور آگاہی کے ساتھ سر و سینہ پر ماتم کرنا ایک انسان ساز عمل ہے اور سنگین و سرد لوہے کا کوئی فائدہ نہیں ۔

ضروری ہے کہ حوزہ علمیہ کے مفکرین اور دانشور اور دیندار لوگ بہتر اور کامل طریقے سے مراسم عزاداری کا انتظام کریں اس طریقے سے کہ مردانہ وار اخراجات کریں اور عورتوں کی طرح گریہ وزاری کریں اس طرح یہ اخراجات بھی مقبول ہوں گے اور دردناک گریہ بھی کارساز ہوگا [1]۔ اس رتبہ میں مجالس عزا۔ عزاداروں کے لیے ایک ایسا وسیلہ ہے جو ان کے ھدفِ خلقت اور وظائف کی نسبت ان کی بصیرت میں اضافہ کرتا ہے۔ وہ وظیفہ جو اسے اعلیٰ ھدف تک پہنچا سکتا ہیں، ان وظائف میں سے ایک امام حسین علیہ السلام کے منتقم اصلی سے سچا تعلق ہے۔

اس درجے میں عزاداری کا جوہرِ اصلی امام زمانؑ کی تنہائی اور مظلومیت پر توجہ دینا ہے اور آنحضرتؑ کے بارے میں ہر عزادار کا یہی فرض ہے۔

اس درجے میں عزادار کے جذبات محبت و احساس اور غیرت و انتقام کے لئے جہاد و قربانی کی روح کو حرکت میں لانے کا ذریعہ ہوتی ہیں۔

---

[1] شکوفائی عقل در پرتو نهضت حسینی، صص ۲۵۵۔۲۵۴ آیت اللہ جوادی آملی

حقیقی شیعہ کی روح کا اہل بیت علیہم السلام سے اتصال اس طرح ہوتا ہے کہ جب ابو بصیر نے امام صادقؑ سے یہ سوال کہ میں کبھی کبھی وجہ جانے بغیر غمگیں اور پریشان ہو جاتا ہوں۔ امامؑ نے فرمایا: یہ غمی اور خوشی ہماری طرف سے تمہیں آتی ہے۔ جب ہم پر غم یا خوشی آتی ہے تو تم پر بھی پر بھی طاری ہوتی ہے، کیونکہ ہم اور آپ لوگ اللہ عزوجل کے نور سے ہیں۔[1]

حقیقی شیعہ، اہل بیت علیہم السلام کی خوشی سے خوش اور ان کے غم سے غمگیں ہوتا ہے۔
کیا ایک شیعہ کی زندگی میں امام زمانؑ کی تنہائی و مظلومیت اور جلاوطنی کے غم سے بڑا کوئی غم ہے؟ اگر اہل بیتؑ پر وارد ہونے والی مصیبتیں عظیم ہیں تو کیا امام مہدیؑ کی غیبت اور خانہ نشینی کی مصیبت عظیم تر نہیں۔ اگر امام حسینؑ اور باقی اہل بیتؑ کے لئے اس قدر گریہ و ماتم ہے تو حضرت قائمؑ کی غیبت جو مصیبتِ اعظم ہے ان کے لئے ہماری کیا ذمہ داری بنتی ہے۔ اہل بیتؑ کے دل کے داغدار ہونے سے ایک شیعہ کا دل داغدار ہو جاتا ہے تو ہمیں دیکھنا چاہئے کہ اہل بیت علیہم السلام کے دل کو کون سی مصیبت نے زیادہ داغدار کیا ہے مصیبت عظیم نے! یا مصیبت اعظم نے!۔

اگر مصیبت عظیم کے لئے ہم اس قدر اجتماع کر کے وقت اور پیسہ خرچ کرتے ہیں تو کیا مصیبت اعظم کے رفع کرنے کے لئے ہمدردی، اجتماع وقت اور پیسہ لگانے اور کوئی پروگرام مرتب کرنے اور اس کے اجراء کی ضرورت نہیں ہے۔

اسے تنہا اپنے قوتِ بازو پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے بلکہ اللہ تعالیٰ کی حول و قوہ الٰہی سے مدد طلب کرے اور اہل بیت علیہم السلام سے توسل کرتے ہوئے حضرتؑ کے دشمنوں سے جہاد کرنے

---

[1] عن ابی بصیر: دخلت علی ابی عبد اللہ و معی رجل من اصحابنا فقلت لہ: جعلت فداک یابن رسول اللہ، انی لاغتم و احزن من غیر ان اعرف لذلک سببا، فقال ابو عبد اللہ ان ذلک الحزن و الفرح یصل الیکم منا: اذا دخل علینا حزن او سرور کان ذلک داخلا علیکم لانا و ایاکم من نور اللہ عزوجل بحار الانوار، ج۵، ص ۲۴۲

اوران کے ظہور کی رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے ایک تحریک شروع کرنی چاہئے۔تاکہ حضرتؑ کے ظہور کے لئے ایک وحدت واتحاد جس کی ضرورت ہے وجود میں آجائے کہ جس کے فقدان سے شیعوں میں شکوہ وشکایت کی صورت حال پیدا ہوئی ہے،اور ہو رہی ہے۔

مجالس عزاداری اور عظمت اہل بیت علیہم السلام

حقیقی عزادار بخوبی جانتا ہے کہ اگر شیعوں نے عاشورا سے صحیح استفادہ کیا ہوتا اور اسے نمونۂ عمل بنایا ہوتا تو آج امام زمانؑ تنہائی، مظلومیت اور مسافرت کے عالم میں نہ ہوتے ۔ مگر افسوس کہ شیعوں نے عاشورا کو فقط عزاداری کا ذریعہ قرار دیا اور اسے نمونہ عمل نہیں بنایا۔

سانحہ عاشورا نے مصیبت اعظم کے رفع کرنے اور معاشرے پر ائمہ معصومین علیہم السلام کی حاکمیت کے لئے بہترین درس اور بہت زیادہ قوت اور انرجی فراہم کی ہے۔ عزاداری کو اصل سمجھ لینا اور جہاد و عمل سے غفلت کرنا؛امام زمانؑ کے معاشرہ اسلامی سے غیبت اور غربت و تنہائی میں شیعوں کی غیرت اوران کی ہمت کے انتظار کا موجب بنا ہے۔

عزادار کہ جس نے خود دانشگاہ عاشورا سے بہترین درس سیکھے اور خود کو درجہ پنجم یعنی مقام ''منتظر'' تک پہنچایا وہ ہر کسی سے گریہ کی طاقت اوراس کے حیران کن اثرات اور عزاداری و مجالس کی افادیت سے آگاہ ہے ؛جو عظمت اہل بیت کی مظہر ہیں۔ وہ اپنے ثقافتی جہاد میں عظمت اہل بیت علیہم السلام پر مبنی مجالس کا متلاشی ہوتا ہے۔ خصوصاً ایسی مجالس عزا جو ترقی یافتہ، مضبوط اور جن کی بنیاد معرفتِ ائمہ اور جہاد پر ہو۔اس لئے کہ ایسی مجالس عزاداروں میں روح حسینی وجود میں لاتی ہیں اور منتقم امام زمانؑ کے لئے قوی اور طاقتور مجاہد مہیا کرتی ہیں کہ وہ سب سے زیادہ امامؑ کی خدمت کریں۔ان کے دشمنوں اوران کے ظہور میں رکاوٹ بننے والوں پر ضربِ کاری لگائیں۔

ایسی مجالس عزادار پر روحانی اور معنوی طور پر بہت اثر انداز ہوتی ہیں۔اس کے علاوہ اس میں اور اہل بیتؑ میں قرب کا سبب بنتی ہیں۔ کیونکہ ایسی مجالس ،اہل بیتؑ کی گہری معرفت اور قرآن و

اہل بیتؑ کی زبان سے بلند دینی معارف کی شناخت کا مرکز ہوتی ہیں۔ یعنی ایسی مجالس جو سید الشہداءؑ کے فرمان سے مطابقت رکھتی ہیں۔ اور امامؑ ایسی ہی مجالس کے منتظر ہیں۔[1]

عزادار، اس درجے میں مجالس عزا کو امام زمانؑ کی دوستی کی مجالس میں بدل دیتا ہے یہ درجہ وہ مقام ہے ؛ جس میں اجتماع کا مقصد ظہور امام کے موانع کو بر طرف کرنا اور زمانے کے مظلوم اور مضطر امام کی مدد کرنا ہے۔ ایسی مجالس میں اگر ہاتھ سر و سینہ پر پڑتا ہے تو اس سے زیادہ ہاتھ دشمن کے منہ اور سر پر پڑتے ہیں۔ اگر ایک گھنٹہ گریہ و عزاداری میں گزرتا ہے تو کئی زیادہ گھنٹے انتقام کے عمل اور حسینِ زمانؑ کے دشمنوں کا گلہ دبانے میں گزرتے ہیں۔

ایسی مجالس پر حضرت بقیۃ اللہ ارواحنا لہ الفداء کی خصوصی نظر عنایت ہوتی ہے کیونکہ حضرت انتہائی عالم غربت و تنہائی میں ایسی مجالس اور ایسے افراد کے بارے میں فرماتے ہیں:

اِنّی لادعُولِکُلّ مُؤمنٍ یَذکُرُ مُصیبَۃَ جدّی الشُّھیدِ، ثُمّ یَدعُولِتَعجیلِ الفَرَج

"میں ہر اس مومن کے لئے دعا کرتا ہوں جو میرے شہید جد کی مصیبت کو یاد کرتا ہے پھر تعجیل ظہور کی دعا کرتا ہے۔"

ایسی مجالس سید الشہداءؑ اصحاب عاشورا اور امام زمانؑ اور دل زہرا اور تمام اہل بیت علیہم السلام کے دلوں کو شاد کرتی ہیں اور حقیقی عزاداروں کے حق میں ان کے لیے خصوصی دعا نکلتی ہے۔ واقعاً ایسی مجالس آتشِ غیرت و محبتِ عزادار میں ایسی تڑپ اور گرمی پیدا کرتی ہیں کہ جب سید الشہداءؑ کا نام لیا جائے تو اسے دل کے ساتھ روتی آنکھوں اور محبت و غیرت سے بھرے قلب کے ساتھ خون حسین کا بدلہ لینے کے لیے امامؑ کی یاد آجاتی ہے۔ اور وہ بارگاہ امامؑ میں اس طرح عرض کرتا ہے:

"میں اس خدا سے جس نے آپ کو معزز کیا اور مجھے آپ کے ذریعے عزت بخشی۔ یہ درخواست کرتا ہوں کہ اہل بیت محمدؐ سے ہونے والے امام منصور کے ہمراہ آپ کے ناحق خون کا بدلہ لینے کی توفیق مرحمت فرمائے۔"

---

[1] بحار الانوار، ج ۴۴، ص ۱۹۵

دوسرے جملے میں سید الشہداءؑ سے اس طرح عرض کرتا ہے:

''میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ میں چاہتا ہوں کہ مجھے امام ہدایت کہ جو آپ میں سے ہیں؛ جو حق کے ساتھ ظہور فرمایں گے ان کی ہمراہی میں خون کا بدلہ لینے کی توفیق نصیب فرما۔[1]

ایسا حقیقی گریہ جو از روے معرفت ہو وہ سوز کے بغیر غیرت ساز ہوتا ہے؛ طبعیت سوز اور فطرت ساز ہوتا ہے؛ حیوان سوز اور انسان ساز ہوتا ہے؛ غافل سوز اور منتقم ساز ہوتا ہے؛ منتقم ساز اور منتظر ساز ہوتا ہے۔

ایسا گریہ زندہ باد اور حقیقی اور تعمیری مجالسِ گریہ زندہ باد۔

والحمد للہ رب العالمین

[1] زیارت عاشورا

فہرست منابع

قرآن کریم

مفاتیح الجنان

ثقۃ الاسلام کلینی، اصول کافی، دار الکتب الاسلامیہ، ۱۳۶۵ھ۔ش

شیخ صدوق، امالی صدوق، انتشارات کتابخانہ اسلامیہ، ۱۳۶۲ھ۔ش

شیخ مفید، امالی شیخ مفید، انتشارات کنگرہ شیخ مفید، ۱۴۱۳ھ۔ق

شیخ طوسی، التھذیب، دار الکتب الاسلامیہ تہران، ۱۳۶۵ھ۔ش

شیخ طوسی، امالی طوسی، انتشارات دار الثقافۃ قم، ۱۴۱۴ھ۔ق

شیخ مفید، الاختصاص، کنگرہ شیخ مفید قم، ۱۴۱۳ھ۔ق

علی طبرسی، الاحتجاج، نشر مرتضیٰ، مشہد مقدس، ۱۴۰۳ھ۔ق

محمدی رح شہری، العلم والحکمۃ فی الکتاب والسنۃ

محمد شجاعی، آشتی باامام زمانؑ، نشر محبی، ۱۳۸۱

علامہ مجلسی، بحار الانوار، مؤسسۃ الوفاء، بیروت، ۱۴۰۴ھ۔ق

محمد دشتی، ترجمہ نہج البلاغہ، انتشارات آل علیؑ، سل ۷۹

حرانی، تحف العقول، انتشارات جامعہ مدرسین قم، ۱۴۰۴ھ۔ق

محمد بن جریر طبری، ترجمہ ابوالقاسم پایندہ، تاریخ طبری، انتشارات اساطیر تہران، ۱۳۶۸

علامہ طباطبائی، تفسیر المیزان، دفتر انتشارات اسلامی، ۱۴۰۲ھ۔ق

شہید استاد مطہری، حماسہ حسینی، انتشارات صدرا، سال ۱۳۶۶ھ۔ق

آیت اللہ عبداللہ جوادی آملی، حماسہ و عرفان، مرکز نشر اسرا، ۱۳۷۷ھ۔ش

محمد حسین رُخشاد، در محضر علامہ طباطبائی، انتشارات سماء قلم، ۱۳۸۲ھ۔ق

حافظ شیرازی، دیوان حافظ، انتشارات پیام عدالت، ۱۳۷۲

آیت اللہ جوادی آملی، شکوفایی عقل در پرتو نہضت حسینی، مرکز نشر اسرا، سال ۸۱

مجموعہ سخنان حضرت امام، صحیفہ نور، مرکز مدارک فرہنگی

صحیفۂ انقلاب، وزارت فرہنگ وارشاد اسلامی

آمدی، غرر الحکم، انتشارات دفتر تبلیغات قم، ۱۳۶۶ھ۔ق

ابن قولویہ قمی، کامل الزیارات، انتشارات مرتضویہ نجف، ۱۳۵۶ھ۔ق

اربلی، علی بن عیسی، کدف الغمہ، مکتبۃ بنی ہاشمی تبریز، ۱۳۸۱ھ۔ق

مصنف متقی ہندی، کنز العمال، محقق: شیخ صفوت السقائ، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ۔ق

موسوعۃ کلمات الامام الحسینؑ، نشر معروف، سل ۷۴

محدث نوری، مستدرک الوسائل، مؤسسہ آل البیت، ۱۴۰۸ھ۔ق

شیخ طوسی، مصباح المتھجد، مؤسسہ فقہ الشیعہ بیروت، ۱۴۱۱ھ۔ق

رضی الدین طبرسی، مکارم الاخلاق، انتشارات شریف رضی قم، ۱۴۱۲ھ۔ق

خالد برقی، محاسن برقی، دار الکتب الاسلامیہ قم، ۱۳۷۲ھ۔ق

محمد حلی، مستطرفات السرائر، انتشارات جامعہ مدرسین قم، ۱۴۱۱ھ۔ق

الشیخ الجلیل الحسینبن محمد بن الحسن بن الحلوانی، نزھۃ الناظر وتنبیہ الخاطر، تحقیق ومدرسۃ الامام المھدیؑ، ۱۴۰۸ھ۔ق

مھدی طیب، مصباح الھدی، نشر سفینہ، ۱۳۸۰

وسائل الشیعہ، مؤسسہ آل البیت قم، ۱۴۰۹ھ۔ق

سید ہدایت اللہ طالقانی، ھمرہ نور، نشر سابقون، ۱۳۸۰

سلیمان بن ابراہیم قنوزی، ینابیع المودہ، کاظمین دار کتب عراق، سال ۱۳۸۵ھ۔ق

وہی عزاداری زیادہ کامیاب اور مقام منتظر کے نزدیک تر ہے کہ جس نے پہلے مرحلے میں اپنی سیرت وصورت کو بہتر کیا ہو، اس لیے کہ جو عزادار پیغام عاشورا کو سمجھ لیتا ہے وہ بخوبی جان لیتا ہے کہ سید الشہداؑ کے نزدیک تر وہی ہے کہ جس میں حسینیت کی شباہت جھلکتی ہو؛ اپنی خودسازی اور کردار پر توجہ دینا دراصل امام حسینؑ کے دشمنوں سے عملی انتقام لینے کا ایک راستہ ہے۔ امام حسینؑ کی شباہت وجماعت کے حامل افراد کی تعداد جس قدر بڑھتی رہے گی اور جس معاشرے میں امامؑ کے پیروکاروں کی تعداد بیشتر ہوگی تو وہاں امام عالی مقامؑ اور امام زمانہؑ کے دشمن زیادہ خوفزدہ، ضعیف اور گوشہ نشین ہوتے رہیں گے اور منتقم اصلی (امام زمانہؑ) کے ظہور کا زمینہ آمادہ ہوتا جائے گا۔ اس کے بعد والے مرحلے میں وہ عزاداری زیادہ کامیاب اور مقام منتظر کے زیادہ نزدیک ہے جو امام زمانہ (عج) کے مقاصد کے لیے زیادہ قوی اور مفید ہو۔ حقیقی عزادار وہ ہے جو امام حسینؑ اور ان کے خون کے منتقم اصلی (امام زمانہؑ) کے دشمنوں کی نسبت جو مقدس کینہ رکھتا ہے اسے اپنے عمل سے ظاہر کرے؛ جس حقیقی عزادار میں دشمنوں کی نسبت یہ مقدس کینہ بیشتر ہوتا جائے گا؛ وہ اسی قدر اپنی خودسازی اور عملیاتِ انتقام کے اجرا میں قوی تر ہوتا جائے گا اور منتقم اصلی کے ظہور میں موانع کو دور کرنے میں سنجیدہ ہو کر جدوجہد کرنے لگے گا۔ بعبارت دیگر ایک عزادار کی صداقت کا میزان نعروں سے نہیں بلکہ اس کے عمل سے ثابت ہوگا۔

نشر محیی

+98-251-7761142
ISBN: 964-92569-8-9